

**THE BOOK WAS
DRENCHED**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188085

UNIVERSAL
LIBRARY

Osmania University Library

Call No 32,116/1

Accession No 4/5

Author

Title

This book should be returned on or before the date marked below

احوال و آثار

خان آرزو

(۱۰۹۹ھ/۶۱۶۸۷ - ۱۱۶۹ھ/۶۱۷۵۵)

ڈاکٹر ریحانہ خاتون

شعبہ فارسی

دانشگاه دہلی ————— دہلی

ناشر

انڈوپریشین سوسائٹی

۱۸۳۸- شیخ چاند اسٹریٹ، لال کنواں، دہلی-۶

احوال و آثار خان آرزو

مصنف: _____ ڈاکٹر ریحانہ خاتون

سال طباعت _____ ۸۷ ۱۹۷۱

ناشر: انڈوپرشین سوسائٹی ۱۸۳۸،

شیخ چاند اسٹریٹ، لال کنواں دہلی - ۱۱۰۰۰۶

مطبع :- فوٹو لیتھو ورکس سیما پوری دہلی ۱۱۰۰۰۶

قیمت: ۵۰ روپے

امی مرحومہ کی نذر

تعارف

سراج الدین علی خان آرزو (متوفی: ۱۱۶۹ھ ۱۷۵۵ء)

ہندستان میں فارسی زبان و ادب کے ایک مایہ ناز اور کثیر التصانیف عالم ہیں۔ آپ نے فارسی شعرا کے تذکرے لکھے، فارسی کی اہم کتابوں کی شرحیں لکھیں، دوسروں کی تصانیف پر ادبی اور علمی تنقید کی اور فارسی زبان کے قواعد پر کتابیں لکھیں اس کے علاوہ دیگر دلچسپ اور اہم موضوعات پر مختلف عنوانات سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آپ ایک پرگوشتا شعاع بھی تھے۔ نیز آپ کے دواوین کتب خانوں کی زینت ہیں۔ آپ نے بعض دواوین فارسی کے اساتذہ شعرا کے جواب میں ترتیب دیے ہیں۔ ان دواوین سے آپ کی شاعرانہ مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آرزو کی علمی کوششوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے تو باسانی احساس ہو جاتا ہے کہ ان کی دلچسپی کا اصل موضوع فرہنگ نویی یا لغت نویی ہے۔ ان کی سراج اللغۃ، چراغ ہدایت، نوادر الالفاظ، زاید الفوائد ایسی فرہنگیں ہیں جو فارسی کے طلباء و اساتذہ کے لیے عرصہ سے توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ اسی ضمن میں ایک دوسری کتاب مثر ہے، جو اپنے موضوع اور مطالب کے لحاظ سے فارسی زبان و تاریخ میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔ بارہویں صدی ہجری میں آرزو ہندستان میں ایک ایسی کتاب کی ترتیب میں مشغول تھے جس میں فارسی، ہندی، ترکی اور عربی کے ایک دوسرے سے گہرے اور قریبی تعلق و رشتے پر اپنے گرانقدر خیالات کا اظہار کیا ہے اس زمانے تک کسی نے آپ کے انداز میں فارسی اور ہندی وغیرہ کے مابین

تعلق پر علمی نقطہ نگاہ سے روشنی نہیں ڈالی تھی، مثنوی آرزو کی ایسے ہی تحقیقی نظریات پر مشتمل ہے۔

ایرانیوں کا غالباً ہمیشہ سے یہ رویہ رہا ہے کہ انہوں نے غیر ملکی فارسیوں کی علمی و ادبی کوششوں کو وہ اہمیت نہیں دی جس کی وہ حقدار ہیں، علیٰ حدیث نے ایرانیوں کے اس رویے کا اپنی تحریروں میں اظہار کیا ہے۔ یہ رویہ غیر علمی اور بے بنیاد تھا جس کے جواب میں ہندوستان کے فارسی علما نے بھی اپنے دفاع میں قلم اٹھایا۔ آرزوان چند معتبر اور صاحبِ نظر علما میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے ہندوستان کے فارسی شعرا و ادبا کی کوششوں کو علمی بنیاد پر پرکھا، نیز ہندوستانی فارسی زبان و ادب کی ارزش، قدر و منزلت اور اہمیت کو عالمانہ انداز میں متعارف کرایا۔ آپ کی اس علمی خدمت کا مطالعہ کرنا باقی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر ریحانہ خاتون نے سراج الدین علی خان آرزو کی زندگی اور آثار پر نسبتاً تفصیل سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ کوشش قابلِ مذکر ہے چونکہ اس میں تحقیقی رویہ اپنایا گیا ہے، اور آرزو کی زندگی کے تقریباً تمام پہلوؤں پر متوازن انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، مثنوی سے متعلق اس کتاب کا حصہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ اس لیے کہ ”مثنوی“ کی علمی و ادبی قدر و قیمت کو سمجھنے کے لیے یہ سب سے پہلی مفصل کوشش ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ فارسی زبان و ادب سے تعلق رکھنے والے اردو ادانِ حفرات بھی اس کتاب کا خیر مقدم کریں گے نیز آرزو کی علمی جدوجہد کو سمجھنے میں یہ کتاب بڑی مددگار ہوگی۔

پروفیسر سید امیر حسن عابدی

(پروفیسر امیر حسن)

شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی

عرض مصنف

کئی سال کی پیہم جستجو کے بعد ۱۹۸۰ء میں راقم کو علی گڑھ یونیورسٹی نے خان آرزو کی لسانیات کی کتاب، "مشرق کے تنقیدی جائزہ اور ترتیب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی تھی۔ اس کے بعد کچھ ایسے حالات ہوئے کہ میں اپنی یہ حقیر کوشش شایع کر کے اہل علم کی خدمت میں پیش نہیں کر سکی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ میری یہ کوشش جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔

پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھنے کے دوران ظاہر ہے کہ مجھے خود خان آرزو کے حالات زندگی اور ان کے مختلف ادبی، تاریخی، علمی اور فنی کارناموں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ میں نے اس پہلو پر بھی حتی المقدور اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ خان آرزو اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک عظیم فارسی عالم ہیں۔ انہوں نے فارسی علم و ادب کی گراں بہا خدمات انجام دی ہیں۔ یہ بیک وقت شاعر، ادیب، ماہر لسانیات، نقاد، شرح نگار، لغت نویس غرض یہ کہ بہت کچھ تھے ان کو چار زبانوں پر مہارت حاصل تھی جن میں فارسی، عربی، اردو و سنسکرت شامل ہیں۔ یہ اس زمانے کے مختلف تقاضوں کو اس خوبی سے نبھاتے

تھے کہ کبھی کسی موقع پر ٹکراؤ یا تصادم پیدا نہ ہوا۔ انھوں نے تماشاکارِ عالم کو ہر پہلو سے دیکھا۔ کبھی شاعری کے میدان میں اپنے فن اور نوز و نئی طبع کا مظاہرہ کیا تو کبھی ادیب بن کر سامنے آئے، کبھی زبان شناسی اور فرہنگ نویسی کے میدان میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے تو کبھی نقاد بن کر اُبھرے اور تنقید کے میدان میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ خود ان کی زندگی کی صحیح تصویر کشی کے لیے بھی ہمیں جستجو کرنی پڑی ہے پیش نظر صفحات میں خان آرزو کی زندگی اور ان کے کارناموں پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے میری اس کوشش سے یہ بات کبھی مکمل طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اورنگ زیب کے بعد حال لکھ فارسی زبان و ادب کی سرپرستی میں وہ سرگرمی نہ رہی تھی جو اس سے پہلے کے مغل دور میں موجود تھی اور جس کی وجہ سے ایران کے شعراء، علماء اور فضلا بڑی تعداد میں ہندوستان آ کر مقیم ہو گئے تھے اس کے باوجود اس دور میں بھی خان آرزو جیسے علمائے ادب ہندوستان میں جنم لیتے رہے اور فارسی زبان و ادب کی ہر میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیتے رہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں ہندوستان کے ایک بانیہ ناز محقق پر دفسیر نذیر احمد صاحب قبلہ کی لڑکی ہوں۔ میرے والد نے ویسے تو میرے قدم پر تعلیمی میدان میں ہم سب بہن بھائیوں کی رہنمائی فرمائی ہے، لیکن جیسا میں نے پی، ایچ، ڈی کے لیے خان آرزو کی مشہور ترتیب دینے کا فیصلہ کیا تو مجھے جو راہنمائی اپنے والد صاحب قبلہ سے ملی اس کا ذکر ممکن نہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ میرے والد صاحب کی تحقیقی اور علمی سرگرمیاں لغت سے نسبتاً زیادہ متعلق ہیں اس وجہ سے ان کی راہنمائی اور وسیع مطالعہ

اور شفقت و محبت نے میرے لیے تحقیقی کاموں میں آسانیاں فراہم کیں
 اور پیش نظر صفحات میں بھی ان کی تجاویز، مشورے اور حکم کو بہت بڑا
 دخل ہے۔ اگر اولاد کے لیے اپنے والدین کا شکریہ ادا کرنا مناسب
 نہ معلوم ہو تو میں اپنے والد صاحب کی راہنمائی اور شفقت کا دل
 سے اعتراف اور شکریہ ادا کرتی ہوں اور صحت و عافیت کے ساتھ
 ان کی درازی عمر کے لیے خداوند کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں
 میں اپنے استاد ڈاکٹر شریف حسین قاسمی صاحب کی
 بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس کام کے مکمل کرنے میں بھرپور
 تعاون دیا اور اپنا قیمتی وقت نکال کر میری مدد کی۔

مجھے اُمید ہے کہ اہل علم حضرات میری اس ناچیز کوشش کو
 سراہیں گے اور مجھے میری کوتاہیوں سے سب آگاہ کریں گے۔

(ڈاکٹر) سبحانہ خاتون

شعبہ فارسی

دہلی یونیورسٹی

دہلی

سراج الدین علی خان آرزو بہ احوال زندگی

دہلی کی سرزمین کو قدامت اور مرکزیت کے اعتبار سے ہمیشہ امتیاز حاصل رہا ہے، اس کی ادبی اور علمی عظمت بھی ہر دور میں برقرار رہی ہے۔ دہلی کی آغوش میں ایسے شاعر اور ارباب فضل و کمال موجود رہے ہیں جن کے فن کا سکہ نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند میں بھی چلتا رہا ہے۔ امیر خسرو اور امیر حسن کے نام سے دہلی کی تاریخ ابد تک روشن رہے گی۔ سلاطین تیموریہ کے عہد حکومت میں بھی دہلی نے دنیائے علم کو بڑے بڑے صاحبان کمال سے روشناس کرایا اور یہ سلسلہ میر، سودا، غالب اور مومن ہی تک جاری نہیں رہا بلکہ اب بھی منقطع نہیں ہوا۔ اکبر کے عہد حکومت سے محمد شاہ کے زمانے تک اگر صرف ممتاز شعرا کے ہی نام شمار کیے جائیں تو اسکی فہرست کافی طویل ہوگی۔ شعرا کی قدردانی اور انکی عزت افزائی کے تاریخی افسانے اور کئی زیادہ حیرت انگیز ہیں چغتائی سلاطین کے سلسلہ میں صرف اورنگ زیب کی شخصیت ایسی ہے جس کو فنون لطیفہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور اس کا دور فرمانروائی ان فنون کے لیے ایک حد تک کس میرسی کا دور تھا۔ سرکاری طور پر فنکاروں کی کوئی ہمت افزائی نہ ہوتی تھی بلکہ ملک الشعرا کا عہدہ بھی ختم کر دیا گیا تھا لیکن ان اسباب سے علوم و فنون کا ارتقا رگ نہیں سکتا تھا۔ ہر نظام اور ہر سماج میں ادیب اور فنکار پیدا ہوتے رہے ہیں اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے ان کے نقوش تادم سے

وقت کے قریب ریگ نہ اپنی پیشانی بچا سکے اور نہ آئینہ بچا سکیں گے۔ زمانہ انہیں جہنم دیتا رہے گا اور وہ وقت کے ساز پر اپنا پیغام الپتے رہیں گے چنانچہ اردنگ زیب کی بے التفاتی کے باوجود دہلی میں شاعری کی شمع روشن رہی۔ ناصر علی اور مرزا عبدالقادر بیدل اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کسی کو ملک الشعرائی کا منصب حاصل نہیں ہوا مگر ان کے کلام کا سکّہ آج بھی رواں ہے۔ جبکہ ہشتاہ اردنگ زیب کی کمال میں ڈھالے ہوئے سونے اور چاندی کے سکّے کہیں نظر نہیں آتے۔ بیدل کا چراغ تو مرزا غالب تک روشن رہا۔ غالب کی ابتدائی شاعری پر بیدل کے گہرے نفوس موجود ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے دور شعور سے لیکر آخر تک بیدل کے اسلوب کو محو نہیں کر سکے۔ ان کے کلام میں کہیں نہ کہیں بیدل کی جھلک ضرور نظر آ جاتی ہے۔ بیدل نے لمبی عمر پائی اور محمد شاہ کے آغازِ جلوس تک زندہ رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب طاہر نصر آبادی امفیہان میں بیٹھے تذکرہ شعرا مرتب کر رہے تھے، جس میں ایک باب شعرائے ہند کے لیے بھی مخصوص کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی بعض تذکرہ نویس مثل عونی، دولت شاہ اور میر تقی کاظمی نے اپنے تذکروں میں ہندوستان کے شعرا کا ذکر کیا تھا۔ خان آرزو کا پورا نام سراج الدین علی استعداد خان تھا۔ ان کا تخلص آرزو اور یہ خان آرزو کے نام سے جانے جاتے ہیں عہد محمد شاہی کے مخمور ہیں اور اپنے عہد کی مشہور شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا سب سے ممتاز پہلو ان کی ہمہ گیریا ہے وہ بیک وقت شاعر، ادیب، ماہرِ لسانیات، نقاد، شرح نگار

لغت نویس، غرض یہ کہ بہت کچھ تھے۔ ان کے چار زبانوں پر مہارت حاصل تھی جن میں فارسی، عربی، اردو اور سنسکرت شامل ہیں۔ یہ اس زمانے کے مختلف تقاضوں کو اس خوبی سے نبھاتے تھے کہ کبھی کسی موقع پر ٹکراؤ یا تضاد پیدا نہ ہو۔ انہوں نے تماشا گاہِ عالم کو ہر پہلو سے دیکھا۔ کبھی شاعری کے میدان میں اپنے فن اور موزونِ طبع کا مظاہرہ کیا تو کبھی ادیب بن کر سامنے آئے کبھی زبان شناسی اور فرسٹ لوسی کے میدان میں اپنے قلم کے چہرے دکھائے تو کبھی نفاذِ فکر اُبھرے اور تنقید کے میدان میں فن کا کمال دکھایا۔

میر محمد افضل ثابت آبادی، مرزا عبدالغنی قبول کشمیری اور مرزا مظہر جان جاناں ان کے ہم عصروں میں تھے۔ ان کا فیضِ تربیت مرزا رفیع سودا، میر تقی میر اور خواجہ میر درد تک کار فرما رہا ہے بلکہ اردو کے زلف و گیسو کی دلکشی اور رعنائی کے پیچھے آرزو کی فنکاری اور چابکدستی کو بھی خاصہ دخل ہے۔ وہ شعرا آرزو ہی کی تربیت کردہ تھے جن کی بدولت اس مقبول عام زبان کو ضلعِ جلالت اور ذومعنی الفاظ سے نجات ملی اور آہستہ آہستہ وہ فارسی کے اسلوب اور انداز بیان کا آئینہ بن گئی۔

ہمارے پاس بہت سا ایسا مواد موجود ہے جس سے آرزو کے حالاتِ زندگی کا تجربہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے احوان کے ادبی و علمی کارناموں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا سب سے پہلا ماخذ ان کا اپنا تذکرہ مجمع النہایں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہم عصر اور شاگردوں نے بھی ان کے متعلق بہت سرائیم معلومات بہم پہنچائی ہیں ان میں غلام علی آزاد بلگرامی مرتب سردار آزاد

اور خزانہ عامرہ اور بندرا بن داس خوشگو متخلص بر خوشگو سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ خوشگو آرزو کے شاگرد بھی تھے اس لیے ان کے بارے میں معتبر معلومات رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس ان کے استاد کا ایک خط بھی تھا جس میں ان کے حالات زندگی اور تصانیف کے سلسلہ میں بہت سی اہم معلومات درج تھیں۔ آزاد آرزو کے ہم عصر ہیں ان کو بھی آرزو کے حالات زندگی خود آرزو کے ایک خط کے ذریعہ معلوم ہوئے تھے جو انہوں نے آزاد بلگرامی کو اس وقت لکھا تھا جب وہ اپنا تذکرہ سرو آزاد (۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء) تکمیل کر رہے تھے۔ آزاد نے اپنے دوسرے تذکرہ خزانہ عامرہ (۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷ء) میں اس خط کا دوبارہ ذکر کیا ہے جس سے ان کو آزاد کے حالات زندگی کا پتا چلتا ہے۔ والد داغستانی جو آرزو کے ہم عصر ہیں جب اپنی تصنیف ریاض الشواہد (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۷ء) آرزو کی مجمع النفایس کی تکمیل سے تقریباً تین سال قبل مکمل کر رہے تھے اس میں آرزو کا تذکرہ کیا ہے اگرچہ وہ مجمع النفایس سے استفادہ نہ کر سکے تھے لیکن انہوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس کے اعتبار اور استناد میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ بہر حال آرزو نے جو کچھ بھی اپنے متعلق مجمع النفایس میں لکھا ہے وہ ان کی سوانح حیات کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور سنگ میل کا کام دیتا ہے۔ مجمع النفایس میں جو کچھ اطلاعات ہیں وہی اطلاعات خوشگو آزاد، والدہ اور دوسروں کے یہاں بھی موجود ہیں۔

آرزو کی اداس زندگی کے متعلق ان کے تذکرہ مجمع النفایس،

سفینہ خوشگو، خزانہ عامرہ اور سرو آزاد سے کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ انہوں نے مجمع النفایس میں اپنی جائے پیدائش اور تاریخ پیدائش کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، لیکن خوشگو نے ان کی جائے پیدائش اکبر آباد بتائی ہے^① غالباً ہمیں سے معلومات فراہم کر کے ریونے برٹش میوزیم کٹلاگ اور عبدالمقتدر نے باغی یورکٹلاک (جلد ہفتم) میں آگرہ یا اکبر آباد کو آزاد کی جائے پیدائش بتا رہے ہیں، اے۔ اسٹوری کے پاس چونکہ سفینہ خوشگو نہ تھا۔ اس لئے وہ یہ نہ جان سکے کہ عبدالمقتدر اور ریونے نے اس خیال کو کہاں سے اخذ کیا ہے۔ اسٹوری نے لکھا ہے کہ غالباً ان دونوں بزرگوں نے سرو آزاد کی ہی بنیاد پر آزاد کو اکبر آبادی لکھا ہے لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آزاد کو الیاری میں پیدا ہوئے چنانچہ آزاد کے معاصر حسین دوست سنبھلی اپنے تذکرہ حسینی میں آزاد کی جائے پیدائش کے بارے میں لکھتے ہیں :-

”شمع شبستان اقسام گفتگو سر اج الدین علی خان
آرزو سلمہ اللہ وطنش گویا راست و خشن
لالی آبدار“

تذکرہ حسینی کے مصنف آزاد کے ہم عصر ہیں اور ان کا یہ تذکرہ آزاد کے مجمع النفایس سے ایک سال قبل یعنی ۱۱۶۳ھ (۱۷۵۰ء) میں مکمل ہوا۔ ”خجستہ انجام“ تاریخ انجام ہے۔ ایسی صورت میں آزاد کی وطنیت کا غلط انتساب حیرت انگیز ہے۔

حیرت اور علی ابراہیم خاں خلیل نے اپنی کتاب محف ابراہیم میں آرزو کی جائے پیدائش گوالیار بتائی ہے۔ اسٹوری اس بیان کو درست مانتے ہیں کیونکہ یہ بیان ایک قدیم تذکرہ سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ خوشگو جو کہ آرزو کے نہ صرف ہمعصر اور شاگرد تھے بلکہ ان کے پاس آرزو کا سماخی خاکہ بھی موجود تھا، وہ صاف طور پر آرزو کی جائے پیش آگرہ ہی بتاتے ہیں۔ اور ان کا بیان ابراہیم خاں خلیل کے محف ابراہیم سے زیادہ مستند اور قابل اعتبار ہے۔ کیونکہ محف ابراہیم آرزو کے انتقال کے بعد لکھی گئی ہے۔ ان دونوں بیانات کی روشنی میں یہ زیادہ قابل اعتبار ہے کہ آرزو کی جائے پیدائش آگرہ ہی کو قرار دیا جائے۔ بہر حال آرزو کی پیدائش اکبر آباد میں ہو یا گوالیار میں، ان کی پرورش گوالیار میں ضرور ہوئی ہے۔ اس لیے کہ وہ گوالیاری زبان کو مستند مانتے ہیں اور اس کو دوسری زبانوں پر ترجیح دیتے ہیں

آرزو کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں بھی کافی اختلاف رہے ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ وہ ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئے جبکہ دوسروں کا خیال ہے کہ وہ ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء میں پیدا ہوئے خوشگو نے واضح طور پر تاریخ پیدائش ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء بتائی ہے اور یہ تاریخ آرزو کے والد محترم کے ایک تھوڑی تاریخ

”نزول غیب“ سے نکالی گئی ہے (یعنی ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء) اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خوشگو، کے پاس بھی آزاد کا بھیجا ہوا سوانحی خاکہ موجود تھا۔ جبکہ آزاد بلگرامی اپنی تصنیف سرو آزاد میں لکھتے ہیں :-

”ولادت شیخ سراج الدین در منتہای مائتہ جاری
عشر واقع شدہ است“

(شیخ سراج الدین کی پیدائش گیارہویں صدی کے آخر میں ہوئی) لفظ منتہای مائتہ جاری عشر (گیارہویں صدی کا اواخر) سوائے ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء کے اور کچھ نہیں ہو سکتا جسے یقیناً گیارہویں صدی ہجری کا آخر کہا جاسکتا ہے۔ آزاد نے بھی خوشگو کے اس بیان (تاریخ پیدائش ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء کی تائید کی ہے۔ اگرچہ آزاد نے اپنے تذکرہ خزانہ عامرہ جو کہ اپنے پہلے تذکرہ سرو آزاد سے تقریباً دس سال بعد ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء میں مکمل کر رہے تھے آزاد کی تاریخ پیدائش ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء بتائی ہے۔ یہ یقیناً تاریخی اشتباہ ہے۔ اس لیے ہم نے آزاد کی تاریخ پیدائش ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء ہی صحیح مانی ہے۔ آزاد کی تاریخ پیدائش کے متعلق اتنے اشتباہ تھے کہ بعد کے علماء اس کی تاریخ پیدائش کا کوئی قطعی تعین نہ کر سکے۔ مثلاً اسپرنگر نے ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء شہری نے ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء اور ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء دونوں ہی کو آزاد کی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔ جدید علما نے قدیم ماخذوں سے استفادہ نہ کیا اور اکثر نے آزاد کی تاریخ پیدائش ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء ہی بتائی

ہے۔ عقد شریا، میں بھی ۱۱۰۱ھ / ۱۶۸۹ھ ہی تاریخ پیدائش بتائی گئی ہے۔ لیکن تمام بیانون کی روشنی سے یہ پتا چلتا ہے کہ آرزو کا سال پیدائش ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۷ء ہی ہے۔

آرزو کے والد کا نام حسام الدین تھا۔ وہ اورنگ زیب عالمگیر (م: ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کے عہد میں سپاہی پیشہ تھے اور سرکاری منصب داروں میں شامل تھے۔ اس کے ساتھ ہی شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ یہ حسام اور حسامی دونوں نخلص سے شاعری کیا کرتے تھے آرزو نے اپنے والد کے کچھ اشعار بمع النفایس میں نمونے کے طور پر نقل کیے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں :-

گہی چین بر جبین گا ہی تبسم کردہی آئی۔ بہر رنگی کہ خواہی جلوہ کن جو تماشا شای
باہنگی عجب بردست مطرب زادہ ہو شمس

کہ از جبرت سراپا بچوئی کہ چشم و گدگوشم

در بیا باں زالہ کار سنگ طفلان می کند

در ازل شد قسمت دیوانہ از ہر باب سنگ

اس کے علاوہ "مردم دیدہ" میں بھی کچھ اشعار نمونے کے طور

پر ملتے ہیں۔

آرزو نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا سلسلہ

نسب شیخ نصیر الدین محمود جیراغ دہلی (م: ۵۷۰ھ / ۱۱۳۵ء)

کے بھانجے شیخ کمال الدین سے منسلک ہے۔ آرزو کے والد شاعری سے

بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ سفینہ خوشگو میں لکھا ہے کہ شاہی فوج سے
ستبردار ہونے کے بعد یہ گوالیار میں ٹھہرے اور آرزو کو فارسی
شعار زبانی یاد کرائے۔ اور یہ دوبارہ بیان کیا گیا ہے کہ کبھی کبھی
ایک رات میں آرزو تنہا سے دھڑکنے لگا۔ فارسی کے اچھے شعرا یاد
رہا کرتے تھے۔ عبدالمقتدر نے سفینہ خوشگو کے حوالے سے حماد الدین
نے انتقال کی تاریخ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء بتائی ہے، جب آرزو تقریباً
۱۶ سال کے تھے۔

ماں کی طرف سے آرزو کا سلسلہ نسب مشہور شیخ محمد
غوث شطاری گوالیاری (م : ۹۱۷ھ / ۱۵۱۱ء) سے ملتا ہے
نوراجہ فرید الدین عطار نیشاپوری (م : ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹ء) کے
ماندان سے تھے۔ آرزو کے قول کے مطابق ان کی ماں کے خاندان
الے اسی وجہ سے عطاری کہلاتے تھے اور اسی لیے انہوں نے
یہ شعر کہا۔

جداست مرا حضرت عطار ازین راہ

اشعار خود اکنوں بہ نیشاپور فرستم
د یعنی میرے جدا اجل حضرت عطار ہیں اسی لیے میں نے اپنے اشعار
نیشاپور بھیج دیے۔

ان کی ماں کا خاندان گوالیار میں رہتا تھا اسی وجہ سے
آرزو نے اپنی ابتدائی زندگی کے سنہرے دن وہاں گزارے۔ فارسی
مکرر ہیں ان کی نسبت گوالیاری بتائی ہے اسی وجہ سے وہ گوالیار

کی بولی کہ مستند مانتے ہیں۔

آرزو نے اپنی فارسی اور عربی تعلیم کی ابتدا تقریباً چودہ سال کی عمر (حدود ۱۱۱۲ھ/۱۷۰۰ء) سے کی اور وہ اپنے ہم جاعتوں میں نہایت ذہین شمار کیے جاتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

”بندہ عصیان شعار بفضل حق امیدوار سراج الدین
علی آرزو تخلص آرزو بدو شعور بہ تحصیل علوم اشتغال
داشته تا چہار دہ سالگی داخل جرگہ طلبہ علوم بود“

اور بہت جلد بڑے عالم بن گئے۔ انھوں نے ہندی اور سقّی میں بھی دستگاہِ کامل حاصل کی۔ ان کی تصانیف سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو سنسکرت میں بھی خاصی مہارت تھی۔ غرض یہ کہ کم سنی ہی میں علوم متداولہ میں دستگاہ پیدا کر لی۔ شعر گوئی کا ذوق ابتدا ہی سے تھا۔ رفتہ رفتہ اس میں بڑی پختگی پیدا کر لی اور بالآخر شاعری کے علاوہ دوسرے فنون میں انہوں نے جو مہارت حاصل کی وہ کسی ایک سخنور کے حصہ میں نہیں آئی ہے بلقبول خوشگوار چودہ سال کی عمر میں جب آرزو دہتمہرا میں تھے انہوں نے فارسی میں شعر کہا اور جب چند سال بعد وہاں سے گوالیار واپس آئے تو میر عبد الصمد سخن کے شاگرد ہوئے لیکن آرزو بہت زیادہ دن تک سخن کی صحبت سے فیضیاب نہ ہو سکے کیونکہ سخن گوالیار چھوڑ کر آگرہ چلے گئے اس کے بعد آرزو نے میر غلام علی خٹائی سے اپنے اشعار میں اصلاح لینی شروع کی۔

خان آرزو کی علمی فضیلت اور درجہ کمال ان کے اپنے زور بازو کا نتیجہ تھا کیونکہ بچپن ہی میں (۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) ان کے والد شیخ حسام الدین حسامی کا انتقال ہو گیا تو ان کی والدہ نے گوالیار میں سکونت اختیار کر لی اور کوئی عزیز و بیگانہ ایسا نہ تھا جو ان کی تعلیم و تربیت، مکر تا، نہ ہی کوئی غریب ماں کا محاذ و خبر گیر رہا۔ خان آرزو نے ان تلخ حالات اور غم دوراں کا پامردی سے مقابلہ کیا اور سونے کی طرح وقت کی بے رحم بھٹی میں تپا کر کندن بنے۔ ان کی ابتدائی تربیت کی تفصیل تو ہمارے سامنے نہیں لیکن چشم تصور سے اُن مشکلات اور مصائب کا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بے یار و مددگار بیوہ ماں کا بے یار و مددگار بیٹا کن کن ہفت خوانوں اور دشوار گزار مرحلوں سے گذر کر اس قابل بنا ہو گا کہ اپنے دور میں اہل علم معاصرین کے روبرو امام المتاخرین کہا جاسکے، دربار محمد شاہ کالک الشرا بنایا جائے اور آج تک علمی طبقوں میں اخترا ما خان آرزو لکھا جاتا ہو۔

شعر کی طرف خان آرزو کی رغبت سن شعور سے پہلے ہی پیدا ہو گئی جو والد کی موت کے بعد بھی قائم رہی اس کے بعد تذکرے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ خان آرزو کی ابتدائی تعلیم گوالیار میں ہوئی باپ کی قبل از وقت موت نے گھر برباد کر دیا، عسرت اور تنگ دستی کے بادل امنڈ آئے مگر ہوشیار لڑکے کے قدموں میں کوئی لغزش پیدا نہ ہوئی وہ تمام مصیبتوں کے باوجود گوالیار ہی میں مقیم رہے، ماں کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے مجمع النفایس میں جہاں اپنا ذکر کیا ہے وہاں اپنی ہر نقل و حرکت کو ماں ہی کے حکم کی تعمیل بتایا ہے۔ یوں ہی زمانہ گذرتا

رہا۔ غربت اور مصیبت کی گود کا پلا ہوا سپاہی علوم کی تحصیل اور گھر کی بگڑتی ہوئی حالت کو سنبھالنے میں بندرہ سٹولہ برس ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء کے سن تک استقلال سے کام لیتا رہا خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ آرزو جب شہرہ یا اطھارہ سال کے ہوئے تو فوج میں ملازمت کر لی اور دکن میں اورنگ زیب کی شاہی فوج میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ لیکن بقول آرزو جیسے ہی وہ دکن پہنچے (۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء) اورنگ زیب اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور آرزو شہزادہ محمد اعظم کی شاہی فوج کے ساتھ نو ماہ بعد ہی گوالیار واپس لوٹ آئے اور آگرہ کی طرف کوچ کیا تاکہ محمد اعظم اپنے بڑے بھائی محمد اعظم سے مقابلہ کر سکے کیونکہ محمد اعظم بھی تخت شاہی کے وارثین میں سمجھے۔ آرزو کچھ دن گوالیار میں ٹھہرے پھر وہ اکبر آباد چلے گئے جہاں بقول خوشگودہ پانچ سال مقیم رہ کر کسب علم اور کتب متداولہ کا مطالعہ کرتے رہے اس زمانے میں ان کے استاد مولانا عماد الدین مشہور درویش محمد تھے۔ اسی دوران آرزو کو شاہ گلشن، مرزا حاتم بیگ، میاں عظمت اللہ کامل، محمد مقیم آزاد، میاں عظیم بن میاں نصیر علی اور دوسرے بزرگوں کی صحبت حاصل ہوئی جس نے ان کی شاعری کو فروغ دینے میں کافی مدد کی۔ چوبیس برس کی عمر میں علوم کی تکمیل کی اور ماں کے بلانے پر وہ اکبر آباد سے گوالیار واپس آئے۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد تخت نشین کی جنگ کے خاتمہ پر بہادر شاہ تخت نشین ہوئے اور ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں بہادر شاہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا جہان شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اسی درمیان

اکبر آباد میں کسی عہدے پر فائز ہوئے اس کی وجہ سے وہ گوالیار کو چھوڑ کر آگرہ آگئے جہاں شاہ کو فرخ سیر نے شکست فاش دی اور فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد اس کے عہد حکومت میں شاید آگرے میں کسی عہدے پر فائز کیے گئے لیکن بقول خوشگودہ دہلی میں فرخ سیر کے دربار سے وابستہ رہا لیکن بہت جلد ہی ان کو کسی عہدے پر گوالیار بھیجا گیا خوشگودہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ آرزو نے چھ سال گوالیار اپنے وطن میں گزارے یہاں پھر آرزو نے اپنی شاعری کی طرف توجہ کی۔ آرزو ابھی گوالیار ہی میں تھے کہ ان کو دو سادات بھائی امیر الامرا حسین علی اور عبداللہ قطب الملک کے ہاتھوں سلطان فرخ سیر کے قید ہو جانے کی خبر ملی۔ یہ واقعہ ۹/ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ/۱۸ء کو رونما ہوا۔ بیدل نے قطعہ تاریخ لکھی ہے

سادات بوی نمک حرامی کردند = ۱۱۳۱ھ/۱۸ء

اسی سیاسی انتشار کے دوران اپنی ملازمت سے برخاست کر دیے گئے۔ چند روز بے کار رہ کر وہ اکبر آباد پہنچے۔ اسی سیاسی خلفشار نے آرزو کی علمی زندگی کو بھی متاثر کیا۔ آگرہ اور دہلی میں فرخ سیر کے انتقال سے لے کر عبداللہ قطب الملک کے گرفتار ہونے تک (۱۱۳۳ھ/۲۰ء) جو سیاسی بحران آیا۔ ان کا ذکر کرنا خالی از غلت نہ ہوگا۔

دوسید بھائی حسین علی خاں امیر الامراء اور سید عبداللہ قطب الملک فرخ سیر کے عہد حکومت میں ہی بہت زیادہ قدرت مند ہو گئے تھے حکومت کی پوری کی پوری مشینری حتیٰ کہ قلعہ مسلئی کا انتظام بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ لوگ ہی سب کام انجام

دیتے تھے انجام کار انہوں نے فرخ سیر کو ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء کو مغرول کر کے قید خانے میں ڈال دیا اور ربیع الدرجات شاہ عالم کے پوتے کو بادشاہ بنا دیا لیکن وہ تپ دق کا مریض تھا اور تخت نشینی کے تین ماہ کے اندر ہی رجب ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بڑا بھائی ربیع الدولہ شاہ جہان ثانی کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ سادات بھائیوں کی بد قسمتی تھی کہ یہ نوجوان شہزادہ بھی تین ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ یہ سب کچھ "بادشاہ بنانے والوں" کے لیے اچھا نہ تھا کیونکہ اگرہ میں ان کے کچھ مخالفوں نے اورنگ زیب کے پوتے نیکو سیر کو اکبر آباد کے قلعہ سے آزاد کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس خبر نے سادات بھائیوں کو دھلا کر رکھ دیا اور وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ اگرہ پر حملہ آور ہوئے۔ تقریباً تین ماہ کی استمک کوششوں کے بعد قلعہ کو فتح کر لیا اور نیکو سیر کو تخت سے ہٹا کر شاہ جہان ثانی کو تخت پر بٹھایا۔ اس پورے واقعہ کو میر عبد الجلیل بلگرامی نے اپنے قصیدے میں نہایت بہترین پیرائے میں بیان کیا ہے اور آزاد بلگرامی نے سروآزاد میں حواشی اور تعلیقات کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ اگر یہاں اس قصیدے کے چند اشعار نقل کر دیے جائیں تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مژدہ اے دوسان کہ در عالم	نقد نہ یہ بہار ارم
نو ہمال طرب بہار آمد	گل نشان گشت خاطر خرم
دل خوشی نشہ رسا بخشید	بہ گل و سبزہ وہ پار قسم
من ہم از باغ معنی رنگین	گل چندی ز دم بہ فرق قلم
دردِ ما بیاض سینہ حور	سطر ہاسک گوہر نیلم

گر پرسی ز جامعیت من میر خسرو دہر جواب نعم
کرد عبد الجلیل در تاریخ ”قلعہ آگرہ گرفت“ ر قم
برد عاہتہ است ختم سخن کہ بہ آیین کند ملک معلم
چار چیزش نشاط افزا باش تا بود سبزہ در چمن خرم
دست زر پاش تیغ اعدا کش عمر مردود دولت آدم

شاہ جہاں ثانی کی وفات کے بعد ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء ۶ جہاں شاہ
کے بیٹے روشن اختر ۱۵ ارذی قعدہ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء محمد شاہ کے لقب
سے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ کچھ دنوں تک سادات بھائیوں کے
ساتھ حالات بہتر رہے لیکن ایک سال کے بعد مخالف امرا نے سادات
بھائیوں کے ساتھ دغا بازی کی جس کے نتیجے میں امیر الامرا حسین علی خاں
۱۷ ارذی الحجہ ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء کو فتح پور سیکری کے قریب میر حیدر کا شہر
کے ہاتھوں اعتماد الدولہ محمد امین خاں کی تحریک پر قتل کر دیے گئے
میر عبد الجلیل بلگرامی نے جو کہ حسین علی خاں کے عزیز دوستوں میں تھے
ان کی موت پر ایک مرثیہ لکھا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔
آثار کربلاست عیاں از حسین ہند ز دوش خون آل نبی از زمین ہند
شد نام حسین علی تازہ در جہان سادات گشتہ اند معیت نشین ہند
گیتی چرا سیاہ نہ گردد ز درد غم خاموش شد چراغ نشاط از زمین ہند
ہند ایں چنین معیت عظمیٰ نہ جیدہ است دیکم داستان شہور و سین ہند
ماہی دآب حی طید و مرغ در ہوا از شیون عظیم امیر مہین ہند
رستم تان حسین علی خان شہید شد از خجری کہ بود نہان در کین ہند
ہند از شہادتش تن بی روح گشتہ است یعنی کہ بود او نفس و اپین ہند

عالم چون قیر در نظر خلق شد سیاه افتاد تاز خاتم زہر از و انگین ہند
از دست ابن بلعم ثانی شہید شد این چند بیت ز تخت جو در شین ہند
سال شہادتش قلم واسطی نوشت قتل حسین کرد زید بعین ہند

۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء

حسین علی کے قتل کے بعد سید عبد اللہ نے اپنی پرانی حیثیت قائم رکھی۔ اس نے سلطان ابراہیم بن رفیع اٹشان بن شاہ عالم کو دہلی کے تخت پر بٹھایا اور پھر شاہی فوج کی طرف متوجہ ہوا، سلطان ابراہیم کے حامیوں اور شاہی افواج کے درمیان ۱۳ محرم ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء

کو حسن پور میں ایک زبردست جنگ ہوئی جس میں سلطان ابراہیم کو شکست ہوئی اور اس کے سب سے بڑے حامی قطب الملک کو قید خانے میں ڈال دیا

گیا جہاں بالا آخر اس کو زہر دے کر مار ڈال لیا۔ اور اس طرح ان دوسراں بھائیوں کا آفتاب عروج غروب ہو گیا۔ سلطنت کی تباہی، خوار جنگی اور طوائف الملوکی نے دنیا کی بے ثباتی اور جاہ و ثروت کے فریب کو آرزو کی نظروں میں بالکل عیاں کر دیا۔ اس ماحول نے ان کو اور زیادہ مستقل مزاج، متحمل، بردبار اور متواضع و متوسل بنا دیا۔ مرزا محمد افضل سرخوش، بیدل، میر عبد الجلیل بلگرامی اور ناصر علی سرہند کی نغمہ مرثیوں اور ان کے اخلاقی محاسن نے ان کے مذاق سلیم کو جلادے کر آہستہ سنجیدہ، حلیم، ہندب، شائستہ اور خلیق بنا دیا اور اپنی عمر کے چوبیسویں یا پچیسویں سال میں ہی وہ لوگوں کے معتد علیہ بن گئے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ خان آرزو فرخ سیر کی معزولی کے بعد ملازمت سے برطرف کر دیے گئے۔ مجمع النفائس میں ہے کہ جب حالات غالباً ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء کے درمیان سید حسین علی خان سے آگرہ میں لڑائی کے بعد بہتر ہو گئے تو خان آرزو اکبر آباد آئے اور وہاں مرزا جان کے توسط سے اچھے عہدے پر فائز ہوئے اور گوالیار میں سوارخ نگار کی حیثیت سے مقرر ہوئے تو جلد ہی اکبر آباد سے گوالیار چلے گئے اور اپنے فرائض منصبی کو پورا کرنے میں منہمک ہو گئے حسین علی خان کے انتقال اور سید عبدالقدوب الملک کی معزولی کے وقت تک تقریباً ایک سال وہ اپنی نوکری پر مامور رہے یعنی تقریباً محرم ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء تک وہ گوالیار میں اپنے عہدے پر فائز رہے اور نہایت تن دہی سے اپنا کام انجام دیتے رہے۔

آرزو نے تقریباً ۳۵ سال دہلی میں گزارے لیکن دہلی میں ان کے اس دور قیام کے بارے میں ہم کو بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ یہ امر یقینی ہے کہ وہ گوالیار سے دہلی آئے ان کے دہلی پہنچنے کی تاریخ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ آرزو دہلی ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء میں پہنچے۔ سی، اے، ٹیپوڑی نے اپنی کتاب ”پرشین لٹریچر“ میں اس تاریخ کا ذکر کیا ہے جبکہ کچھ جدید نگاروں مثلاً ازیر دانی وغیرہ نے ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء کو ان کے دہلی میں وارد ہونے کا سال بتایا ہے۔ ایک دوسرا گروہ ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء کو ان کے دہلی میں وارد ہونے کا سال بتاتا ہے۔ لیکن میری نظر میں ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء

اور ۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتے، اس کے دوجہ یہ ہیں :-
 ۱۔ آرزو اپنے سواکھی خاکے کے مطابق، جہانپور نے خوشگو کو بھیجا تھا، دہلی میں
 تیس سال یعنی سنہ ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء مجمع النفایس کی تکمیل کے وقت تک رہے
 خوشگو کا یہ بیان آرزو کے سواکھی خاکے کے مطابق ہے اور وہ مجمع النفایس
 کے عین مطابق ہے اس لیے احتمال قوی یہ ہے کہ وہ خاکہ مجمع النفایس
 کے بیان پر ہی مبنی ہے اور وہ یقیناً مجمع النفایس کی تکمیل ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء
 کے بعد ہی خوشگو کو بھیجا گیا تھا۔ ان تمام بیانوں کے مطابق آرزو یقیناً
 ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء کے بعد اور ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء سے پہلے دہلی پہنچے ہوں گے
 ۲۔ مجمع النفایس میں صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ آرزو امیر الامرا
 حسین علی خان کے قتل اور ان کے بھائی سید عبداللہ قطب الملک کے
 معزول ہوجانے کے بعد دہلی پہنچے۔ بقول آرزو :-

”ہیں از آنکہ - حسین علی خان امیر الامرا بہت
 نیک از منلیہ نواب محمد امین خاں کشتہ شد و سید عبداللہ
 قطب الملک وزیر اعظم جنگ کردہ بگیر در آمد و بادشاہ
 مبرور و مغفور محمد شاہ کہ در این ایام ملقب بفر دوس
 آرام گاہ است داخل مستقر دولت و خلافت گردید۔
 این عاجز در بہان سال از گویا باز بدہلی آمد“

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ امیر الامرا، ذی قعدہ ۱۱۳۲ھ /
 ۱۷۱۹ء کو قتل کر دیے گئے اور سید عبداللہ قطب الملک ۱۱۳۳ھ /
 ۱۷۲۰ء کو معزول کیے گئے، اس سے واضح ہے کہ خان آرزو
 ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۰ء میں دہلی آئے۔

ایک قابل تحقیق امر یہ ہے کہ آرزو دہلی میں کتنی مدت تک رہے۔ انہوں نے خود اپنے بیان میں بتایا ہے کہ وہ تقریباً تینتیس سال تک دہلی میں مقیم رہے لیکن حالات ان کے قول کی تصدیق نہیں کرتے ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں دہلی آئے آرزو نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ وہ موتمن الدولہ اسلمی خاں شہزادی کے ساتھ "بیت و چند سال ہیک منسلک رہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تقریباً ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء میں دہلی آئے کیونکہ موتمن الدولہ کا انتقال ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں ہو گیا۔ آرزو یقیناً ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۷ء یا ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء سے ہی ان کے ساتھ رہے ہوں گے۔

لیکن یہ تمام باتیں آرزو کے اپنے بیان سے کہ وہ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء میں محمد شاہ کی تاجپوشی اور ۱۱۳۲ھ/۱۷۱۹ء میں امیر الامرا کے انتقال اور ۱۱۳۳ھ/۱۷۲۰ء میں قطب الملک کی مغروری کے وقت دہلی آئے، بالکل مختلف معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے میرے خیال کے مطابق صحیح لفظ "سی" ہے نہ کہ "سی و سہ" جیسا کہ سفینہ خوشگو میں مذکور ہے۔ ایک اور نکتہ کہ آرزو دہلی میں تیس سال جمع انفایس کی تکمیل کے وقت تک ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں مقیم رہے قابل توجہ ہے۔ یہی سال خزانہ عامرہ ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء میں "آندرام فخلص کے ترجمے کے ذیل میں درج ہوا ہے۔ اس سے فیکہ کیا جاسکتا ہے کہ جمع انفایس کا وہ محفوظہ جو رامپور میں موجود ہے

بہم پہنچائی تھی۔ آرزو کو محمد شاہ کے خاندان موتمن الدولہ اسحق خان شوشتری کی بھی حمایت و سرپرستی حاصل تھی۔ ان سے آرزو کے بیس سال مراسم تھے۔ یہ عربی و فارسی نظم و نثر میں مہارت رکھتے تھے آرزو کو ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۲ء میں دکنی مہات کی وجہ سے اپنے سرپرست کی معیت میں دکن کی طرف جانا پڑا۔ واپسی پر آرزو نے دہلی کی فاضل کے باہرستی وکیل پرورہ میں جہاں مخلص کی حویلی تھی اپنا مکان بنالہ ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں شوشتری کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نجم الدولہ کی آرزو پر خاص نظر عنایت رہی۔ انہوں نے باپ کی روایت کو زندہ رکھا بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھایا یعنی آرزو کو ۱۵۰ روپیہ ماہانہ دینے لگے۔ اس کے علاوہ دیگر مراعات بھی انہیں بہم پہنچائی جاتی تھیں۔ مجمع النفایس میں درج ہے کہ آرزو نجم الدولہ کے ساتھ چودہ سال تک رہے، شاید انہوں نے یہ بات ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء سے پہلے لکھی ہوگی کیونکہ ان کا انتقال آرزو کے تذکرے مجمع النفایس کی تکمیل (۱۱۶۲ھ/۱۷۵۱ء) سے پہلے ہو چکا تھا اور مصنف نے اس کتاب میں ان کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے ہیں چنانچہ یہ قبول کرنا مشکل ہے کہ وہ نجم الدولہ کے ساتھ چودہ سال تک منسلک رہے کیونکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ اسحق خان کا انتقال ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں اور نجم الدولہ کا ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء میں ہوا اور دونوں کے درمیان کا وقفہ گیارہ سال ہی نکلتا ہے مختصر یہ کہ ہمارے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ جاتا کہ ہم مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لیں۔

۱۔ یا تو نجم الدولہ کے ساتھ رہنے کا چودہ سال کا زمانہ غلط ہے
 ۲۔ یا آرزو نے ان کے والد اسحق خان کے ساتھ کا چار سال کا
 زمانہ بھی اس میں ہی جوڑ لیا۔ اور اس طرح نجم الدولہ کے ساتھ رہنے
 کا زمانہ چودہ سال شمار کر لیا۔

نجم الدولہ کے ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں انتقال کے بعد ان کے
 چھوٹے بھائی سالار جنگ نے آرزو کی سرپرستی کرنی شروع کی اور وہ کچھ
 دنوں بعد اودھ کے سفر پر روانہ ہوئے آرزو دہلی میں ۱۱۶۶ھ
 / ۱۷۵۳ء تک رہے جیسا کہ سرد آزاد میلانی دہلوی نے لکھا ہے کہ
 آرزو نے دہلی کو اس وقت خیر آباد کہا جب وہ سرد آزاد کی تکمیل
 (۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء) کر چکے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ
 کہنا درست ہو گا کہ آرزو سالار جنگ کے ساتھ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء
 کے اوائل میں اودھ کے سفر پر روانہ ہوئے ہوں گے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ سالار جنگ نے اودھ جانے
 کا فیصلہ کیا اور آرزو نے وہاں تک ان کی ہمراہی کی کیونکہ نادر شاہ
 کے حملے نے دہلی کو تاراج کر دیا تھا پور اشہر ویرانی اور بے امنی
 کی آماجگاہ بن گیا، اس وقت آرزو شوشتری کے رہیں کرم
 ہو چکے تھے لیکن یہ خاندان بھی دہلی کی تباہ کاریوں سے گھبرا
 چکا تھا۔ سالار جنگ کے سفر اودھ کی وجہ اودھ اور آہ آباد
 کے فرمانروا نواب وزیر صفدر جنگ سے ان کی رشتہ داری تھی
 مائرا میں مذکور ہے کہ شجاع الدولہ بن صفدر جنگ کی
 شادی سالار جنگ کی بہن اور نواب اسحق خاں کی بیٹی امہ الزہراء

سے پہنچی تھی۔ آرزو کی تاریخ سفر اودھ کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ آزاد سرور آزاد کس لکھتے ہیں :-

”بعد اتمام سرو آزاد، سراج الدین علی خاں آرزو شاہ جہاں آباد پر خاستہ رخت سفر بہ دیار شرقی کشید، و در بلدہ لکھنؤ آمد و بواسطت سالار جنگ سپہ

اسحاق خان بانواب صفدر جنگ ناظم صوبہ اودھ پر خورد و بجوا لطف اختصاص یافت و چون نواب صفدر جنگ در ہند ہم ذی الحجۃ سنہ سبع و ستین و مائتۃ و الف (۱۱۶۷ھ) در گذشت آرزو با شجاع الدولہ خلف مذکور کہ قائم مقام پدر شد بسری برو“

یہ بات واضح ہے کہ آرزو نواب صفدر جنگ سے سالار جنگ بن اسحق خان کے توسط سے متعارف ہوئے تھے۔ خزانہ عامرہ کے مطابق آرزو در محرم ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء میں صفدر جنگ کے انتقال کے بعد ۷ ارذی القعدہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء کو اودھ پہنچے۔

”بعد انتقال نجم الدولہ با سالار جنگ برادر خورد نجم الدولہ صحبت برآر شد و ہمراہ او از دہلی قصد دیار شرقی کرد و در او اخیر محرم سنہ ثمان و ستین و مائتۃ و الف بعد ایام معدود اوقات صفدر جنگ ناظم صوبہ اودھ و صوبہ الہ آباد کہ ہند ہم ذی الحجۃ سنہ سبع و ستین و مائتۃ و الف در گذشت بہ بلدہ اودھ کہ وطن اصلی جد او شیخ کمال الدین ست، رسید“

خزاندہ عامرہ کے مطابق اودھ آرزو کے اجداد کا اصلی وطن تھا جن کا سلسلہ نسب شیخ نصیر الدین چیراغ دہلی سے ملتا ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ چیراغ دہلی اودھ کے رہنے والے تھے اسی بنا پر ان کو اودھ ہی کہا جاتا ہے ۱۔ اسی لیے خزاندہ عامرہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کے درست ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے یہی وجہ ہو گی کہ آرزو اودھ کے سفر کے لیے تیار ہو گئے ہوں گے خان آرزو تقریباً دو سال تک نواب شجاع الدولہ کی صحبت سے فیضاب ہو سکے تھے کہ وہیں وہ ۳۳ ربیع الآخر ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آزاد بلگرامی نے ان کی وفات پر دو قطعے کہے ہیں، سرو آزاد میں وہ لکھتے ہیں :-

” در جمادی الآخر سنہ تسع وستین ومائتہ والف

۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء در بلدہ لکھنؤ فوت کرد و در پیشہر

مدفون گردید، مولف کتاب گوید :-

سراج الدین علی خاں نادر عصر زمرگ او سخن را آبر و رفت
اگر جوید کسی سال و ناتش ” بگو آں جان معنی آرز و رفت“^(۱)

۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء

خزاندہ عامرہ میں لکھتے ہیں :-

” وسوم ربیع الآخر سنہ تسع وستین ومائتہ الف بجوار حجت حق

پیوستہ اول اور ادر لکھنؤ امانت گذاشتہ و بعد چند گاہ

بقیہ جد اور شاہ جہاں آباد بردہ دفن کردند، مولف گوید :-

خان والا شان سراج الدین علی شمع رونق بخش بزم گفتگو
زرد رقم آزاد سال رحلتش ”رحمت کامل بروح آرزو“

۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء

خان آرزو کے ساتھ اودھ کے دوران قیام ایک واقعہ
پیش آیا، خزانہ عامرہ میں اس واقعہ کا ذکر جس کا ترجمہ یہ ہے
اس طرح ہے :-

میرے خالہ زاد بھائی محمد یوسف جن کے کہنے پر یہ
کتاب تکمیل کو پہنچی مجھ کو لکھتے ہیں کہ انہوں نے تین بار
اودھ میں آرزو سے ملاقات کی۔ اس وقت
وہ اپنی شعری تصنیف میں مشغول تھے اور ردیف
دال تک اس کو مکمل کر چکے تھے۔ محمد یوسف آرزو سے
مل کر بہت خوش ہوئے۔ ایک بار محمد یوسف نے باوجود
آرزو کے منع کرنے کے اپنے گھر مدعو کیا۔ میر عبد الجلیل
بلگرامی کے دوست ہونے کی وجہ سے میر محمد یوسف
نے آرزو کو دہلی میں دیکھا تھا اور جب آرزو نے
ان کو غیر معمولی آدمی سمجھا تو ان کے ساتھ نہایت
عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔^{۱۱}

مخزن الغرائب میں احمد علی سندیلوی نے لکھا ہے کہ جب آرزو
لکھنؤ میں ان کے والد سے ملاقات کے لیے آئے تو ان کو اپنے ہاتھ
سے لکھ کر ایک قطعہ دیا لیکن چونکہ وہ اس زمانے میں بہت چھوٹے تھے

اس لیے اس قطعے سے استفادہ نہ کر کے مندرجہ بالا باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آرزو نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تھی، اس بات کی تصدیق مصحفی کے تذکرے "عقد ثریا" میں اس بیان سے ہو جاتی ہے :-

” در ایامیکہ بعد فوت موتمن الدولہ اسحاق خان
شوشتری و پسرش نجم الدولہ کہ قدردان و معونت ران او
بودند با سالار جنگ برادر خورد نجم الدولہ ہمش اتفاق
افتاد و ہمراہ او از شاہ جہان آباد بار سفر بر بست
و خود را بہ شہر او دہ کہ وطن اصلی بزرگانیش بود انداخت
و بعد توقف چندی بوساطت نواب سالار جنگ بہادر
بملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ بدو ملائمت
سم صدر و پیہ عز و امتیاز یافت الحاصل
رحلتش در یک ہزار و یک صد و شصت و نہ واقع شد
. جسٹس در لکھنؤ امانت گذاشتہ بودند۔
بعد انقضای ایام موعود شاہ جہان آباد بردند
و بنجاک سپردند۔“ (۱)

الوالیث صدیقی صاحب کا خیال ہے کہ لکھنؤ اس وقت
قصبہ تھا وہاں آرزو کیوں جانے لگے، لکھنؤ تو آصف الدولہ
کے زمانے میں کہیں جا کر مرکز سلطنت بنتا ہے لیکن اگر انھوں

نے تاریخ فرح بخش کو بھی دیکھا ہے تا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ
شجاع الدولہ نے بھی ایک زمانے میں عارضی طور پر لکھنؤ کو
دار الخلافہ بنایا تھا۔ اس سلسلہ میں تاریخ فرح بخش میں یہ اطلاع
دی گئی ہے :-

”نواب صفدر جنگ کی وفات کے بعد فیض آباد میں
سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ شجاع الدولہ نے لکھنؤ کو
اپنی مستقل رہائش کے لئے منتخب کیا۔ وہ چونکہ ہر سال
سفر پر جاتے تھے اس لیے وہ ایک یا دو راتیں فیض آباد
میں گزارتے پھر گواکھپور اور بنارس کا رخ کرتے،
یہاں تک انہوں نے ۱۱۷۸ھ میں انگریز فوج کو ملازم
رکھا اور ۱۱۷۹ھ میں فیض آباد ہی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔“

ابواللیث صدیقی نے اپنی کتاب ”لکھنؤ کا دبستان شاعری“
میں لکھا ہے کہ آرزو نے فیض آباد میں وفات پائی، وہ کہتے ہیں :-

”اور اس کے بعد ہی جب دلی کی دیرانی سے گھبرا گئے تو
فیض آباد چلے آئے۔ رام بابو سکیسنہ نے ان کا لکھنؤ آنا
لکھا ہے۔ لیکن شجاع الدولہ اس وقت تک فیض آباد
میں رہتے تھے۔ میر حسن کے والد میرضا حک
اور خرد میر حسن بھی نواب سالار جنگ کے دو بگٹان دولت
میں تھے اور ان بزرگوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے
کہ وہ اس وقت فیض آباد ہی میں تھے۔ یہ تسلیم
کرنے میں شبہ ہے کہ آرزو لکھنؤ بھی گئے ہوں گے۔ . . .“

آرزو نے عمر کا باقی حصہ فیض آباد ہی میں گزارا اور وہیں ۱۱۶۹ھ میں وفات پائی لیکن لاش دفن ہونے کے لیے دہلی لائی گئی، (۱۱)

رازِ نردانی کا بھی یہی خیال ہے، وہ لکھتے ہیں :-
 ”اس جگہ تذکرہ نگاروں کی ایک عام غلطی کی طرف اشارہ کر دینا چاہیے کہ اودھ کے ہر آنے والے کے لئے یہی لکھنا جاتا ہے کہ وہ دہلی سے چلا تو لکھنؤ پہنچا در نہ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں لکھنؤ کی حیثیت ایک قصبہ سے زیادہ نہ تھی۔ شجاع الدولہ کے بعد آصف الدولہ بھی سات برس تک فیض آباد ہی میں رہے۔ ان کی روک ٹوک، بندشوں اور پابندیوں سے گجرات کے فیض آباد سے نکلے اور لکھنؤ آ بیٹھے۔ آصف الدولہ کا ۱۱۸۱ھ کا واقعہ ہو سکتا ہے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں خان آرزو کا انتقال کر جانا یقینی ہے کیونکہ ان کا انتقال ۱۱۶۹ھ میں بتایا جاتا ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہذا خان آرزو کا لکھنؤ کا بود و باش اختیار کرنا غلط ہے البتہ سالار جنگ کی ہمرکابی میں ان کا فیض آباد آنا پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ سالار جنگ کی سفارش پر شجاع الدولہ نے ان کے تین سو روپے ماہوار مقصد کر دیے لیکن وہ اس فراغت کی زندگی سے زیادہ یہ

تمتع نہ کر سکے اور ۱۱۶۹ھ میں جان جان آفرین کے
سپر دگر دی۔ مرتے وقت خان آرزو نے وصیت کی تھی
کہ میری لاش دہلی لے جا کر دفنائی جائے چنانچہ فیض آباد
میں ایک معین مدت تک کے لیے سپرد خاک کیے گئے
اور وہ مدت گزر جانے کے بعد ان کی میت دہلی لا کر
دفنائی گئی (۱)

ابواللیث اور رازیردانی کے برخلاف کوثر چاند پوری نے
لکھا ہے کہ آرزو نے دہلی کو خیر آباد کہہ کر لکھنؤ میں سکونت اختیار کی
دوسرے معنوں میں کوثر چاند پوری کے قول کے مطابق آرزو کا فیض آباد
میں رہنا قطعی نہیں لیکن بلاشبہ یہ قول ابواللیث اور رازیردانی کے
قول کے برخلاف ہے۔

اب ہم خزانہ عامرہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کے مصنف نے
صاف طور پر اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ آرزو لکھنؤ میں فوت ہوئے
کچھ دنوں تک وہیں دفن رہے اور بعد میں لاش وہاں سے نکال کر دہلی
لائی گئی اور یہاں وہ وکیل پور میں دفن ہوئے وہ کہتے ہیں:
در اول اورا در لکھنؤ امانت گذاشتند و بعد چند گاہ
بقیہ جسد را بہ شاہ جهان آباد دفن کردند (۲)

آرزو کے جسد خاکی کو لکھنؤ سے دہلی منتقل کرنے اور یہاں دفن
کرنے کے سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ آزاد بلگرامی نے

(۱) نقوش جنوری ۱۹۶۳ء

(۲) خزانہ عامرہ ص ۱۱۹

سرو آزاد میں کہیں بھی اس نکتہ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ آرزو پہلے لکھنؤ میں دفن ہوئے اور پھر وہاں سے ان کی لاش دہلی لائی گئی اور یہاں دفن کیے گئے اس لئے ہم یہ آسانی سے قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ منتقلی ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۶ء عیسوی میں اس تاریخ کے کچھ دنوں بعد جس کی طرف سرو آزاد میں اشارہ کیا گیا ہے نہیں ہوئی۔ یہ تقریباً یقینی بات ہے کہ آرزو کی لاش مرنے کے فوراً بعد ہی منتقل نہیں کی گئی بلکہ اس میں کچھ ماہ لگ گئے مرنے آزاد اپنے تذکرے میں اس حقیقت کا ذکر لازمی طور پر کرتے کیونکہ انہوں نے آرزو کے انتقال کے متعلق جو اطلاعات ہم پہنچائی ہیں وہ پوری طرح درست ہیں خزانہ عامرہ میں لفظ ”بقیہ جسہ“ کا استعمال ہو رہا ہے۔ اس سے یقیناً یہ مراد ہے کہ آرزو کی لاش کی منتقلی کچھ دنوں کے بعد ہی ہوئی۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آرزو کے جسد کی منتقلی ان کی اپنی خواہش کی وجہ سے ہوئی تھی۔ منوہر سہاسے انور نے واضح طور پر یہ کہا ہے کہ آرزو آخر میں جتنا کے قریب اپنے گھر دکیل پورہ میں لا کر دفنائے گئے تھے۔ آرزو نہایت متواضع، شگفتہ مزاج، بردبار آدمی تھے۔ ان کا عہد بھی بہت زیادہ سنجیدگی اور متانت کا طالب تھا لیکن انکی ظرافت اور شگفتگی کے احساس کو دبا نہ سکا تھا اور نہ ان کے اندر خود پسندی پیدا کر سکا۔ دوسرے شعرا کی طرح آرزو کا جمالیاتی حسن بھی زندہ تھا اور وہ حسن پرستی کا ذوق رکھتے تھے۔ ایک مشاعرے میں چند شعر دوست حضرات بیٹھے شعر و سخن پر گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے آرزو کی بے حد تعریف کی دیوان سودا کے دیباچہ

نگار حکیم اصلاح الدین خان کی رگِ ظرافت پھڑکی اور ہنس کر فرمایا۔
 آرزو خوب است اما این قدر ہا خوب نیست
 آرزو کو اس سے کوئی آزدگی نہیں ہوئی بلکہ وہ اور لوگوں کے
 ساتھ ہنس پڑے۔

خان آرزو کے استاد، معاصر اور شاگرد

بقول خوشگو آرزو نے تقریباً چودہ سال کی عمر سے ہی شاعری کرنی
 شروع کر دی تھی۔ وہ دوزبانوں فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے جب
 وہ چودہ سال کی عمر میں ممبہر میں گئے انہوں نے اپنا سب سے پہلا شعر
 فارسی زبان میں کہا اور جب وہ ایک سال بعد وہاں سے گواہیا روپس آئے
 تو میر عبد الصمد سخن کے شاگرد ہوئے اور اپنے اشعار کی اصلاح ان سے
 لیا کرتے تھے لیکن زیادہ دنوں تک سخن کی صحبت سے فیضاب نہ ہو سکے،
 سخن ایک دو ماہ بعد ہی گواہیا روپس آکر آگرہ چلے گئے، بقول آرزو:-
 در بعد از آن بمقتضای شور و جوانی و طغیان نادانی میلی بگفتن
 اشعار پیدا کرد بعد یک سال از آن از نظر میر صاحب سخن
 رحمۃ اللہ تعالیٰ انکار خود گزرا نیدہ و یک دو ماہ برین نگذشتہ
 بود کہ مفارقت بمیاں آمد تا چار تنہای را استاد خود
 مقرر نموده بدرس خاموشی اشتغال داشت^(۱)
 ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :-

”فقر آرزو در پانزدہ سالگی در عنفوان شعور جنون ہنگامہ
 ابوالمفنون شعر خود را از نظر اقادات اثر ایشان گذرانیدہ

بلکہ تاحال کہ در بچاہ سالگی تمیناً بر آن گذشتہ پارہ
 کا غذہای شعر را کہ اصلاح ایشان بر آنست بدین خود
 دارد یا بگران مائیکہ جنس خویش آنرا دیدہ خود را گم کنند^(۱)
 اتفاقاً ایک روز میر غلام علی حسنی خود آرزو کے گھر آئے اور
 بغیر کسی غرض کے ان کی تربیت کرنی چاہی۔ اس وقت آرزو کی عمر
 سولہ سال تھی۔ انہوں نے اپنا یہ شعر غلام حسنی کو دکھایا:
 تادیدہ ام بزل فہ پریشان اوگرہ دارم چو گرد بانفس در گلو گرہ
 اور یہ مطلع بھی ان کی نظر سے گزرا:

ایں حلقہ حلقہ زلف سیاہ تو دم کیت این شوخ شوخ آہوی شیم تو ام کیت
 خان آرزو ان کے متعلق مجمع النفایس میں اس طرح رقم طراز ہیں:
 "سید غلام علی میر: فقیر آرزو در ایام طفلی اشعار خود
 را در خدمت ایشان گردانیدہ و بر این احقر حق بیاز
 ثابت نمودہ اند، این مرد بزرگوار از سادستی صحیح التنب
 بود، اجدادش توطن گوالیار اختیار نمودہ۔ بالفعل
 دیوان ایشان پیش فقیریت۔ دو بیت کہ یاد بود
 نوشتہ میشود:

شانہ را آہستہ زن مشاطہ برگوی او رشتہ جان من است ای یخبر ہر سوی او
 احسنی بکیر ہنگام خرامش بشنوی مانک آن خلخال پانازم جیا نازم جیا
 اس طرح آرزو کے اس بیان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ
 میر غلام حسنی کا دیوان بھی ان کے پاس موجود تھا۔

آرزو مرزا افضل سرخوش، بیدل اور میر عبد الجلیل بلگرامی سے بھی استفادہ کرتے تھے۔ وہ بیدل کے تصرفات کے بہت زیادہ قدردان تھے، حالانکہ ان حضرات کا بھڑوا پاتھا اور خان آرزو کی جوانی اس کے باوجود وہ ان لوگوں کا نام نہایت عزت و احترام سے لیتے تھے۔ ان سے اپنی ملاقات اور اپنے استفادہ کے حالات بیان کیے ہیں۔ محمد افضل سرخوش کے ضمن میں ہے کہ ایک مرتبہ آرزو ان سے ملنے گئے۔ اس وقت سرخوش کی بصارت زایل ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے اپنی بیاض اپنے بیٹے فضل اللہ کو شعر سنانے کے لیے دی۔ اس پر آرزو نے یہ پُر لطف بات کہی کہ بیٹے کو جو نو چشم کہتے ہیں اس کے یہی معنی ہوتے ہیں سرخوش نے بھی آرزو سے شعر سنانے کی فرمائش کی۔ انہوں نے اولاً یہی ادب سے غدر کیا لیکن اصرار کرتے پر ایک غزل سنائی جس کا ایک شعر یہ ہے:

افتاد گشت ما بہ نشو و نما ی من نخلم چو گرد بادِ خاک آب می خورد
سرخوش اسے سنکر بہت خوش ہوئے۔

آرزو کے معاصرین میں میر غلام علی آزاد بلگرامی، میر محمد افضل ثابت، سعد اللہ گلشن، علی تلی خاں، قزلباش خان امید، میر شمس الدین فقیر اور شیخ علی حزین وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کا نام وہ نہایت عزت و احترام سے لیتے ہیں ان سے عقیدت اور خلوص کا اظہار کرتے ہیں اور ان میں جو اوصاف ہیں انھیں واضح کرتے ہیں۔ آرزو کے معروف معاصرین کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔ معاصرین کے حالات اور ان کے کارناموں کے بارے میں اظہار خیال کا مقصد:

ہے کہ اس دور کے ادبی ماحول کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہو جائے
میر غلام علی آزاد بلگرامی

میر غلام علی آزاد الحمینی الواسطی بلگرامی پنجم صفر بروز یکشنبہ
 ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۵ء کو صوبہ اودھ کے قصبہ بلگرام، محلہ میدان پورہ،
 میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب موتمن الاشیال بن زید شہید
 بن امام بن زین العابدین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، چنانچہ وہ
 کہتے ہیں:

گرچہ باشد موتمن الاشیال عیسیٰ جد من

عیسیٰ جان بخش شیرام با مہر ادنقل

اس ضمن میں ایک اور جگہ اطلاع دیتے ہیں کہ:
 برابر تیغ ستم گشت از مرناز چراغ دودہ زید شہید روشن شد
 آزاد نے پانچ استادوں سے کسب علم کیا۔ ان کے سب سے
 پہلے استاد طفیل محمد ہیں۔ انہوں نے آزاد کو درسی علوم کی تعلیم
 دی۔ دوسرے استاد میر عبد الجلیل ہیں جن سے انہوں نے لغت
 حدیث، سیرت نبوی اور فنون ادب سیکھے تیسرا استاد سید میر محمد
 ہیں جنہوں نے ان کو عروض و قوافی اور بعض دوسرے فنون و ادب
 میں مہارت ہم پہنچائی۔ چوتھے استاد شیخ محمد حیات ہیں جنہوں
 نے آزاد کو مدینہ میں صحیح بخاری شریف پڑھائی اور پانچویں
 استاد شیخ عبد الوہاب طباطبائی ہیں۔ مکہ میں علم حدیث کے بعض فوائد

ان کے زبان مبارک سے سنکر آزاد کے دل پر نقش ہوئے اور ان کے ہی توسط سے میر سید لطف اللہ بگرامی کے ہاتھوں پر بیعت کی رسم ادا ہوئی۔ آزاد نے اپنی زندگی میں تین اہم سفر کیے۔

پہلا سفر شاہ جہان آباد کا تھا جہاں وہ بگرام سے بغرض ملازمت تشریف لے گئے تھے۔ یہ سفر ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء میں میر عظمت اللہ

بگرامی کے ساتھ ہوا تھا۔ دوسرا سفر ذی الحجۃ ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء میں بگرام سے شاہ جہان آباد، لاہور، ملتان اور دوسرے علاقوں سے گزرتے ہوئے سندھ پہنچے۔ وہاں سے چار سال کے بعد وسط ۱۱۴۷ھ

۱۷۳۴ء میں جس راستے سے گئے تھے اسی راستے سے شاہ جہان آباد واپس آ گئے یہاں انہیں معلوم ہوا کہ ان کے والد ماجد ایک تقریب میں الہ آباد تشریف لے گئے ہیں جو کہ بگرام سے تقریباً دس میل دور ہے، آزاد پہلے اکبر آباد گئے اور وہاں سے الہ آباد رمضان المبارک کے چاند کے طلوع کے وقت پہنچے۔ الہ آباد میں قیام کے دوران دوبار بگرام گئے۔ ان کا تیسرا اہم سفر مکہ مدینہ کا ہوا۔

یہ الہ آباد سے بگرام آئے۔ یہاں ان کے دل میں حرمین شریفین کی زیارت کا شوق ہوا سیوم رجب ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء کو رخت سفر باندھا اور جبین نیاز کو بیت اللہ شریف میں جا کر جھکایا۔ چونکہ حج کا زمانہ نہ تھا اس لیے تین دن مکہ میں قیام کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں پر عید منائی اور پھر حج کا فریضہ ادا کیا سالم کشمیری نے ان کے حسب حال کیا خوب کہا ہے :

عبدالغفار است برادر پیغمبر شبی اللہ گفتم بس یاؤر
 ابن عبید و مدینہ نجت من طالع من انشاء اللہ مکہ و عبید دگر (۱)
 خان آرزو نے اس واقعہ کا مجمع النفایس میں ذکر کیا ہے۔
 آزاد نے ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء میں دکن کی طرف کوچ کیا اور ادرنگ آباد
 میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

آزاد کی عمر کا کافی حصہ شعر و شاعری میں گزرا۔ انہوں نے عربی
 اور فارسی دونوں زبانوں میں نغمہ سرائی کی، دیوان مرتب کیے عربی کے
 دیوان میں تین ہزار ابیات ہیں۔ یہ عربی شاعری کو ایک خاص
 انداز سے ادا کرتے ہیں۔ اور عربوں پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے
 ہیں۔ وہ کہتے ہیں :

”طوطی ہندم با قمریانِ عرب دمساز، نغمہ سنج، با خوش
 نوایان حجاز ہم آواز“ (۲)

ان کو اپنے ہندو ہوتے پر ناز ہے ان کا عربی دیوان حرمین
 شریف، یمن اور مصر میں بہت مقبول ہے اور عربوں کی محفل
 میں ان کی عربی شاعری کو پڑھ کر ان کی یاد تازہ کی جاتی ہے،
 لگتا ہے کہ شوکت بخاری زبان حال سے کہہ رہے ہیں :-
 شنیہ اندبتان یمن کلام مرا نوشتہ اند بر آب عقیق نام مرا (۳)
 آزاد کی بہت سی فارسی رباعیاں ملتی ہیں، یہاں ایک رباعی
 بہ طور نمونہ پیش کی جا رہی ہے :

(۱) خزانہ عامرہ ص ۱۲۵۔

(۲) ایضاً
 (۳) ایضاً

ای حامی دین محیط جود و احسان حق داد ترا خطاب آصف شایان
 او تخت بدر گاہ سلیمان آورد تو آل نبی را بدر کعبہ رسان^(۱)
 یہ رباعی نواب آصف جیاء کی تعریف میں ہے۔ نواب اس کو
 سنکر بہت محظوظ ہوئے۔ دراصل یہ رباعی آیہ کریمہ ”و علی الناس
 حج البیت من استطاع الیہ سبیلاً“ سے ماخوذ ہے۔

آزاد کے دو مشہور و معروف تذکرہ خزانہ عامرہ اور سرور آزاد کسی
 تعارف کے محتاج نہیں یہ دونوں تذکرے فارسی زبان میں ہیں انہوں نے
 فارسی شاعری میں بھی اپنے قلم کا زور دکھایا ہے۔ ان کا ایک فارسی
 دیوان ملتا ہے۔ ان کی خط و کتابت آرزو سے کتنی دونوں کے درمیان
 فارسی اشعار کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ آزاد نے دو جگہ مجمع النفایس میں
 آزاد کا اور آزاد نے ”سرور آزاد“ اور خزانہ عامرہ میں آرزو کا حال
 لکھا ہے۔ خط لکھنے میں پیش قدمی آزاد کی طرف سے ہوا کرتی تھی۔ آرزو
 کے حالات زندگی کے بارے میں اہم معلومات آزاد کے تذکرے
 سرور آزاد اور خزانہ عامرہ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ آزاد کے کچھ
 فارسی اشعار بطور نمونہ نقل کیے جاتے ہیں :

الہی نالہ گرمی دل دیوانہ مارا کرامت کن نہال آتشی دانہ مارا^(۲)

تو آل رساند بیا بین حضرت صیاد ز مرغ بمل او مشتال و پر باقی است

(۱) خزانہ عامرہ ص ۱۲۶

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

دلی کہ زلف نگاری بود شبتاش ز شاہ ہند فزون است شوکت و شانش (۱)

میر محمد افضل ثابت میر افضل اپنے زمانے کے اہم استاد زبان شمار کیے جاتے تھے۔ یہ بہت خاں خلف اسلام خان والا بدخشان کے برادر زادہ کے یہاں الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حسان تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام اکتساب علم میں گزرائے اور علوم درسی کو بعض مشہور علماء سے حاصل کیا اور اعلیٰ درجہ کی فضیلت حاصل کی۔ فن شاعری کو درجہ کمال تک پہنچایا، یہ کچھ دنوں تک شاہ جہان آباد میں مقیم رہے اور یہیں اپنے علمی اور شاعرانہ فنون و ہارت کا اظہار کیا۔ مرزا عبدالرضای متین صفا ہانی سے میر افضل کا مناقشہ رہتا تھا۔ اگرچہ تمام عمر مرزا عبدالرضای نے میر کی شاگردی کی، ان کی وجہ سے ان کی تربیت ہوئی۔ لیکن انہیں استاد قدیم سے انہوں نے آنکھیں پھیر کر ایک کشمیری شاعر سے تلمذ اختیار کیا اور ایک چارونگو ابیات کا قصیدہ نظم کیا۔

صرم است دلا سیل خون ز دیدہ بہار

ز شاہ تشنہ لبان آب چشم باز مبدار (۲)
واقعہ متقبل اصغہانی کے ترجمے کے ذیل میں ایک مشہور واقعہ ہے۔ متقبل سلطان حسین مرزا صفوی عہد میں قابل اعتبار شخصیت کے اہل تھے، نادر شاہ کے عہد میں ہند آئے اور گجرات میں مومن خاں

(۱) خزائن عامرہ ص ۱۲۶

و ایضاً

ناظم کے پاس قیام کیا، وہیں ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۲ء میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ میر محمد افضل تمام عمر دنیا سے لاتعلقی رہے۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئے۔ ان کا مدفن شاہ جہاں آباد میں ہے۔ مرزا منٹو جان جاناں نے ان کی سال وفات کی تاریخ ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء لکھی ہے جبکہ تذکرہ والدہ دہستانی میں ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء درج ہے۔ والدہ دہستانی افضل کے والد محمد عظیم ثبات کے ساتھ خاص اخلاص رکھتے تھے۔ ان کی وفات پر والدہ نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے :

استاد زہاں کہ کرد تعلیم اعجاز سخن بکلیک صامت

تاریخ برائے رحلت او فرمود فرد رحیل ثابت^(۱)

ثابت کے اشعار کچھ نمونے ملاحظہ ہوں :

شد چو صبح وصال تو شمع جان مرا ببرِ بمشہر پر دانہ استخوان مرا^(۲)

خون ناحق دست از دامنِ قاتل بر نداشت

دیدہ باشی داغهای جامہ تصاب را^(۳)

خارِ راہ تو گراز نشو و نما می افتد

عقدہ در کار من آبلہ پامی افتد^(۴)

غلام علی حزمین | ان کا پورا نام غلام حسین خان تھا یہ ہمنہاں سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ حزمین زاہد مرشد شیخ صفی الدین اردبیلی کی اولاد میں سے ہیں جن کا سلسلہ نسب سلاطین صفویہ سے ملتا ہے

(۱) خزانہ عامرہ ص ۱۷۳ (۳) ایضاً ص ۱۷۴

(۲) ایضاً ص ۱۷۴ (۴) ایضاً ص ۱۷۵

ان کے والد کا نام ابو طالب تھا۔ ایک مدت گزرنے کے بعد نادر شاہ کے ایران پر تسلط اور ناسازی روزگار کی وجہ سے ہندوستان جنت نشاہ کی طرف رخ کیا اور یہاں بنارس میں سکونت پذیر ہوئے جس وقت نادر شاہ شاہ جہان آباد دہلی پر مسلط ہوا اور پشہر اس کی قہرمانیوں کا شکار ہوا تو حزین نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور خود کو ردپوش کر لیا۔ افواج شاہی کے یہاں سے چلے جانے کے بعد وہ پھر ظاہر ہوئے لیکن جیسا کہ ان کی توقع تھی اس وقت کسی نے بھی ان کی قدر نہ کی۔ نازک مزاجی کی وجہ سے یہ ناقدری طبیعت پر گراں گزری اس لیے عازم لاہور ہوئے، ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ طبیعت خراب ہو گئی، یہ سمجھ گئے کہ وطن ہو یا غربت ان کے لیے دونوں ہی برابر ہیں، اس لیے جس وقت عمدۃ الملک امیر خان مرحوم الہ آباد سے آئے شیخ اپنی قدر شناسی کی توقع میں پھر شاہ جہان آباد واپس لوٹ آئے۔ قسمت نے یادری کی اور ان کو خوب شہرت حاصل ہوئی۔ عمدۃ الملک نے تقریباً بیس لک دام بادشاہ سے ان کے لیے حاصل کیے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حزین نے اپنے رسالے میں اپنے حسب و نسب اور شعور و سیر کے بارے میں لکھا ہے اس میں اپنی برتری کا دعویٰ کیا ہے۔ گویا رسالے کے لکھنے کی غرض و غایت ہند اور اہل ہند خواہ وہ بادشاہ ہو یا فقیر کی خدمت کرنا ہے۔ یعنی ان کے خیال میں انہوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ ان کو اپنے ملک اور وہاں کے لوگوں سے ملا۔ اور ہندوستان میں ان کے پایہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے

نگال کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوئے ہی تھے لیکن عظیم آباد سے
ہی بنارس واپس لوٹ کر آ گئے :-

ترسم نرسی بہ کعبہ ای عوالبی کیں رہ کہ تو میری بترکتان است^(۱)
یعنی مقصد یہ ہے کہ تو غلط راستہ پر جا رہا ہے تو اپنے مقصد تک
نہیں پہنچ سکے گا۔

شیخ علی حسری اپنے کلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ :-
” ایں دیوان کہ شہرت دارد دیوان چہارم است و
سابقہ دیوان در فرست افانہ تلف شد۔“

اس قول کے مطابق وہ دیوان جواب دستیاب ہے ان کا
چوتھا دیوان ہے۔ اور بقیہ تین تلف ہو چکے ہیں اگر یہ دیوان
تینوں سے ملحق ہو جاتا تو اس قدر اعتراض کا باعث نہ بنتا
ٹھا جاتا ہے کہ حزین فاضل اور صاحب تصنیف تھے لیکن ان کی
وکی تصنیف علم حکمت و کلام میں نظر نہیں آتی۔ انہوں نے اپنی زندگی
کے آخری ایام میں اپنے تخلص حزین سے شہرت حاصل کی۔ یہاں ان
کے دیوان سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں :-
بست خلق عالم کا سہ دریوزہی بینم گداچوں بادشہ گرد گدا ساز دہانی را^(۲)

اس ناموس ہنرمندی فرہادم بود در رہ عشق اگر دست بکاری نزد م^(۳)

(۱) فرہنگ عوام ص ۳، و ۱۶۱

(۲) کلیات حزین، مطبع نول کشور، کانپور ص ۲۳

(۳) ایضاً ص ۵۸

شاید شبی شمیم گلی رہ غلط کند
چشم طمع بر خنہ دیوار بستہ ام^(۱)
رباعیات :
ساقی! قدحی کہ دور گزار گذشت
مطرب! غزلگی کہ وقت گفتار گذشت^(۲)
ای ہم نفس از بہر دل زار گو
افسانہ آن شبی کہ بایار گذشت

حال دل آسودہ دلاں سوختہ لم
بیدردی این بی خبران سوختہ لم^(۳)
درد دل بچکس مرا کار نہ کرد
بر حال سلامت طلبان سوختہ لم

معارضہٴ حزین و آرزو :

ہندستان میں اکبر کے عہد سے لے کر عالم گیر کے عہد تک
مسلم الثبوت ایرانی شعراء کے کلام پر اعتراضات ہوتے رہے اور لطف
یہ ہے کہ ان اعتراضات کی غرض سے نظم اور نثر میں جو کچھ بھی لکھا گیا
وہ بیشتر خود اسی سرزمین کے علماء کے قلم کی گلکاری تھی۔ ظہوری، عرفی،
زلالی جیسے اکابر کو اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا، معترضین میں فیضی
شید اور منیر جیسے بلند پایہ شاعر شامل ہیں یہ صحیح ہے کہ ہندستانی
علماء الفاظ کے دروہیت، اسلوب بیان اور پرواز خیال میں ایرانی
شعراء کی تقلید کو فخر کا باعث سمجھتے تھے۔ مگر اس میں بھی دروغ نہیں ہے
ہ ایرانیوں سے غلطی کا سرزد ہونا ایک انسانی طبیعت کا لازمی جزو تھا،

(۱) کلیات حزین ص ۵۸۸

(۲) ایضاً ص ۵۱

(۳) ایضاً ص ۵۹

عہد عالمگیر تک جو اعتراضات ہوئے وہ ایرانی شعرا کے جہتہ جتہ اشعار کی حدود سے آگے نہیں بڑھے۔ کسی ہندوستانی نے کچھ اہل القدر ایرانی کے کلام کو مورد اعتراض بنایا ہو اس کا علم نہیں، ایسا لگتا ہے کہ یہ کام محمد شاہ ہی عہد کے لیے متعین ہو چکا تھا جس میں خان آزد نے شیخ خزین کے دیوان سے جن جن کر قابل اعتراض شعرا کا لے اور ان کی غلطیاں دکھانے کے لیے ایک کتاب "تنبیہ الغافلین" کے نام سے لکھ ڈالی۔

ہندوستان کے صاحب علم و ادب کی فنی عظمت کو منوانے کے لیے آرزو کو بڑے پا پڑیلنا پڑے لیکن ایک آہنی اور مضبوط ستون کی طرح وہ اپنی جگہ اڑے رہے اور ایرانیوں سے اس حق کو منوا کر کے چھوڑا۔ اسی حق کو منوانے کے سلسلے میں ان کو خزین سے برسر پیکار ہونا پڑا۔ خزین اس زمانے کے بڑے ٹھکے کے شاعر تھے جو ہندوستان کے بڑے سے بڑے عالم فاضل کو اپنے ایرانی ہونے کی وجہ سے کمتر سمجھتے تھے۔ سودا کے متعلق ان کا یہ فقرہ "در پوچ گو یان ہند نیستی" کافی شہور ہے۔ ظاہر ہے اس انا پرست شاعر سے آرزو کی ملاقات کیونکر خوشگوار نتائج پیدا کر سکتی تھی۔

آرزو اس معارضہ کی تاریخ نہیں بتاتے، معاصر مذکرہ نویس بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ خزین کی تصانیف سے پتا چلتا ہے کہ مدت تک ادھر ادھر کھیلنے اور سفر کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء میں دہلی میں داخل ہوئے۔ یہاں اکثر علماء و فضلا سے معارف و ادب، امراء و رؤسا حتیٰ کہ خود بادشاہ کو ان کی ذات سے

بہت عقیدت ہو گئی، چونکہ وہ کسی سے کچھ قبول نہ کرنے کے باوجود بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے اس لیے عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ انہیں غیب سے امداد حاصل ہے۔ انہوں نے ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۱ء

میں تذکرۃ الاحوال اور ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۲ء میں اپنا آخری دیوان مرتب کیا۔ ان سب کی روشنی میں قیاس سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ معارضہ کا آغاز ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء کے بعد اور ۱۱۵۶ھ / ۱۷۴۳ء سے پہلے ہوا، معارضہ کے اسباب کے متعلق تذکرہ نویسوں میں شدید اختلاف ہے یہ بیانات درج ذیل تین خالوں میں رکھے جاسکتے ہیں :

(۱) حزین و آرزو کی پہلی ملاقات کے وقت حزین کی سردہری

۲۔ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے متعلق حزین کی ہجویں۔

۳۔ حزین کی انتہائی نازک مزاجی اور تکبر

خائن آرزو ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں لکھتے ہیں :

”سات آٹھ سال پہلے شیخ حزین کے کمالات کا ذکر سنکر

مجھے ان کے معلوم کرنیکے لیے حداشتیاق تھا، چونکہ اس زمانے

میں شیخ پریشان حال تھے، میں نوکروں کو ٹھہرا کر اندر

گیا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص اپنے حال میں بیٹھا

ہے جس کی برخود چیدگی، خویشی داری اور اپنے فنون

کمالات کی نسبت غلط آرای کا اظہار الفاظ میں

نہیں ہو سکتا۔ میں گھری بھر بیٹھ کر اٹھ آیا۔ اس وقت

مسافر خاں مرحوم یاد آتے ہیں جو شیخ کے متعلق کہا کرتے تھے

یہ گراؤئے متکبر سے منظرِ ایالت ہے۔

آرزو کی اس تحریر میں سردہری کا ذکر صراحتاً تو نہیں لیکن کنایتاً
نوضور بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان کا حزم سے تمام عمر بات نہ کرنا بھی ثابت
ہوتا ہے کہ وہ شیخ کے طور و طریق سے خوش نہیں ہوئے مگر محض کسی
شخص کا کسی سے مل کر خوش ہونا اس امر کا جواز ہم نہیں پہنچاتا کہ
ہر شخص دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جائے۔ اگر آرزو واقعی
بہت ذکی المحس اور زودرنج واقع ہوئے تھے تو شانِ خود داری کو
برقرار رکھنے کے لیے ان کا یہ فیصلہ کہ حزم سے پھر نہ ملیں گے
نافی تھا۔

اکبر، جہان گیر اور شاہ جہان کی گنج بخشیموں اور ہندوستانوں
بے نظیر ہمان نوازیوں کا ذکر سن کر ایران توران سے بہ کثرت اہل
مال ہندوستان آئے اور دولت و ثروت کے لحاظ سے ہندوستان
تمام دنیا میں قابل رشک شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اس سرزمین
ہم دوز کو غیر ملکی اہل کمال بہت خراب نظر سے دیکھتے تھے لیکن ان
سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے شاہی خزانہ کے زرو جواہر سے دامن
برنے اور میزبانوں کی جہان نوازیوں سے خوب لطف اٹھانے کے
وجود ہندوستان اور ہندوستانیوں کی ہجویں لکھ کر اپنی کورنگی کا
بوت دے دیا۔ حیدر تبریزی جو اکبر کے عہد میں ہندوستان سے
بہت سا مال و زر لے کر ایران واپس گئے۔ لکھتے ہیں :

برکشور ہند شادی و غم معلوم آں ہا دلِ شاد و جانِ خرم معلوم
ای کہ بیک رو پیہ آدم ز خرد آدم معلوم و قدر آدم معلوم

دشنام طرازی کا یہ سلسلہ اکبر کے عہد سے محمد شاہی عہد تک جاری رہا، سب سے آخر میں علی حزمین نے نظم و نثر میں چوبچوبیں لکھ کر خوب کاغذ سیاہ کیے اور فحاشی میں اپنے تمام اگلوں پر سبقت لے گئے ان کی زہر چکانی کا اندازہ کرنے کے لیے یہ تین مثالیں جو کلیات مطبوعہ میں ملیں گی کافی ہیں :

گویم طبقات خلیق را بی کم و کاست	در ہند اگر کسی نہ رنجہ از زاست
پاجی و دیوٹ و مجہ و ہیز دگہ است	بیچ است کہ شش نمی توانش کردن
روز کہ و مہ چو شام ہجران تار است	دیدیم کہ سواد ہند حسرت ناست
ایں جاگر ہی کش دہ درشتو راست	بستہ است بہ کار ہمہ شان نخت گرہ

فاکش نمک دیدہ ادراک بود	ویرانہ بھمند کز صفا پاک بود
مینای حباب او پڑا ز خاک بود	آبشن بھنل شیشہ ساعت دارد

یہ تو عام طور پر ہندوستان اور ہندوستانیوں کی بھوتھی، اب اس قطعہ کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں جس میں خاص طور پر کیشمیریوں کو ہدفِ ملامت بنایا گیا ہے

ما بقی دل و ساد و دگر ارباب مطرب	ہمہ حامی و دلاک بود اعلایش
ونجابت بہ عزایل رساند نسب	پوں حسب نامہ شاں از ہمہ مخلوق جداست
بر نہ گرد چو سوراخ بر آید عقرب	یک از یں قوم ز دید است دو نو بہ کیشمیر
ہرز و سالم آن را ہمہ پیتی احزب	بزو نطی کہ کند خانہ آن ہا تحذیر

آرزو کے شاگردوں میں وہ لوگ شامل ہیں جو آگے چل کر نہ صرف
 بردے غزل بنے بلکہ زبان اور فن کے امام ثابت ہوئے مثلاً
 شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، شرف الدین پیام
 آبادی مرزا مظہر جان جاناں، میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، میر درد
 نندرام مخلص، میر محمد عظیم ثبات، حاکم لاہوری، نور العین واقف،
 شکوہ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں؛
 شاہ مبارک آبرو؛

شیخ نجم الدین نام عرف شاہ مبارک، آبرو تخلص، یہ خان آرزو
 شاگرد رشید، محمد غوث نور اللہ مزہد کی اولاد میں تھے۔ یہ اپنے زمانہ
 نہایت نامور اور مشہور تھے۔ اپنا کلام خان آرزو کو اصلاح کے
 دکھایا کرتے تھے، ان کی سیدھی آنکھ نور بصارت سے عاری تھی
 ۔ بار مرزا مظہر اور ان میں مکابرہ ہوا۔ مظہر نے ان کی مذمت میں
 بیت کہی جو اس طرح ہے :

برو کی آنکھ میں ایک گانٹھ ہے آبرو سب شاعروں کی جھ — ہے^(۱)
 آبرو نے اس کے جواب میں کہا:

بستی ست پر چڑھے تو پان کھانا رسم ہے

آبرو جگ میں رہے تو جانِ جانان ... ہے^(۲)

تذکرہ خوش مکرکز یا مولف سعادت حسن خاں ناصر ص ۹۵، آب حیات
 ۱۱۸ (۲)، فیضاً، آب حیات میں یہ شعر اس طرح ہے۔

شرف الدین مضمون :

ان کا نام شرف الدین اور تخلص مضمون تھا۔ یہ فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے۔ اکبر آباد ان کا اصلی وطن تھا، دلی میں آکر بس گئے تھے۔ اصل پیشہ سپہ گری تھا لیکن سلطنت کی تنہائی کی وجہ سے سپہ گری کا پیشہ چھوڑ کر شاعری پر قناعت کی اور زینت المساجد میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ یہ خان آرزو کے شاگرد تھے۔ ان کے نسب کی بزرگی اس وجہ سے ظاہر ہے :

کرے کیوں نہ شکر نبوں کو مرید کہ دادا ہمارے ہیں بابا فرید^(۱)

میکدہ میں گر سہ اسر فعل نامعقول ہے مدرسین بھی تو اک فاعل ہے اک مفعول ہے^(۲)

مضمون تو شکر کر کہ ترا اسم سن رقیب غصہ سے کھوت ہو گیا لیکن جلاؤ ہے^(۳)

میر تقی میر اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ شرف الدین مضمون کے شعر میں اسم کی جگہ نام تھا لیکن جب آرزو نے اس شعر کی اصلاح کی تو نام کی جگہ اسم کر دیا۔ کیا خوب اصلاح کی ہے۔

(۱) آب حیات ص ۱۱۸

(۲) ایضاً

(۳) ایضاً

حاکم لاہوری | حاکم لاہوری کے باپ محمد شاہی عہد میں پنج ہزار
امیر تھے۔ ان کو نوبت، علم اور نقارہ بھی حاصل

۱۔ حاکم نے ایک تذکرہ ”شعر مردم دیدہ“ کے نام سے لکھا تھا، اس میں
نے اعتراف کیا ہے کہ اس نے اپنا دیوان سراج الدین علی خان
رزد کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کیا تھا اور آرزو نے غور سے
نہ کر اپنی رائے حواشی پر لکھ دی تھی۔ حاکم نے اپنی غزل کے مقطع میں بھی
رزد سے عقیدت کا اظہار کیا ہے :

پنیں از فیض خان آرزو گیر دمک طرف شوریں این غزل حاکم بہ لاہور افکند
ان آرزو نے حاکم کی اس غزل کو دیکھ کر ہر جہت بجا تھا :
ست شعری آرزو را رتبہ گر تو بایں ہم پسندی حاکمی
حاکم نے یہ غزل آرزو کی ایک غزل پر بھی تھی۔

حاکم کے دیوان پر آرزو نے جو اعتراض کیے تھے وارنہ سیالکوٹی نے ان کے جواب میں
رسالہ جواب شافی کے نام سے لکھ کر اعتراضات رفع کرنے کی کوشش
فی۔ اس کے باوجود حاکم اور آرزو کے درمیان دوستانہ مراسم
برابر رہے۔ آرزو نے مجمع انفائیس میں نہایت اچھے الفاظ میں حاکم
تذکرہ کیا ہے اور حاکم بھی آرزو کی وفات کے بعد احترام اور خلوص
کا ذکر کرتے ہیں۔

مرزا منظر جان جانان :

ان کے والد کا نام مرزا جان ہے، ان کا نام اپنے والد کے نام
ناسبت کی وجہ سے مرزا منظر جان ہے اور جانان ان کا خلیفہ ہے
ن یہ اپنے یورنام مرزا منظر جان جانان کے نام سے مشہور ہوئے

جان ادا دل منظر در گاہ شد جان جانان خود منظر اللہ شد^(۱)
سرد آزاد میں ہے :

جدا علای ادا میر کمال الدین در ادا کل مائتہ تاسعہ از خطہ
طائف بجز قیمت بحد و ترکستان رخت اقامت اندا^{حب}
و بہ فرما سوائی بعضی از ممالک عمر گز رانیدہ اولاد کشیر
بہم رسانید از آنہا امیر نجین و امیر بابا در حین فتح
ہندوستان کہ بردست ہمایوں پادشاہ اتفاق افتاد
در این مملکت وارد شدند از آن باز خدمت و رفاقت
سلاطین گورکانیہ شعار مردم این خاندان بود (۲)

یہ نہایت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اجداد
امیر کمال الدین ترکستان سے ہندستان تشریف لائے۔ ان کے
والد عالمگیر کے دربار میں صاحب منصب تھے۔ نسب ان کا باب
کی طرف سے ابو حنیفہ سے ملتا ہے۔ ماں بیجا پور کے شریف گھرانے
سے تھیں۔ دادا بھی دربار شاہی میں صاحب منصب تھے دادا ہی سد خان
وزیر عالمگیر کی خالہ زاد بہن تھیں۔ پردادا سے اکبر بادشاہ کی بیٹی منسوب
ہوئی تھی ان رشتوں سے تیموری خاندان کے نواسے تھے۔ ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء
میں جبکہ عالمگیر دکن میں فوج کے ساتھ تھے ان کے والد نوکری چھوڑ کر
دلی واپس آ گئے۔ یہ گیارہ رمضان جمعہ کے دن ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء میں

ہندستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا مذہب حنفی اور مشرب نقشبندی ہے
ظاہری نشوونما اکبر آباد میں ہوئی لیکن باطنی تربیت شاہ جہان آباد
میں حضرت سید محمد بدایونی نقشبندی کے زیر سایہ ہوئی۔ خان
آرزوان کے استاد تھے اور مظہر جان سے اپنی شاعری میں صلاح
لیا کرتے تھے مظہر جان جانان کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔
باغباں رو بہن آدر کہ شناخوان توام
چون صبا باد فروزش گل وریکان توام^(۱)

مراگشت است دبا ز این مرگ با من سرگردانی دارد
ترا بر نقش من چون دیدگفت این مردہ جان دارد^(۲)

چشم بر چشم چو افتادگر قناریہاست حلقہ بر حلقہ چو افروزدگر زنجیر است^(۳)

میر تقی میر | آرزو سے اس دور کے ممتاز شعرا و فضلا
سے علمی و ادبی معرکہ آرائی ہوئی، اس سلسلے میں بعض تفصیل
کا ذکر یہاں بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ جاننے کے لیے گاہک اور مسیر میں کیونکر سوئے مزاجی
پیدا ہوئی، اس کے اسباب کیا تھے، اور کون خطا پر تھا، جب تک
میر کا تذکرہ نکات الشعرا سامنے تھا نہ تو اس سوئے مزاجی سے

کوئی واقف تھا اور نہ کسی کو اس کے اسباب کی تلاش تھی کیونکہ
میر نے اپنے تذکرے میں آرزو کے متعلق جو اظہار خیال کیا تھا وہ
ان الفاظ میں تھا :

”آب و رنگِ باغِ نکتہ دانی، چین آرای گلزارِ مسانی
متممرف ملک زور طلب بلاغت، پہلوانِ شاعرِ عمرہ
فضاحت، چراغِ دودمانِ صفائی، گفتگو کہ چراغِ روشن
بادِ سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ تعالیٰ ابداً شاعر
زبردست قاصر سخن عالمِ فاضل تا حال ہیچوایشان
بہ ہندوستانِ جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در
ایران می رود، شہرہ آفاق در سخن فہمی طاق،
صاحب تصنیف دہ پانزدہ کتب و رسالہ ردیوان و
مثنویات حاصل کمالات اوشان از منظر بیان است
ہمہ استادانِ مضبوط فن رنجیت شاگردانِ بزرگوارند
برای تفنن طبع دوسرے شعر رنجیت فرمودہ این بی اعتبار را
اختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند“^(۱)

اسی تذکرہ میں مرزا معز فطرت کا حال لکھتے ہوئے میر نے
آرزو کو ”استاد و پیر و مرشد بندہ“ کے الفاظ سے یاد کیا ہے
کئی تذکرہ نگاروں نے میر کے حال میں میر کو خان آرزو کا شاگرد
اور ان کا تربیت یافتہ کہا ہے۔ مثلاً مخزنِ نکات میں ہے :
”در خدمت خان آرزو کہ خالوئے ابوہریرہ لختی دیش آموخت“^(۲)

گلشن ہند میں ہے ۔

”پرورش انہوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے اور
خان مذکور کے فیض صحبت سے نظم رنجیتہ کی کیفیت بارگیوں
کے ساتھ اٹھائی ہے (۱)

شمیم سخن میر کے ذکر میں لکھتے ہیں :

”میر متخلص ہمیشہ زادہ و شاگرد سراج الدین علی
خان آرزو“ (۲)

اسی طرح مردان علی خان مبتلا کے تذکرے گلشن سخن
میں میر کے ذکر کے تحت :

”میر تقی میر شاگرد سراج الدین علی خان آرزو“ (۳)

میر کے ذکر میں اس قسم کے خیالات کا اظہار میر حسن کے تذکرے
”شعرائے اردو“ میں کیا گیا ہے :

”برادر زادہ سراج الدین علی خان آرزو ہم از
شاگردان دوست“

اسی کی پابندی اردو کے تقریباً سب سے آخری ادیب
سے بہتر تذکرے ”گل رعنا“ میں کی گئی ہے :

”جو کچھ بھی میر نے خان آرزو کے دامن تربیت
میں پرورش پائی“

(۱) گلشن ہند۔ ص ۲۰۶ (۲) شمیم سخن ص ۲۱

(۳) تذکرہ گلشن سخن ص ۸۷ (۴) میر کی آپ بیتی ص ۹۳ - ۹۴

گویا ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء تک جو گل رعنا کی تیسری اشاعت کی تاریخ ہے۔
 اردو ادب میں شاید ہی یہ بات کسی کو معلوم ہو کہ خان آرزو
 اور میر میں کوئی کشیدگی تھی لگ بھگ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۹۰ء تک میر کو
 آرزو کا تربیت یافتہ اور ان کا شاگرد مانا جاتا رہا ہے لیکن ۱۳۰۰ھ
 / ۱۸۹۰ء میں پہلی بار بابائے اردو مولوی عبدالحق نے "ذکر میر" کے
 عنوان سے میر کی آپس بیتی کو اپنے حاشیوں اور مقدمے کے ساتھ
 انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کیا۔ یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہے
 کہ اس سے قبل اردو کے خواص کی نظر اس کشیدگی پر تھی یا نہیں
 لیکن میر اور آرزو کے کشیدہ تعلقات کا مسئلہ اردو ادب سے
 دلچسپی رکھنے والے عوام کی نظر کے سامنے نہ تھا۔ "ذکر میر" کی اشاعت
 کے بعد یہ اردو ادب کا عوامی مسئلہ بن گیا، اس واقعہ پر نظر ڈالنے
 سے پہلے میر اور آرزو کے رشتہ کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے
 میر کے والد کا نام سید محمد علی تھا جنہیں ان کے زہد اور عبادت کی
 وجہ سے میر محمد متقی بھی کہا جاتا تھا۔ انہوں نے دو نکاح کیے پہلا
 سراج الدین علی خان کی بہن سے اور ان کی موت کے بعد میر تقی میر
 کی والدہ سے پہلی بیوی سے دولہ کے تھے حافظ محمد حسن اور محمد حسین
 اور دوسری بیوی سے دولہ کے ہوئے ایک میر محمد تقی اور دوسرے
 محمد رفی۔ میر نے "ذکر میر" میں خان آرزو کی برائی کی ہے جبکہ
 تذکرہ زکات الشعرا "میں جو اس سے بعد میں لکھا گیا ان کی عقیدت
 اور محبت کے ساتھ تعریف کرتے ہیں۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ
 تذکرہ ایک عام چیز تھی اور سب لوگوں کی نظر سے گزرنے والی اس

لئے میر نے خائنی اختلافات کو اس میں داخل نہیں کیا۔ "ذکر میر"
ایک حد تک ذاتی چیز تھی اس لیے یہاں اختلافات کے چہرے سے نقاب
اٹھا دی ہے۔ یہ دلیل دزنی اور قطعی قرار نہیں دی جاسکتی۔

میر باپ کے مرنے کے بعد تلاش معاش میں دلی آئے
اور امیر الامرا کے نوکر ہو گئے، نادر شاہ کے حملے کے دوران
امیر الامرا مارے گئے اس لیے میر بے روزگار ہو کر دلی سے اکبر آباد
آ گئے۔ یہاں لوگوں نے ان کے باپ کی محبت کا کچھ پاس نہ کیا۔ میر
کی آپ بیتی میں آرزو کے متعلق یہ لکھا ہے :

"مجبور ہو کر دوسری بار دہلی پہنچا اور بڑے بھائی کے ماموں
سراج الدین علی خان آرزو کا احسان اٹھایا یعنی کچھ دنوں
ان کے ساتھ رہا اور شہر کے لوگوں سے کچھ کتابیں پڑھیں
پھر حبيب اس قابل بن گیا کہ کسی کا صحیح مخاطب بن سکو
تو بھائی کا خط ماموں کے نام پہنچا کہ میر تقی فتتہ روزگار
ہے اس کی تربیت ہرگز نہ کرنا چاہیے بلکہ دوستی کے
پردہ میں کام تمام کر دینا چاہیے۔ وہ عزیز کے دنیا دار
تھے بھانجے کی عداوت دیکھ کر میر ابرا چاہنے لگے۔ اگر
میں سامنے پڑتا تو پھٹکا رتے اور بیچ بیچ کر رہتا تو اول
نول بکتے۔ ہر وقت ان کی نگاہیں میری نگرانی میں رہتی
اور دشمنوں کا سا برتاؤ کرتے میں کیا بتاؤں کہ ان سے
کیا سلوک دیکھا اور کس طرح کہوں کہ کیا رنج اٹھائے ہیں
میر حیدر صبر و ضبط کرتا اور لاکھ احتیاج ہوا نہ سے ایک روپیہ بھی
نہ مانگتا تھا مگر وہ دشمنی سے باز نہ آتے تھے۔ اگر ان کی امداد نہ

کا ماجرا تفصیل سے بیان کروں تو ایک علیحدہ دفتر درکار ہے۔ میرا دکھا ہوا دل اور بھی زخمی ہو گیا اور میں پاگل ہو گیا۔ مزاج میں وحشت پیدا ہو گئی۔ (۱)

اپنے اس پاگل پن کی تفصیل بھی میرے لکھ دی ہے جو عجیب و غریب ہے۔ اس سے میرے اعصاب کی کشیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ اپنے پاگل پن کی کیفیت جہاں انہوں نے دوسروں سے سنی ہوگی میرا اس طرح بیان کرتے ہیں:

”جس کو ٹھری میں رہتا تھا اس کا دروازہ بند کر لیتا اور ہجوم افکار میں تنہا بیٹھ جاتا۔ چاند نکلتا تو میرے لئے قیامت ہو جاتی۔ اگرچہ میں اس وقت سے چاند کو دیکھتا آیا جب منہ دھلاتے وقت داہد چاند کہتی اور میں آسمان کی طرف دیکھتا تھا لیکن نہ اس طرح کہ دیوانگی کی حد تک نوست پہنچ جائے اور وحشت اتنی بڑھ جائے کہ لوگ مجھ سے ڈر کر میری کوٹھری کا دروازہ بند کر دیں اور مجھ سے دور بھاگنے لگیں۔“ (۲)

آخر یہ مجنونہ حالت اتنی بڑھی کہ میری زندگی ہو گئی اور ایک روز:

”خالوی کذائی برطعالم طلبید۔ تلخی از و کشیدم بی مزہ شدم، دست در طعالم ناکردہ برخاستم“ (۳)

میر نے آرزو کی ہمانگی بھی چھوڑ دی اور امیر خان کی حویلی میں کونت اختیار کر لی؛

(۱) میر کی آپ بیتی ص ۹۲ - ۹۶

(۲) ایضاً
(۳) ایضاً

”زین ایام من از نا مساعلت ایام، ہمسائیگی خالو گذشتہ،
 نظر برین کہ مرا بہ چشم کم خواہد دید، در حویلی امیر خان
 مرحوم سکونت اختیار کردم و بہ لطائف المیل
 بسر بردم“ (۱)

جب خان آرزو نواب شجاع الدولہ کے یہاں چلے گئے تو میر نے اپنے
 طنز کے سبب تیر ختم کر دیئے :

”و خالوی من باد یہ پیما فی طمع شد در لشکر شجاع الدولہ
 بہ این توقع رفت کہ برادران اسحقی خاں شہید آبخا
 ہستند نظر بر حقوق سابق رعایتی خواہند کرد جز باد
 بدستش نیامد۔ لکہ زمانہ خورد وہم آبخا مرد“ (۲)

حافظ محمد حسن نے آرزو کو میر کے خلاف خط لکھا جس میں غلط
 بیانی سے کام لیا اور میر کے خلاف خوب بھڑکایا۔ میر نے اس خط کا
 ذکر اپنے تذکرے میں کیا ہے :

”میر تقی فتہ روزگار سمت زہار بہ تربیت او نباید
 پرداخت و در پردہ دوستی کار خس باید ساخت آن
 عزیز دنیا دار واقعی بود، نظر خصومت ہمیشہ زادہ خود،
 بدین اندیشید چہ بیان کنم کہ ازو چہ دیدم چلویم
 کہ چہ حالت کشیدم، ہر چند پنبہ دہانی نمی خواستم، اما
 سلاخی نمی گذاشت، خصمی او اگر بہ تفصیل بیان کردہ۔“

(۱) ذکر میر ص ۶۴

(۲) ایضاً

دفتری جدا گانہ می باید، خاطر گرفتہ من گرفتہ ترش،
 سودا کر دم، دل تنگ تنگ تر گردید، وحشتی پیدا کر دم (۱)
 میسر کے بیان کے خلاف ایسی بہت سی شہادتیں موجود ہیں جن سے
 ثابت ہوتا ہے کہ میر نے آرزو سے کسب فیض کیا تھا۔ میر حسن نے
 اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ :-

”میر برادرزادہ سراج الدین علی خان آرزو ہم از شاگردان
 ادست؛“

قائم لکھتے ہیں کہ :

”میر در خدمت خان آرزو کہ خالوی او بود تختی دانش
 اندوختہ“ (۲)

گلشن سخن میں لکھا ہے کہ :

”میر تقی میر شاگرد سراج الدین علی خان آرزو است“
 مسرر الطف علی نے لکھا ہے کہ :

”میر نے خان مذکور کے فیض صحبت سے نظم رنختہ کی کیفیت
 باریکیوں کے ساتھ اکٹھا کی ہے“

سعادت خان ناصر نے ”تذکرہ خوش معرکہ زیبا“ میں میر اور
 آرزو کے تعلقات پر زیادہ تفصیل سے لکھا ہے ۔

میر یہ نقل خود فرماتے ہیں کہ عنقوان جوانی میں جو خوش
 واستیلائے سودا طبیعت پر غالب ہوا اور کام و دہن

(۱) مجمع النفائس ص ۱۰۱

(۲) سخن نکات ص ۲۱

ہرزہ گوئی پر اغبا ترک ننگ و نام رسوائے خاص و عام پسند آئی ہرگی
 کو دشنام دینا شعرا اور سنگ زنی کا رویہ تھا خان آرزو نے کہا کہ اے
 عزیز دشنام موزوں دعائے ناموزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے
 سے تقطیع شعر خوشتر ہے چونکہ مزدنی طبع جو ہر ذاتی قبیحہ دشنام زبان تک
 اُمّی مصرع یا بیت ہو گئی بعد اصلاح دماغ و دل کے
 مزہ شعر گوئی کا طبیعت پر رہا کبھی کبھی دو چار شعر جو
 خان آرزو کی خدمت میں پڑھے پسند فرمائے اور تاکید
 شعر دشمن زیادہ سے زیادہ کی۔ ایک دن خان آرزو
 نے کہا کہ آج مرزا سودا اپنا یہ مطلع نہایت مباحثات کے
 ساتھ پڑھ گئے :

چمن میں صبح جو اس جنگجو کا نام لیا صبا نے تیغ کا آبِ رواں سے کام لیا
 میر نے اس کو سنکر فوراً یہ مطلع پڑھا :
 ہمارے آگے ترا جب کسوں نے نام لیا دل ستم زدہ کو ہم نے تھما تھما لیا
 خان آرزو اس کو سنکر اچھل پڑے اور کہا خدا جیسم بد سے محفوظ
 رکھے

اس کے علاوہ میر اور خان آرزو کی تصانیف کا باہم مقابلہ
 کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ آرزو کی صحبت سے فائدہ اٹھایا ہے
 اور ان کی استعداد و قابلیت بڑی حد تک آرزو کی رہنمائی سے
 میر نے بعض الفاظ اور ترکیبیں ایسی استعمال کی ہیں جو ان سے قبل
 بالعموم دوسرے شعرا کے یہاں نہیں ملتی ہیں مثلاً
 طفلانِ تہ باز آوارہ لڑکے جن کے گھر در نہ ہو

بے تہ	بے اصل، بے حوصلہ
بزر آویزی	الٹا لٹکانا، سزا
بزرگیری	چوری
یال و گوپال	کرد و فر
در بائے سنگر وار	غرور
سرسین	بے محل، پیچھے چلنے والا
غنیہ پیشانی	ترش رو
بنی بیچ	فرومایہ
بیشہ جان	نازک مزاج
زخم زن	بے ہودہ گو

مگر یہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کے متعلق آرزو نے چراغ ہدایت میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ فرہنگ جہانگیری، سروری اور برہان قاطع وغیرہ میں بھی نہیں ہیں اور صرف ان کی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہیں میر کے یہاں ان کا استعمال اور اردو کے دوسرے محاورہ دانوں کے یہاں ان کا ہونا اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ میر نے خان آرزو سے کسب فیض کیا تھا

میر اور آرزو کے اختلافات کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے :-

۱۱۔ آرزو کے پاس انہوں نے اور ان کی شاعری نے تربیت پائی۔ مگر میر کی نازک مزاجی غضب کی تھی، غرض کسی مسئلہ پر مگر مکر الگ

ہو گئے“

(۲) محاکر عبدالحق اور صاحب گل رعنا سے تسلیم نہیں کرتے۔

(۳) تذکرہ قاسم نے اس کا سبب میر کی نخوت قرار دیا ہے۔

(۴) خود میر نے اس کا کوئی معقول سبب نہیں لکھا ہے جس کا ان

پر اتنا اثر ہوا کہ وہ زندانی ہو جائیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ میر کی انفرادیت بے انتہا بڑھی ہوئی تھی اور وہ اپنے سوا ساری دنیا کو مدہوش اور بے گانہ سمجھتے تھے۔ ان کو اپنے فن کے کمال کا غیر معمولی احساس تھا:

اگرچہ گوشہ نشین ہوں میں شاعروں میں میر

یہ میرے شعر نے روئے زمین تمام کیا

سارے عالم پر ہوں میں چھپا یا ہوا

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

اسی لیے خان آرزو کی استاد ی کا ذکر انہوں نے مرد تائیا صلعتاً ان کی زندگی تک روا رکھا، اس کے بعد غیر ضروری سمجھ کر اس سے انحراف کیا خان آرزو کی زندگی میں نہ میر نے ان کی کوشکایت کی اور نہ معاصرین نے اس ناخوشگواری کی طرف کوئی اشارہ کیا۔ حدیہ ہے کہ آرزو نے مجمع النفایس میں میر کی بہت تعریف کی ہے:

”افصای و ادلی زمان و زمن و از آن بارگہ کوکب اقبال

شان پیوستہ صاعد مصداً لجلالت رتبہ عالی مرتبہ نائب

انور و زفر کام روای نامداران عالم، و صاحب سیف و قلم

شدند و بی اغراق تکلف کہ نام نامیش در عرصہ شہیت

آب حیات میں نہ

بہمان چہل نیک نامی مشہور و صیت و اخلاق خوش استفاق
دلکش آں جناب در بلاد ربیع مسکون مشہور، بنا بر
کثرت امور مملکت و قلت فرصت بتلاش شعر توجہ
نفرمودند لیکن کمالات سخن دانی و معنی یابی بدیہ و
خوبی ذہن رسا و رفعت طبیعت عالی زاید الوصف
است دفتر ہا باید کہ تحریر نماید، (۱)

رای را بیان آنندرام مخلص

مخلص آرزو کے محدوحین میں سے تھے۔ اور بعد میں شاعری
میں ان کے شاگرد بنے۔ یہ لاہور کے راجہ ہردی رام کھتری کے بیٹے
تھے۔ سب سے پہلے لاہور اور ملتان کے گورنر محمد شاہ اور پھر سرفرد
عبدالصمد خان وزیر اعتماد الدولہ قمر الدین خان کے دکیل بنے۔ آنندرام
نے آرزو کی سرپرستی کی اور ان کو مالی مدد بھی فراہم کی، ان کو
منصب اور جاگیر بھی دلوائی۔ یہ فارسی کے شاعر تھے اور مخلص مخلص
کرتے تھے۔ یہ سب سے پہلے بیدل کی شاگردی میں رہے۔ اس کے
بعد آرزو سے وابستہ ہوئے مخلص م، ۱۱۷ھ / ۱۷۶۱ء میں دارفانی سے
کوچ کر گئے۔ آرزو کے حوالے سے بانکی پور کیٹلاگ ج ۸ ص ۸۲
پر درج ذیل عبارت ملتی ہے جو مجمع النفایس سے ماخوذ ہے
”از حسن و اخلاق و آدمیت و فائش تا کجا نوشتہ آید۔“

باعث بودن فقیر در شاہ جہان آباد دہلی اخلاص اوست
از مدت سہی سال تا الیوم سرشتہ کمال محبت و مودت

را از دست نہ داده، در عنفوان جوانی اشعار خود را از
 نظر مرزا عبد القادر بیدل مرحوم گذرانیدہ از آن
 زمان باین عاجز محذور و مربوط است۔ الغرض دین
 جزو زمان از منتجان روزگار است۔ دیوان شعرد
 انشا و کتب متحدہ دارد

خان آرزو کو فخلص کے اشعار بہت مرغوب تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرے
 مجمع النفایس میں فخلص کے اشعار تقریباً پانچ صفحات پر نقل کئے ہیں
 بردل ماتیرہ روزاں از صف مژگاں صفت
 آنچہ از فوج دکن بر ملک ہندوستان گذشت

دل بتاراج سپاہ مژہ سبز ان رفت دہلی دشورش افواج دکن یا قسمت
 ہر کسی سود بقدر بہت خودی کند عالمی خواہان لعل و من خریدار دلم

حقوق صحبت کل بر تو بیار است ای بلبل
 مبادا در چین غافل در ایام خزاں باشی

ای جلوہ گاہ وادی ایمن بخود منازہ
 آخر دل خراب بیا بان شوق کیست

جای کہ جرم را بکرم باز میدہند
 گر طاعتی نکرده پذیرند در نیست

خوشگو

خوشگو قوم کے ہندو ہیں، یہ نوکری پیشہ تھے، ایک مدت تک دیناداری کے لباس کو ترک کر رکھا تھا اور فراق کی حیثیت سے زندگی گزار رہے تھے۔ مرزا عبدالقادر بیل مرزا افضل سرخوش، حضرت شیخ سعد اللہ گلشن کے فن سے بہت استفادہ کیا۔ یہ مشہور شاعر اور مصنف تھے۔ شعر خوب کہتے تھے اور اشعار میں نازک مضمون باندھا کرتے تھے۔ انہیں اپنے تذکرے سفینہ خوشگو کی وجہ سے بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس میں متقدمین، متاخرین اور معاصر شعرا کے حالات نہایت مفصل بیان کیے ہیں۔ خوشگو نے اس تذکرے کو مکمل کرنے میں تقریباً دس سال ۱۱۳۷ھ/ ۱۷۲۲ء سے ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۲ء تک صرف کیے ہیں ان کا یہ تذکرہ تقریباً نادر شاہ کے حملے کے دوران (۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۸ء) مکمل ہوا۔ نادری حملے کے نتیجہ میں ان کو فوج میں بھرتی ہونا پڑا اور یہ تقریباً آٹھ سال پنجاب میں رہے۔ اس کے بعد ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء میں دہلی واپس آئے۔ سفینہ کو اپنے استاد آرزو کے حضور میں پیش کیا۔ انہوں نے اس پر کچھ حاشیے لکھے اور اس میں دیباچہ کا اضافہ کیا آرزو نے مجمع نفایس میں خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ خوشگو تقریباً پچیس سال تک ان کے رفیق رہے اور انہوں نے اپنی شاعری میں ان کی ہدایات کو مدنظر رکھا۔ خوشگو نے اپنی زندگی کے آخری ایام الہ آباد میں عہدۃ الملک امیر خان بہادر مرحوم کی خدمت میں گزارے۔ نواب نے ان کے لیے دورو پیہ بومیہ مقرر کر دیا تھا جو نواب کی زندگی تک ملتا رہا۔ ان کی انگوٹھی پر یہ تحریر ظاہر کرتی ہے کہ ان کو

آرزو سے کس قدر دلی لگاؤ تھا۔

”آرزو مند وصل او خوشگو“ (۱)

سفینہ خوشگو کے حواشی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرہ کا مسودہ ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۹ء میں خان آرزو کے زیر مطالعہ رہا اور بعض وہ امور جو مجمع النفایس میں نہیں پائے جاتے سفینہ خوشگو سے ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ آرزو نے خوشگو کو خود اپنے احوال زندگی اپنے قلم سے لکھ کر دیے تھے تاکہ وہ اسے اپنے سفینہ میں داخل کر لیں:

فقیر..... در سال ۱۰۹۹ھ ولادت یافتہ ...
غیرانہ کتاب گلستاں و بوستاں و پند نامہ و نام حق و
آہنم در پنج شش سالگی دیگر کتاب فارسی خواند، تا چہار
سالگی بکسب علوم عربیہ اشتغال داشت، غیر از آنکہ
والد مرحوم در ہند گامیکہ از لشکر عالمگیر بگو الیاء آمدہ بودند
در خلل شبہا صد و صد بیت از اشعار معاصرین باد
میدادند ہمہ سرمایہ شاعری من شدہ۔ در عمر چہار دہ سالگی
مراذوقی بہ شعر پیدا کردید و از شہر متفرکہ خاک ثبات
خیز و سرزمین شورا نلیز است، جنون شعر در سر من افتاد
و بعد چند گاہ کہ باز بگو الیاء رفتم دوسہ ماہ بنجد مت
میر عبد الصمد سخن کہ بعلاقہ مشرقی جزیرہ در آنجا تشریف
داشتند اشعار خود گزرا نیدم حسب تقدیر آسمانی میر مرحوم

از گوالیار به اکبر آباد تشریف بردند فقیر مدتی بابیکسی
و تنهایی دمساز بود. اتفاقاً صحبت میر غلام علی احسنی
تخلص دست داد چندی کرب شعر در ایشان نموده
... و این مدت طالب علمی هم بقدر می کرد. بعد از آن

اتفاق رفتن بصحبت دکن افتاد. نارسیده بشکر
واقع غفران پناه عالمگیر روی داد، باز العود احمد خوانده
به گوالیار که وطن اجداد مادری بود رسید. بعد از آن
بتقریبی به اکبر آباد که مسقط الرأس است رسیده
پنج سال کتب متداوله عربیه را پیش مولانا دمنخو و منا
شیخ عماد الدین المشتربه درویش محمد قدس سره گذرانید
و درین بین مشق شعر نیز کرد. اکثر درین ایام صحبت یاران
موزوں مثل شاه عشق و میرزا حاتم بیگ حاتم دمیان
عظمت الله کامل و محمد مقیم آزاد و میاں علی عظیم
خلف الصدق میاں تا صر علی و دیگر صادر و وارد دست
بهم میداد تا اوایل عهد فرخ سیر بتقریب نوکری در
شاه جهان آباد رسیده بخدتمی از خدمات گوالیار متعلق
گردیده شش سال دیگر در وطن بسر برد درین بین
شعر گفتن کم اتفاق می افتاد.

بعد از آن در وقت تسلط سادات بارمه
خدمت مذکور تغیر شد فقیر باز بار دومی بادشاهی که
بتقریب رفع هنگامه نمیکوسیر بود، در اکبر آباد رسید

باز اندر آنجا بخدمت تواریخ نگاری گواہیاری متعلق گشتہ
 و قریب دو ماہ بسر کردہ کہ درین اثنا اختر دولت
 سادات رو بہبوط آورد و فقیر نیز از خدمت مذکور
 معزول شدہ در دار الخلافہ شاہ جہاں آباد رسیدہ قریب
 سی سال است کہ در اینجا می گذارم

نور العین واقف | یہ شرفای پنجاب میں سے تھے۔ ان کے
 باپ یا اجداد بٹالہ کے قاضی تھے۔ بٹالہ مضامانات لاہور میں واقع ہے
 علوم متداولہ سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ یہ فارسی کے شاعر
 تھے اور آرزو کی بہت عزت کرتے تھے اگرچہ ان کو آرزو سے
 ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکتا تھا تاہم وہ ان کے معتقدین میں سے
 تھے۔ وہ بار بار اپنے اشعار آرزو کے پاس اصلاح کے لیے بھیج کرتے
 تھے آرزو مجمع النفایس میں لکھتے ہیں :

”پیش ازین بمعرفت محمد علی تجرّد اخلاص غائبانہ با فقیر
 آرزو بہم رسانیدہ اکثر درخواست اصلاح اشعار خود
 نمودہ۔ و چون این عاصی ناقص را از تربیت خود فرصت
 نیست بخود گمان استادی ندارد و چند بار ابا نمود
 لیکن بسبب آنکہ آن مرد عزیز بسیار بجد شدہ یک
 مرتبہ ہرچہ ہر جا بہ خاطر رسیدہ نوشتہ فرستاد بہم رسیدہ
 کہ اگر چندی دیگر بہمیں وضع مشق بر خود روا دارد گمان دایم
 کہ پیایہ اعلیٰ رسد۔ چون در گوشہ ملک واقع شدہ و بقول
 خودش در تمام عمر صحبت بہ از خودی را لادراک نکر دہ

زطور پیرمناں آنچہ یا نعیم ثبات کلید میکرہ شاید بماحو الہ کندا

مرزا محمد رفیع نام اور سودا تخلص تھا۔ دہلی شہر
کو ان کی شخصیت پر ناز تھا۔ ان کے والد کا نام

مرزا محمد رفیع

مرزا محمد شفیع تھا جو کہ میرزایان کابل میں سے تھے۔ ان کے بزرگوں
پیشہ سپہ گری تھا۔ مرزا شفیع بہ غرض تجارت ہندستان آئے اور ہند
کی خاک نے اُن کو اس طرح تھا ماکہ وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ سو
۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ دلی میں پرورش پائی۔ کابلی درو
کے علاقے میں ان کا گھر تھا، ان کی نشست ایک بڑے پھاٹک پر
رہتی تھی، دہلی کی تنباہی میں وہ پھاٹک بھی تباہ ہو گیا۔ سودا پہلے
سیلمان قلی خان و داد اور پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے یہ خان آ
کے شاگرد نہ تھے لیکن ان کی صحبت سے بہت فائدے حاصل کیے
یہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے۔ آرزو نے کہا مرزا فارسی اب تمہارا
مادری زبان نہیں اس میں تم اس قدر ماہر نہیں ہو سکتے کہ تمہارا کلا
اہل زبان کے مقابلے میں تعریف کے قابل ہو تمہاری طبیعت موزو
ہے، شعر سے نہایت مناسبت رکھتے ہو اس لیے تم اردو میں شعر کہنا کرو
تو کیتائے زمانہ ہو جاؤ گے۔ مرزا کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور دیرین
سال استاد کی نصیحت پر عمل کیا۔ ان کا کلیات بہت مقبول ہے او
اہل علم کی محفلوں میں بہت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے
ان کے قصائد غزل کے مقابلے میں بہت مقبول ہیں شروع کے اردو
قصائد بزرگان دین کی مدح اور اہل دولت کی تعریف میں ہیں

اسی طرح چند فارسی کے قصائد چھپس شنوایاں ہیں، بہت سی حکایتیں اور منظوم لطائف بھی ان کے شاعرانہ فن اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں ایک فارسی کا مختصر سادیوان، نہایت بہترین اور لاجواب غزلیں، رباعیاں، متنازاد، قطعات، تارنخیں، پہیلیاں، واسوخت ترجیع بند اور ایک شعرائے اردو کا تذکرہ ان کی تصنیفات میں شامل ہیں

ایک بہت مشہور لطیفہ سودا اور خان آرزو کی نسبت سے مشہور ہے کہ ایک بار خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ منعقد ہوا جیسا کہ اکثر ہوا کرتا تھا سودا ان دنوں نوجوان تھے انہوں نے یہ شعر پڑھا:

آلودہ قطرات عرق دیکھ جیس کو اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر زمین کو
یا تو لا علمی کے سبب یا ان کی آتش بیانی کے ڈر کی وجہ سے حاضرین
میں سے کوئی نہ بولا لیکن آرزو سے رہا نہ گیا تو فوراً فی البدیہہ یہ شعر
پڑھا جس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سودا کے شعر میں
قدسی عقیدہ کا خیال دھرایا گیا ہے :

شعر سودا حدیث قدسی ہے چاہئے لکھ رکھیں فلک پہ ملک
آلودہ قطرات عرق دیدہ جبین را اختر فلک می نگر دروئی زمین را
مرزا سودا فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور خان صاحب کے کھلے سے لگ گئے
اس شکرے کے ساتھ خوشی ظاہر کی گویا حقیقت میں خان صاحب
نے ان کے کلام کو حدیث قدسی تسلیم کیا ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت
ہوتی ہے کہ اگرچہ سودا آرزو کے شاگرد نہ تھے لیکن آرزو کی محبتوں سے
بہت حد تک فیضیاب ہوتے تھے۔

میر درد | نام خواجہ میر اور درد تخلص تھا۔ ماں کی طرف سے
سلسلہ نسب خواجہ بہار الدین نقشبندی سے

ملتا ہے۔ ان کے والد کا نام محمد نادر تھا، وہ بھی شاعر تھے، عندلیب
تخلص کرتے تھے اور شاہ گلشن سے نسبت ارادت رکھتے تھے اردو کا
بہت مختصر ہے۔ ان کا فارسی غزلیات کا بھی ایک مختصر سادیو ان
ان کو موسیقی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ بڑے بڑے باکمال گانے
والے اپنی تخلیقات اصلاح کے لیے لاکھ سنایا کرتے تھے۔ میر تقی میر
سودا اور مرزا مظہر جان جانا ان کے ہم عصر تھے اور قیام الدین
قائم ان کے شاگرد۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بھی آرزو
صحبوں سے ضرور فیضیاب ہوئے ہوں گے کیونکہ ان کے ہمعصر شعرا جز
کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یا تو آرزو کے شاگرد رہے ہیں اور اپنا کلام
ان کے پاس اصلاح کے لیے لے جاتے رہے ہیں، یا ان کی صحبتوں سے
ضرور استفادہ کیا ہے اس لیے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے
درد بھی آرزو کی صحبتوں سے محروم نہ رہے ہوں گے۔

آرزو اپنے معاصرین کی نظر میں :

آرزو ایسے خوش نصیب ہیں جنہوں نے اپنے معاصرین سے
وافراد تحمین وصول کی ہے۔ یہاں ان کے چند معاصرین کی ان
بارے میں رائے نقل کی جاتی ہے :

۱۔ مہتمم علی خان چشتی کے ذیل میں "مجمع النفایس" میں نقل ہے
"استاد سرایا ارشاد"

۲۔ شاہ آفرین لاہوری کے ذیل میں ”مجمع النفایس“ میں درج ہے :
 ”امام سخنوراں“

۳۔ والد اغستانی ”ریاض الشعرا“ میں لکھتے ہیں کہ امرارو
 وزراء مملکت ان کی عزت و حرمت میں کوشاں رہتے ہیں :
 ”امراء و اعظم دولت پیوستہ در حرمت و مراعات او
 اہتمام می ورزند“

۴۔ ابو حنیفہ کونی کا خیال ہے کہ اگر خان آرزو کو ہندی شاعری
 کا باوا آدم کہا جائے تو محبوس ہے :

”اگر شعرا ی ہندی زبان را عیال خان آرزو گویند می سزد“
 ۵۔ قدرت اللہ قاسم ”مجموعہ لغز“ میں خان آرزو کو ان الفاظ
 میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :

”نسخہ پرداز ایہام گوی میان آبرو و سرآمد سخن سنجان
 خوشنوا میرزا محمد رفیع سودا، و مملکت سخن سازی را یکہ تاز
 مرد خواجہ میر درد، شاعر بی نظیر محمد تقی میر منجمہ فیض
 اندوزان آن گہماں خدیو سخن پرداز می اند“

۶۔ میر تقی میر ”ذکات الشعراء“ میں خان آرزو کی ستادانہ
 استعداد کا اس طرح اعتراف کرتے ہیں :

”شاعر زبردست قادر سخن عالم فاضل تاحال ہجو
 ایشاں بہ ہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ
 بخت در ایران می رود حاصل کمالات او
 شان از حیز بیان بیرون است۔ ہمہ استادان مضبوطا

فنِ ریختہ شاگر دینِ آن بزرگوارند“

۷۔ اسی طرح قائم چاند پوری ”مخزنِ نکات“ میں لکھتے ہیں :

”و بالفعل در فضیلت و کمال فوقش متصور نیست حق تعالیٰ

سلامتش دارد و زیادہ بر این کمالات آن بزرگوار مثل

من ہیچدان چہ نوید کہ شمار قطرہ آب باران نمودن

سیاحت افلاک پیودن است“

۸۔ میر حسن ”تذکرہ شعرائِ اردو میں اظہار خیال کرتے ہیں :

”سرگروہ سخن سنہماں، استاد استادان ... بعد

امیر خسرو چنیں صاحب کمال پُرگو و خوشگو بسا مع

عالمیان نرسیدہ“

اسی طرح یہ بھی ایک عام خیال ہے کہ ذوقِ سخن، نقدِ سخن،

شرحِ سخن اور فارسی زبان شناسی میں ایسا فاضل امیر خسرو سے آرزو

کے زمانے تک ہند کی سرزمین میں کوئی دوسرا نہیں پیدا ہوا، ان کی

تالیفات جو گونا گون موضوعات پر مشتمل ہیں ان کے دانش فضل

اور دقتِ نظری کا بہترین نمونہ ہیں

ایرانیوں کی بے جا برتری : آرزو ہند ستانی تھے اور

انہوں نے فارسی زبان کے مزاج کو پوری طرح سمجھا تھا۔ وہ اس

حقیقت کو بھی پوری طرح سمجھے کہ یہ زبان ہندستان میں چھ سو برس سے

راج تھی اس لیے یہاں کے مزاج سے آشنا ہو چکی تھی۔ یہاں کے

رسم و رواج، جغرافیائی اور تاریخی رجحانات اور لوگوں کے ذہنی رجحان

سے پوری طرح روشناس ہو جانے کے باعث بعض اعتبار سے ایرانی
 فاسی سے ممتاز اور اپنی جگہ اس کی اہمیت مسلم ہو چکی تھی۔
 محمد شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد ان کی زندگی کا دوسرا
 دور شروع ہوا۔ اس دور میں ہندو مسلم کا احساس اور سنی و شیعہ جذبات
 نام کو بھی نہ تھے لیکن ایرانی و ہندوستانی جھگڑے بہت جڑ پکڑ چکے
 تھے اور سوسائٹی پر ایرانی رنگ غالب تھا جس میں انقلاب پیدا
 کرنے کی ضرورت تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی آرزو نے محسوس کر لیا تھا کہ
 ہندوستان کی عام ادبی ذہنیت پر ایرانیوں کی بے جا تبری کا شدید
 احساس حاوی ہے جس نے ہندوستانیوں کی اپنی ذہانت اور قوت
 تخلیق کے سوتے خشک کر دیے ہیں اور اب ہندوستانیوں کے پیچھے
 کچھ نہیں ہے صرف ایرانیوں کی کورانہ تقلید کی جاتی ہے حالانکہ
 یہ چیز لسانیات کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے جب ایک ملک
 میں کسی دوسرے ملک کی زبان غلبہ پاتی ہے تو اس کے ملک کی
 اصل زبان کا یہ حق کسی طرح نہیں چھینا جاسکتا کہ معاشرے کی
 اہم ضرورتوں کے مطابق ایسے الفاظ کو اس زبان میں داخل
 کر لیا جائے جن کے بغیر عمومی زندگی کے مظاہر کے اسباب کم ہو جائیں
 مثلاً لفظ یان، فارسی زبان اس لفظ کی ان لطافتوں سے عاری
 ہے جو یان کے تصور سے ہمارے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اب اگر اس کا
 ترجمہ "برگ تنہول" کر لیا جائے تو یہ ترجمہ لفظی حیثیت سے تو درست
 ہو گا مگر برگ کے لفظ میں جو تلخی کا تصور پایا جاتا ہے، وہ یان کے
 کچے پن کے باوجود اس میں چھپی ہوئی لطافت کا گلا گھونٹ دیتا ہے

اس لیے پان کے لفظ کو اس کی اصلی صورت میں فارسی کے اندر داخل کرنے کا حق ہندوستانی کو ملنا چاہیے اور کسی بھی ایرانی کے لیے ہندوستانی کا یہ حق اتنا ہی مسلم ہو جتنا کہ کسی دوسرے فارسی کے لفظ پر ایرانی کا حق ہو سکتا ہے۔

آرزو پہلے ہندوستانی ہیں جنہوں نے ایران تواری کو ترک کر کے ہندوستان کی تعریف اور ہندوستانیوں کے رسوم وغیرہ کو جواب تک ناقابل التفات سمجھے جاتے تھے واضح کیا، فارسی ادب اور اس کے استبدال کا ایوان جو ابر کے زمانے سے مستحکم ہوا تھا آرزو کے زمانے تک قائم رہا چنانچہ ایرانیوں کی قدرومنزلت اس کے باوجود کہ وہ ہندوستانیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور ان کو برا بھلا کہتے تھے، اس وقت تک باقی تھی۔ ایرانی مسلم الثبوت استاد مانے جاتے تھے اور زبان کے معاملے میں جاہل سے جاہل ایرانی بھی استناد و اشتہاد میں پیش کیا جاتا تھا، اس سوسائٹی کا یکسر قلع قمع کرنا بہت مشکل بار تھی اس ضمن میں آرزو کو عزم راسخ و استقلال سے کام لینا پڑا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے انہوں نے اپنے کو نمایاں کر کے بادشاہ کے تقرب حاصل کیا اور محمد شاہ کے دربار کے ملک الشعراء بنے ملک الشعراء بنے ہی انہوں نے پہلے آئند رام مخلص کے ذریعہ اور پھر خود اس قسم کے خیالات کو مشہر کیا، چنانچہ مٹھرمیں انہوں نے صاف صاف لکھا۔

”تصرف صاحب قدرتان جند در فارسی چرا جائز نباشد“

اس وقت سے ان کی ہر بات سند مانی جانے لگی اور کلام پر سبحان اللہ کا شور مچنے لگا۔ اس کے بعد انہوں نے شعروادب کی بنیا

ہندوستانی چیزوں پر رکھی اور اپنے اشعار میں اکثر ہندوستانی الفاظ استعمال کرنے لگے۔ اس طرح اپنے کمال فن اور استعداد سے ثابت کر دیا کہ ہندی کسی طرح ایرانیوں سے کم نہیں بلکہ استناد و اشتہاد کے لیے ان سے بہتر ہیں کبھی بیدل و امیر خسرو کے تصرفات کو صحیح مان کر بیدل کی عظمت یوں قائم کی۔

”چون از راہ قدرت تصرفات نمایان در فارسی نمود

مردم ولایت و کاسہ لسان آہنا کہ از اہل ہند اند در کلام

این بزرگواری سخن ہا دارند و فقیر در صحت تصرفات صاحب

قدرت ان ہند ہیچ سخن ندارد بلکہ قائل آن ہست“

آرزو کی اس کوشش نے ہندی فضلاء کی علمی

گوششوں کو دھت کر دیا۔ ان کا حلقہ احباب وسیع ہونے لگا۔

ہندوستانی ارباب کمال کے علاوہ خود ایرانی اساتذہ بھی جو

شاہی دربار سے وابستہ تھے ان کی باتوں اور دلائل پر تبول کی ہر

ثبت کرنے لگے اور آرزو درباری شعرا کے سرتاج بن گئے۔ جب ان کے

فضل و کمال کا سکہ لوگوں پر بیٹھ چکا اور تلامذہ کی فوج تیار ہو چکی

اس وقت اعلیٰ سخن کے اس فرمانروا نے بغاوت کا علم بلند کیا اور

اس کے حریف مقابل شیخ علی حزمین سے جنگ طعمری شیخ نے ایران نوازی

اور اپنی عالی منصبی کے زعم اور ہندوستانیوں سے نفرت کے جذبے میں

دریدہ دہنیوں اور ہجو کو سپر بنایا۔ لیکن اب انقلاب کی زمین تیار

ہو چکی تھی اس لیے لوگ ان کے دشمن ہو گئے کشمیریوں نے ہجو کشمیر کا

بدلہ لیا۔ ثبات نے اپنے باپ کی ذلت کے انتقام میں حزمین کے دیوان

سے تقریباً پانچویں ایسے اشعار نکالے جن کے مضامین شعرائے متقدم کے کلام سے ماخوذ تھے۔ امراء شیخ کے پہلے سے ہی دشمن تھے تاہم وہ بھی ان کی گالوں کا نشانہ بن چکے تھے، چنانچہ انہوں نے بھی حزمین پر ”تنبیہ الغافلین“ لکھ ڈالی جس میں شیخ کے تقریباً چار سو اشعار پر نکتہ چینی کی اور یہ اعتراضات اپنے تلامذہ کو زبانی یاد کرائے شیخ جہاں جاتے وہ اعتراضات سنا کئے جاتے۔ شیخ بگڑتے، گالیاں دیتے۔ یہ چیز آرزو کے مقصد کے حصول کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی اور ہندوستانیوں میں ایرانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا کہ شیخ کا دہلی میں رہنا دشوار ہو گیا اور وہ

وہاں سے نکل گئے۔ ایک ہندوستانی شہزاد کا یہ دلیرانہ اقدام اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ لوگوں کی نظر میں ایرانیوں کی جہالت، ہمدستان سے ان کی نفرت، ان کے سرقوں اور مبلغِ غلم کا پردہ فاش ہو گیا اور روز بروز ان کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں سے گرنے لگی۔

دوسری طرف آرزو نے یہ تدبیر کی کہ ایرانی اساتذہ مثلاً عرفی، ظہوری، طالب آملی، زلالی، خوانساری اور مرزا صاحب وغیرہ کے کمالات کا اعتراف کر کے اپنی بے تعصبی ظاہر کی مثلاً ملا منیر لاہوری کا جواب لکھا اور سراج منیر لکھ کر ایرانی اساتذہ کی اہمیت واضح کی۔ قدسی کی استاد دی پرداد سخن دی۔ تذکرہ مدوّن کر کے

ہندوستانیوں کی ادبیت و شعریت کو ظاہر کیا۔ ان تمام تصانیف میں آرزو نے جذبات و ذاتیات کے بجائے اصول کو مد نظر رکھا۔ ان کی جنگ اگرچہ حزمین سے تھی لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایرانیوں کے نقائص

اور سقم کو ظاہر کر کے جنگ کو عالمگیر بنا دیا۔ پھر میں ہندی، لاطینی، یونانی اور عربی زبان میں ایرانیوں کے تصرفات، ایران کے مختلف خطوں میں تلفظ کا اختلاف ان کے یہاں ہندی الفاظ کا استعمال دکھا کر ہندی کا فارسی زبان میں تصرف جائز قرار دیا اور اس کام کی تکمیل آنندرام مخلص سے کرائی۔ مخلص کو شاعری میں محض "برابر فکر او کسی درہنو نیست" کی سند حاصل نہیں تھی بلکہ ان کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ وہ عجائب و غرائب کو بہت پسند کرتے تھے، زبان دانی کے مدعی اہل زبان سے برابر مقابلہ کیا کرتے تھے، ادبی محفلوں میں اہل ایران کے ساتھ تریفانہ گفتگو کرتے اور ان کے کلام پر تنقید کر کے ہندوستانیوں کے کلام کو قابل استناد ثابت کرتے۔

منلیہ سلطنت کے زوال کے وقت فارسی زبان بھی انحطاط کا شکار ہوئی۔ انشا پر دازی میں مختلف قسم کی بحثیں و تنازعات پیدا ہو چکے تھے اسی میں ایک تنازعہ "استعمال الفاظ ہندی در فارسی" کا تھا ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہندی الفاظ کی آمیزش فصاحت میں فرق پیدا کر دیتی ہے، اور دوسری جماعت کا یہ دعویٰ تھا کہ جب ترکی، تورانی، عربی وغیرہ کے ملاپ سے فارسی میں کوئی بد مزگی پیدا نہیں ہوتی تو ہندی جو فارسی کی ہم نسل ہے کیوں اس قابل شمار نہیں کی جاتی۔ اس گروہ کے امام آرزو تھے اور مخلص ان کے پیرو۔ آنندرام مخلص نے آرزو کے ایما سے ہی ایسی کتابیں تصنیف کیں جن میں ہر حیثیت سے ہندوستانیوں کی فضیلت دکھاتے ہوئے فارسی میں ہندی الفاظ کا استعمال جائز قرار دیا۔ مرآۃ الاصطلاح میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وہ اعتقاد، عزیزانِ است کہ الفاظ ہندی در فارسی
آوردن نیست این چیز ہا برای خانان و مبتدیان
مضائقہ دارد، اہل قدرت و استعداد مختار اند۔

اسی طرح کا خیال چمنستان میں ظاہر کیا ہے کہ فارسی میں ہندی
الفاظ کا استعمال قادر الکلام لوگوں کے لیے جائز ہے۔ آرزو
نے بھی سیکڑوں جگہ شمر، مجمع النفائس، چراغ ہدایت، سراج اللغز
وغیرہ میں یہی خیال ظاہر کیا ہے مخلص اور آرزو کی کوششوں کا یہ نتیجہ
ہوا کہ راستہ سیالکوٹی اور آزاد بلگرامی کی "ایران پسندی" کے باوجود
فضلا کے ایک بڑے حصے نے آرزو کا ساتھ دیا اور ایران کی فضاہت اور
اس کے استبداد کی جڑیں ہلا ڈالیں۔ مجمع النفائس سے یہ معلوم ہوتا
ہے کہ جنگ کی اصل بنیاد گیا تھی اور انہوں نے کیونکر ایرانی و ہندوستانی
نزاع کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ایرانیوں کے متکبرانہ برتاؤ کے لیے لکھتے ہیں
"بنایم انصاف مرزا صاحب مرحوم را و الا فلحقیان حال
ایران و صاحبان گنج باد آلود کلام ہندی را سجا طر
نمی آرد۔"

آرزو کی طبیعت میں قدرت نے جلد طرازی، شوخی و ظرافت
اور معقول پسندی کا ایسا مادہ ودیعت کیا تھا جس کے سبب وہ
ہمیشہ ایرانیوں پر غالب اور ان کے اصل رنگ و روپ کو ہمارے
سامنے پیش کرتے رہے۔ ان کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی ایرانی کو فاش
غلطی کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کی رائے سے اتفاق کرتے، پھر ان غلطیوں
تفسیر کر کے اسے احمق ثابت کرتے۔ ایک ایرانی شاعر تازگی نے جس کا

ذکر مجمع النفائس میں ہے) بکثرت غلطیاں کی ہیں، اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

”فقر گوید احوالی زبان دان چنین باشد وائے بھال مردم
شعرا ی ملک دیگر کہ بفارسی سخن رانند، درین صورت
اگر ہزار غلط از ہندی واقع نشود برابر یک غلط اہل زبان
نہ بود“

آرژو نے اساتذہ کی موافقت کر کے، ان پر اعتراض کر کے، اُن پر نقد و جراح کر کے، خود اپنی فروگزاشتوں کو واضح کر کے ایرانی شعر کا جس جس انداز میں مذاق اڑایا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی ہندوستان کی نظر سے گر گئے اور آرژو کی اس کوشش نے سو سائنٹی کا رنگ بدل دیا اور یہ بات ثابت کر دی کہ ہندوستانی کسی حیثیت سے بھی ایرانی اہل زبان سے کم نہیں ہیں۔ یہ شرف اور امتیاز صرف آرژو کو حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے علم و کمال کو اپنے ملک و قوم کی سربلندی کے لیے صرف کیا جس سے فیضی اور ابوالفضل جیسی ہستیاں بھی محروم رہیں۔ ان کے یہاں وہی دربار داری اور خاکہ کشی ہے۔ اس کے برخلاف آرژو کے یہاں اور چیزوں کے ساتھ افسانیت ہے۔ ہندوستان کو وہ اپنا ملک سمجھتے ہیں۔ اپنی پرانی تہذیب کو مقبول بنانے میں سرگردان رہتے ہیں، اپنی شاعری اور ادب کو ہندوستانیوں کی عزت و وقار میں صرف کرتے ہیں اور اپنی تحریروں سے ایرانی کبر و نخوت و غرور کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتے ہیں۔

ذاتی طور پر آرژو پاک مشرب، بے ریا، ہندو، زندہ دل،

یار باش، متواضع، منکر اور باد قار انسان تھے۔ وہ محمد شاہ کے دربار میں جس منصب پر فائز تھے اس کے اعتبار سے ان کو عوام سے میل جول کم رکھنا تھا لیکن اس کے برعکس اگر ایک طرف محمد شاہ اور اسحاق خان شوشتری سے ان کی صحبتیں رہیں تو دوسری طرف وہ اپنے تلامذہ اور عوام سے بھی اسی طرح ملتے تھے۔ عجز و انکسار کا یہ عالم کہ ہر جگہ اپنے کو حقیر، عاجی، ناچیز، عصیان شعار اور خاکسار وغیرہ کے علاوہ کوئی فخریہ لفظ استعمال نہیں کرتے، اپنی تحریروں کو حقیر بتاتے ہیں۔ گوان کا درجہ اساتذہ کا تھا لیکن ہر جگہ اپنے کو ناقص ہی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفتدایان فن کے گرد قدم تک یہی نہیں پہنچ سکتا ہوں۔

آرزو کی زندگی کا منظر غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہو چاہے کہ ان جیسے لوگ دنیا میں قسمت کے ہاتھوں در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے ہی پیدا نہیں کیے جاتے بلکہ خدا ان کو امتحان کے بعد عزت اور بزرگی کی مسند پر بھی بٹھاتا ہے۔

آرزو پایے کے مصنف تھے۔ انہوں نے مختلف موضوعات اردو، فارسی، شاعری، قواعد، لغت اور لسانیات وغیرہ پر بہترین کتابیں لکھیں۔ اپنی کتاب عطیہ کبریٰ میں (۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) اپنی سولہ تصانیف کی فہرست دیتے ہیں؛ مجمع النفایس میں (۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء) ان کی تیرہ تصانیف کا تذکرہ ہے جن میں سے آٹھ وہ ہیں جو عطیہ کبریٰ کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔ بہر حال سی۔ اے۔ ایلوڈی اور مشہر سہلے انور نے ان کی کتابوں کی تقریباً مکمل فہرست دی ہے

اب ہم ان کو سلسلے وار بیان کرتے ہیں

شاعری:

آرزو اپنے بیشتر معاصر شعرا کی طرح اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی شاعرانہ استعداد کا اعتراف خود ان کے معاصر اور بعد کے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ اساتذہ کے وہ اقوال جو ان کی شاعری کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ فتح علی گرو دہلی کہتے ہیں کہ آرزو کا قلم ادب کی بادشاہت میں حکومت کرتا تھا۔ اور ان کی فنی مہارت کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا تھا۔

۲۔ حسین دوست سنبھلی کا خیال ہے کہ آرزو شاعر اور عالم کی حیثیت سے اپنی فنی اور علمی مہارت کے لیے ایک مضبوط ستون تھے۔

۳۔ قیام الدین قائم کہتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں ان سے بہتر شاعر اور عالم کا تصور ناممکن ہے۔

آرزو کی اردو شاعری:

آرزو نے اردو میں شعر لکھ کر اور اپنے شاگردوں کو اردو شاعری کی طرف توجہ دلا کر اردو کا وقار بڑھایا، اسی ضمن میں محمد حسین لکھتے ہیں: ”خان آرزو کو زبان اردو پر وہی دعویٰ پہنچتا ہے جو کہ ارسطو کو فلسفہ اور منطوق پر ہے، جب تک کہ کل منطقی

ارسطو کے عیال کہلائیں گے تب تک اہل اردو خان آرزو
 کے عیال کہلاتے رہیں گے، ان کا دلچسپ حال قابل تحریر
 تھا لیکن چونکہ فارسی تصنیفات کی مہموں نے انہیں کوئی
 اردو میں دیوان نہیں لکھنے دیا، خان آرزو وہی شخص ہیں
 جن کے دامن تربیت سے ایسے شایستہ فرزند تربیت پا کر
 اٹھے جو زبان اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے
 اور جس شاعری کی بنیاد جگت اور دو معنی لفظوں پر تھی
 اسے کھینچ کر فارسی کے طرز اور ادائے مطالب پر لے آئے
 یعنی مرزا جانِ جانان مظہر، مرزا رفیع، میر تقی میر
 خواجہ میر درد وغیرہ (۱)

آرزو کا کلام اردو شاعری کے ارتقا کو سمجھنے کے لیے ایک اور
 تاریخی دستاویز ہے۔ ان کے کلام سے اس دور میں جو محاورات استعمال
 ہوتے تھے ان کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہے۔ قائم چاند پوری نے
 محزن نکات میں ان کے پانچ شعر لکھے ہیں جن میں سے تین وہی ہیں جو
 میر نے لکھے ہیں۔ گردیزی نے ”تذکرہ گردیزی“ میں آٹھ شعر دیے ہیں
 علی لطف نے گلشن ہند میں البتہ دو پوری غزلیں لکھی ہیں بعض
 دوسرے تذکروں میں بھی کچھ جبتہ جبتہ اشعار ملتے ہیں جو ذیل میں نقل
 کیے جا رہے ہیں:

بعد تھے سب خلاف جو اس لب سے ہم سنے
 یہ لعل قیمتی دکھو جمبوٹا نکل گیا

رکھے سیارہٴ دل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے^(۱)

مرے شہرِ خراباقتی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو
پہا رحن کو دمی آب جب اس نے چرس کھینچی^(۲)

مے خانے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نے آج اپنے دل کے پھپھو لے پھڑے

دریا عرق میں ڈوبا تجھ سیم تن کے آگے
موتی نے کان پکڑا تیرے سخن کے آگے

ہرگز نظر نہ آیا ہم کو سخن ہمارا گویا کہ تھا جھپلا وہ من ہر ملن ہمارا

تیسرے دہن کے آگے دم بارنا غلط ہے
انچے نے گانٹھ باندھا سنکر سخن ہمارا

جان پر کچھ تجھ پر اعتماد نہیں زندگانی کا کیا بھوسہ ہے

آٹا ہے صبح اٹھ کر تیری برابر کی کو کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ فاوری کو
اس زندہ خونم سے جب سے لگا ہوں ملنے ہر کوئی جانتا ہے میسری دلاوری کو

کھول کر بندِ قبا کو ملک دل غارت کیا
کیا حصارِ قلبِ دلبر نے کھلے بندوں کیا^(۳)

تجہ زلف میں لٹک نہ رہے دل تو کیا کرے
بے کار ہے اٹک^(۴) نہ رہے دل تو کیا کرے

دریائے اشک اپنا جب سر پہ اوج مارے
طوفانِ نوح بیٹھا گوشہ میں موج مارے

مغانِ مجہست بن پھر خندہ قلقل نہ ہووے گا
مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روویگا

اس زلفِ سیاہ فام کی کیا دھوم پڑی ہے

آئینہ کے گشتن میں گھٹا جھوم پڑی ہے^(۵)

آرزو کے درجِ ذیل اردو شعر کی وجہ نزول اس واقعہ سے معلوم ہوتی ہے
۱-۲۰۱۲۹ ص ۲۱، ایضاً: بزر قبا، ۳، ایضاً: لیا، ۴، ٹک، ۵، ایضاً

حدو انے اپنے تذکرے میں اس شعر کو آرزو کے نام سے اس طرح لکھا ہے اور
سیدنا شہداء اللہ خاں نے اپنی کتاب "دریائے مہافت" میں قرلباشِ غلامِ اُمید کے نام پر اس شعر
کو اس طرح لکھا ہے: اندلِ سیاہ تو بدل دوم پڑی ہے۔ درخانہ آئینہ گنا جوم بری ہے
اور بعض تذکروں میں اس شعر کو معز فطرت کے نام سے لکھا گیا ہے، واللہ اعلم۔

دو شاگردوں میں ایک نوجوان بچپن سے حاضر رہتا تھا،
 حسن اتفاق یہ کہ چہرہ اس کا شک حسن سے ممکن تھا وہ
 کسی سبب سے چند روز نہ آیا۔ ایک دن یہ سربراہ بیٹھے
 تھے کہ وہ ادھر سے گزرا۔ انہوں نے بلایا، شاید
 اسے ضروری کام تھا کہ وہ عذر کر کے چلا گیا انہوں نے
 پھر روکا اور بلا کر یہ شعر پڑھا

یہ ناز ریغسور لڑکپن میں تو نہ تھا کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے؟

آرزو کی فارسی شاعری :

شاعری کی صلاحیت آرزو کو قدرت نے عطا کی تھی اور جیسا کہ
 ایک دانشور سے توقع کی جاسکتی ہے وہ اس خوبی پر پورے اترتے
 تھے۔ ان کا انداز بیان، طرز گفتگو اور شاعرانہ خیالات ان کی
 انفرادیت کے شاہد ہیں۔ انہوں نے نہایت خوبصورت اور ظریف
 زبان میں شاعری کے لباس میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کو
 غزل، رباعی، مثنوی، خمس، ترکیب بند، ترجیع بند اور مقطعات
 وغیرہ میں مہارت حاصل تھی۔ ان اصناف سخن میں انہوں نے طبع آزمائی
 کی اور ایسے کارنامے دکھائے جو آج تک یادگار ہیں۔ ان کی غزلیں
 سلیس اور سادہ الفاظ میں فصاحت کمال کا مرتفع ہیں اور ندرت
 خیال اور آرائش جمال، واردات عشق و معاملات محبت میں بے مثل
 ہیں جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ
 اگر درجن بھر ہندوستانی شعرا کے کلام سے ان کا مقابلہ کیا جائے تو
 آج حیات ہو، ۱۵۰

وہ ان کے پایہ تک نہیں پہنچ سکیں گے جہاں تک جواب گوئی کا تعلق ہے نہایت فخر سے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے جو دیوان دوسرے شعرا کی تقلید میں لکھے وہ حقیقت پر مبنی ہیں اور کوئی شاعر ان کی برابری نہیں کر سکا ہے

خان آرزو بحیثیت غزل گو

آرزو نے بڑی تعداد میں غزلیں لکھی ہیں، یہ غزلیات آرزو کی فنی ہمارت پر دل ہیں، مضامین کے لحاظ سے ان میں تنوع نظر آتا زبان اور بیان کی خوبیاں ان غزلیات کا خاصہ ہیں۔ ان کی غزلیں جذبات نگاری و شیوا بیانی کا لطیف ترین نمونہ ہیں۔ انہوں نے دلکش معانی کو سلیس اور سادہ الفاظ میں فصاحت و کمال کا مرقع بنا کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور فارسی ادب میں ایسی روایات قائم کر دی ہیں جن کی بدولت غزل نے تہذیب و شائستگی اور ترجمانی کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور ہمارے ادب میں روح حیات و نشاط سرمدی بنکر ہر طرف چھا گئی۔ وہ بات کو مفصل بیان کرنا بھی جانتے ہیں اور مختصر کر کے کہنا بھی۔ انہوں نے غزل کے معیار کو بلند کیا، عشق کے بیان میں معاملہ بندی وغیرہ کو شامل رکھتے ہوئے دل کی گہرائیوں میں لاشعوری طور پر چھپے ہوئے جذبات و تاثرات کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے غزل کو سوز دل اور غم الفت دونوں کی صحیح طور پر ترجمان بنانے کی کوشش کی۔ یہاں بھی زبان کی سادگی و بے تکلفی کے باوجود انداز بیان کی نزاکت و دلکشی میں کمی نہیں آنے پاتی، انہوں نے سنگ ریزوں کو ترتیب دیکر موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوشنما

وگراں بہا بنادیا۔ ان کی غزلوں کے کچھ پسندیدہ اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں :-

قیامت بے آوردہ پس از مردن دگر ز جای من ای آسمان چہ می خواہی

محب از سخت جانی فی دلم تنہا شکست
شیشہ را گردن، سہوار دست، خم را پاشکت

چشم بد دور عجب کافر بی ساختہ است
ہندوی زلف ترا تشقہ بہ پیشانی نیست

بحیثیت قصیدہ نگار :

قصیدہ نگاری میں آرزو فارسی کے اساتذہ شعرا کے پیروکار نظر آتے ہیں، ان کے قصائد اپنے پرشکوہ انداز بیان اور رفعت تخیل کے لیے مشہور ہیں۔ ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۱ء میں دہلی میں آگ لگی اور لوگوں نے جہنما کے پانی کو کھول کر اس سے نجات پائی آرزو نے ایک قصیدہ لکھا، جس کے گریز میں نعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قصیدہ کی چند بیت ملاحظہ ہوں :-

بد بلی آں ہمہ آتش فادہ است امثال

کہ شد چو بکورہ حداد مشہر پر ز کال

ز اشتغال ہوا شعلہ بر کشیدہ سری

چنان بہ چرخ کہ در آتش مغل ہلال

رسد بہ خانہ دلہا اگر حرارت آن
 شوند آبلہ رو جملہ شاہدانِ خیال
 بعید نیست ز بیم فتادن آتش
 کشد ز خانہ آئینہ پا اگر تمثال
 کنند غرقہ طوفان نوح اگر عالم
 فرو نشتن آن ہست پیش عقل بحال
 مگر بدادر سد ابر رحمت ایزد
 شفیع ہر دو جہاں خواجہ اللہ خصال
 محمد عربی پادشاہ دریا دل
 کہ سبز کردہ اودہست کشتہ مہ و سال
 چہ جای آتش دنیا کہ از توبہ او
 تمام آتش دوزخ شود فشرده ز گال
 اس کے بعد براق کی تعریف میں لکھتے ہیں:
 قمر میان کو اکب بود سر یع السیر
 بدان جہت کہ مشابہ بہ نعل اوست ہلال
 بخت و خیز فلک راز جای خود برداشت
 چو بھضہ کہ ز شبنم بر آورد پرو بال
 بہ بی نظیری اواز مصور قدرت
 کسی قبول ندارد تجرہ و امثال
 کشد مصور اگر صورتش ز شوخیہا
 بنوک خامہ بر قصہ غیبہ تا سہ سال

آرزو کا ایک اور قصیدہ محمد شاہ کی شان میں اس طرح شروع ہوتا ہے :

چہ موسم است کہ گل گل شگفتہ عارض یار
 ز نشاۃ گلگوں برنگ صبح بہار
 زیر تو رخ تابان ساقیم نشاء
 ز موج بادہ بہر کردہ جامہ زرتار
 چنین کہ جبہ او گل نشان انوار است
 ز خاک درگہ شاہی براں نقادہ غبار
 چہ در درشہ جمشید فر محمد شاہ
 کہ ہست در کف حکمش عنان لیل و نہار
 کند ضیافت اعداش را اگر
 سپہر قاشق شربت کند ز کچھ مار
 شکار کے وصف میں کہتے ہیں :
 تماشاہ اش کہ بود رشک تاج کیخسرو
 سرش فرود نیاید بگنبد دوار
 تفتنگ شاہ کہ از درد دیت دشمن سوز
 دراں نفس کہ شود ہجو برق آتش بار
 زبکہ جذب رطوبت ز طبع دھر کند
 شو چون بحر کماں خشک ابر و رما تار
 نعتیہ قصاید

آرزو کے نعتیہ تصاید بھی قابل توجہ ہیں، ان تصاید سے شعاع
اسلامی سے ان کی والہانہ وابستگی کا اظہار ہوتا ہے :

باشد از عکس ریاحین عالمگیر در آب

بیضہ الوان نوروز است ہر گوہر در آب

بکہ رنگ تازہ گلہای بہاری رنجند

چتر طاء س است گوئی برگ نیلوفر در آب

از چمن پیرائی ابر بہاری دور نیست

گر حباب و موج گرد سنبل و عہد در آہ

ایک اور نعت کے دو شعر درج ذیل ہیں :

ای محمد مرسل ای امیر لولاک برگرد سر کویتو گرد اخلاک

منظور خدا بود ز بس رفعت تو برداشته است سایہ ات را از

آرزو کے غمخس بھی ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہمارے اس

شاعر نے ملاوشتی نیردی کی ایک غزل کی تضمین کی اور اپنے ہاتھ

سے سفینہ خوشگو میں نقل کے لیے خوشگو کو بھیجا تاکہ عزیزوں

دوستوں کے لیے یادگار رہے۔ غمخس یہ ہے :

تو برکنم کہ از تو پیامی مرا بس است

از باغ وصل جلوہ غامی مرا بس است

ورنہ نوم زد درد کلامی مرا بس است

از تو ہمین تواضع عامی مرا بس است

در ہفتہ جواب سلامی مرا بس است

عمری اگرچہ دہشتہ ام حبیبہ جاہ قرب می بیچم از عداوت دوری پناہ قرب
 اکنون چو یافتم کہ بود صعب راہ قرب فی صدر و وصل خواہم و فی پیشگاہ قرب
 ہما ہی تو یک دوسہ گامی مرا بس است

ہر چند العطش زدہ ام بہر آب وصل گردیدہ ام با تشہرست کباب وصل
 قانع بہ جلوہ شدہ ام از حجاب وصل غمخانہ نمی طلبم از شراب وصل
 یک قطرہ باز ماندہ جا می مرا بس است

چون نقش یافتہ گہی در رہ تو ام حیران برنگ ہالہ دمی بر مہ تو ام
 دیدار جو گدای در رخسار تو ام بیہودہ گرد عرصہ جولانگہ تو ام
 گا ہی کرشمہ گا ہی خرامی مرا بس است

ای نرگس تو از مرثہ گردید کج بکلاہ من بندہ ات ہد عوی من آرزو گواہ
 مگذار کار من ز تغافل شود تباہ وحشی بگو بگو سنگ کو بلکہ خاب راہ
 یعنی ز تو نواز شہر نامی مرا بس است

خان آرزو کے شعری کلام کے مجموعے حسب ذیل ہیں:

کلیات

جیسا کہ آرزو نے مجمع النفایس میں ذکر کیا ہے کہ ان کی کلیات
 میں تقریباً تیس ہزار اشعار شامل ہیں۔ بائیں پور میں جو کلیات
 موجود ہے وہ اسی جملے سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ سپرنگر صفحہ ۱۰۰
 میں ہے: "انتخاب از دیوان آرزو" کلیات آرزو کے چند اشعار
 بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں،

قطرہ را دعویٰ انا البحر است چون نفہم حقیقت دریا

صحبت ارباب دنیا نیست جز نقص تمام - کم بود زین و جہتیت جامه پوشیده را

بحرف و صوت می جوئی عبت سر بایه عجزت
معما جز خموشی نیست این جا اسم اعظم را

ندارد یاد ایام جدائی چشم مست او
حسابی نیست در پیش فرنگی سال هجرت را

بید غای پیش نتوان برد در شطرنج دهر
گاه چپا که راست رفتن هست لازم شاه را

تا بر رحمت خوشتر نماید فی المحشر یا قوم قوموا سکارا

فریب اخوش پیران خوردن آرزوستم است
ز روی تحسیر به گفت این سخن پدر مارا

دلیم بدوق اسیری در آشیان خون شد
شود شناخته نعمت دمی که مفقود است

یارب زیاده زین نه پسند می خرابیش
مسکین دل منست دیار فرنگ نیست

شکست پا بنشین آرزو بگوشت فقر که شاه مملکت فقر چون ترنگ است

قسمت ما و تو ای ناهید بخت هم جداست
تشتی الأُنفس ترا، ما را تکلّذ الأَعین است

آرزو از مردم دنیا که کمتر از زنند چشم پوشیدن ترا واجب چه تر است

مخزون بعیش و شاد بغم باشم آرزو نیک و بد زمانه چه بر یک قرار نیست

گدای میکرده دارد چه همت عالی که با دشاه جهان است و با همت نیست

شیخ حرم بدیر است، پیر مغان بسجد دیدیم آرزو را بسیار لا ابا لیت

نگم توبه که از پیر مغان دارم شرم هر کجا رسم حیانت سلمان نیست

زها در اگر فتنه بدردی می عسس امشب بگوی میکرده غوغای دیگر است

کو آنکه نگشته فکرنا نش خلق از پی زیستن هلاکت

به همین عشق تو مقبول عالمی شده ام کدام دل که در او آرزو جای تو نیست

تجربه دهر که دارد شاه هفت اتلیم می گردد
 زمین آزرده را تحت و فلک دیهیم می گردد

که دیده است با این رنگ و جوش کیفیت
 تو باوه خوردی و در اهل بزم هوش نماند

صود پست شد آنجا که بیت خود خواندم
 چنانکه بر سر کس خانه نرسود آید

همه کامل نبورانی رخ دلبر نمی ماند - اگر ماند شبی ماند شبی دیگر نمی ماند

بود مشکل گرانسان نسخه جامع به دست افتد
 کند تا آدمی پیدا فلک بسیار می گردد

تند و پر شور و میه مست ز کهسار آمد میکشان مفرده که ابر آمد و بسیار آمد

بزار سیل روان در کاب اشک منت
 باین شکوه درین دشت گریه نتوان کرد

بکام اهل دول چندی توان بودن
 خوشا کسی که چو گردون زمانه سازد بود

دیوار آدمیت را ره درسم دگر باشد
کہ جز خوشنودی منعم دران سائل نمی‌خواهد

کی بود سیاح دہلی را تمنای دگر
ہست در ہر گوشہ این شہر دنیا ی دگر

شب آرزو بیاد جوانی گریستم دامن برو کشیدہ ز ریش سفید خویش

پای آداب شریعت نیست در سودای عشق
رو ز یغاشو شریک غالب یعقوب باش

نفہم آرزو در دھر جز صاحب کمال این را
کہ چوں بیت الغزل من خلوتی در انجمن دارم

کلیات کا جو نسخہ راہپور میں دستیاب ہے وہ ۱۵۱۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں سب غزلیں ہیں یعنی مستقل اور جوابی دونوں: جو بیس قصیدے، ترکیب بند، ترجیع بند، خمسے، چھوٹی چھوٹی مثنویاں اور مسفرقات باغی پور میں جو نسخہ ملتا ہے اس میں ۱۱۴۰/۱۷۶۱ء میں اس پر نظر ثانی کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ ذخیرہ حبیب گنج فائزہ ۱۱۴۰ء، دانش گاہ علی گڑھ کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔

ذواوین ۲۔ دیوان شیعیائی اثر شیرازی کے دیوان کے طرز پر جو کہ اس زمانے میں ہندوستان میں بہت زیادہ مشہور تھا۔ اس کے نسخہ ذخیرہ حبیب گنج اور کتب خانہ دانش گاہ علی گڑھ میں بھی موجود ہے۔

ب۔ دیوان - سلیم تہرانی کے دیوان کے طرز پر
ج۔ دیوان - بابا فتاحی شیرازی کے دیوان کے طرز پر
د۔ دیوان دکنالی خمندی کے دیوان کے طرز پر شاعر اس دیوان کو صرف دال تک ہی لکھ سکا۔

۳۔ قصیدہ درباغیات و منحسات، ترجیع بند، ترکیب بند وغیرہ
۴۔ **مثنویات** :

۱۔ جوش و خروش :- ملا نوحی کی سوز و گداز کے جواب میں۔
ب۔ شور و عشق : زلالی کی مثنوی محمود وایاز کے طرز پر مثنوی
حکایت ہے۔ اس میں چار ہزار ابیات شامل ہیں (۱)

پرمیروی کہ قدرت داشت سودا	ببازار حلب شد بہر سودا
ہجوم آئینہ در ہر طرف دید	گل حیرانی از دیدار خود چید
شگفت آمد چنان از دولت عکس	کہ خود را کرد گم در کثرت عکس
گرفتش در بعل بیضا قتی تنگ	چنین زد بخود می نیناش بر سنگ
کہ ای دکان بصد خوبی کشادہ	ہمہ عرض متاع حسن دادہ
چہ مصراست اینکہ رو فروشند	ز یوسف بہتری ہر سو فروشند

(۱) مجمع النفایس (خدا بخش لائبریری)

جوابش داد مرد رزداتی چو عقل پیر در پیری جوانی
 کہ اینہا گرمی ہنگامہ تست ہزاران یوسف اندر جامہ تست
 اس کا انتخاب سفینہ عشرت میں موجود ہے
 ج۔ عالم آب :- ظہوری کے ساتی نامہ کے جواب میں جواہرنگر
 کے برہان نظام شاہ ثانی کے لیے لکھی تھی۔ اس کا انتخاب صحف
 ابراہیم میں درج ہے۔

د۔ مہر و ماہ :- یہ ایسی بحر میں ہے جو کہ عام طور پر شنوی میں
 نہیں بہتی ہے۔ یعنی بحر غیر متعارف^(۱)

آدم گل باغست جہان شیطان باشد نا فرمان
 راست براست رقم کردم شاخ سرو قلم کردم
 اس کا نسخہ دانش گاہ پنجاب میں ہے، اس میں چودہ ورق
 ہیں، مہر و وفا کے نام سے اس شنوی کے دو نسخے رامپور میں
 ہیں، فہرست ملی شمارہ ۴۳۲۷، ۴۳۲۸
 عبرت فسانہ :- ایک نامکمل نظم علی قلی سلیم کی قضا و قدر کے
 جواب میں ہے یہ حدیقہ سنائی کی بحر میں ہے۔
 ہر باغی :-

آرزو نے جہاں اور اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے وہیں
 رباعی کے میدان میں بھی وہ پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے بہت سی
 رباعیاں لکھی ہیں، مثال کے طور پر دو رباعیاں یہاں پیش کی
 جا رہی ہیں :-

(۱) مجمع النفایس (خدا بخش لاہوری)

در خدمت بادشاہ چندین چشیدہ
دامن بہ میان برز درہ ازوی امید
نشست شہنشاہ سکندر طالع
بر تخت رواں آئینہ چون خورشید

زیرِ فرزدہ عافیت کہ از دوست رسید
شورِ شکرِ بکا بل و خوست رسید
باغِ بلبِل شدہ است خوشگویی من
تا نامہ زیار من کہ خوشگوست رسید

لغت نویسی :

لغت نویسی میں آرزو کے پایے کو پہنچنا مشکل ہے۔ وہ لغت نویس جو ان سے پہلے اپنی تمام عمر اس کام میں صرف کر چکے تھے، ان کی تصانیف آرزو کے سامنے پھسکی، بے معنی اور کم درجہ کی تھیں۔ آرزو شاعر، نقاد اور عالمِ زبان ہونے کی وجہ سے ان لوگوں پر سبقت لے گئے تھے، ان کی تحقیق، شرحوں اور لفظوں کی تنقید و ترجمانی سے یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ اسلاف کی معتبر معلومات کی طرف توجہ کرنا تفسیرِ اوقات ہی ہو گا۔ انہوں نے کسی فرہنگیں ترتیب دیں۔ سراج اللغات، چراغِ ہدایت فارسی میں اور نوادرِ الفاظ اردو میں بہت مشہور ہیں۔

سراج اللغات
یہ بہت اہم اور ضخیم لغت ہے اور تقریباً چالیس ہزار قدیم فارسی کے لفظوں پر مشتمل ہے۔
سراج بہت ہی مفید ہے۔ اس میں برہانِ فاعل کے الفاظ اور ان کی تفسیر کے ساتھ شامل ہیں۔ بلا کہ میں من

..... یہ لغت ان کے لیے جو قدیم فارسی شعر کو پڑھنے
چاہتے ہیں، بہت اہم ہے۔ ٹیک چند بہار اس کتاب سے بہت
متاثر ہوئے۔ انہوں نے اس سے بہارِ عجم میں استفادہ کیا ہے۔
تکمیل کے پیش نظر آرزو کا بنیادی مقصد فرہنگِ رشیدی اور
برہانِ قاطع کی غلطیوں کی تصحیح کرنا تھا۔ یہ اس کتاب کی سب سے
اہم خوبی ہے اس میں فارسی اور سنسکرت زبان میں بہت مشابہت
بتائی ہے۔ اس سے پہلے قدیم فارسی کے لیے تین مکمل فرہنگیں:
فرہنگِ جہانگیری، فرہنگِ رشیدی اور سروری موجود تھیں اور
کسی دوسری فرہنگ کی اس موضوع پر ضرورت نہ تھی لیکن آرزو
دانشور عالم تھے انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تینوں فرہنگوں کی ترتیب
میں بہت زیادہ غلطیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں فرہنگیں زیادہ
مقبول و متداول نہیں ہوئیں لیکن ان کے برخلاف برہانِ قاطع دو
بار شائع ہوئی اور بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ اس کی شہرت اور
مقبولیت اس بات پر منحصر ہے کہ یہ حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب
ہوئی ہے جس کی وجہ سے الفاظ کی شناخت اور اس کے معنی تک
جلد پہنچنا ممکن ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود برہانِ قاطع بھی تصحیفات
الفاظ اور معنی کے سلسلے سے اغلاط سے بھری ہوئی ہے۔ اور فارسی
ادب کے لیے ہرج مرج کا باعث ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آرزو نے
ایک ایسی فرہنگ کی ضرورت محسوس کی جو ان اغلاط سے یکسر پاک ہو
اس طرح ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء میں آرزو کی انتھک کوششوں اور فرہنگِ
رشیدی اور برہانِ قاطع کی مدد سے یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اس میں

فرہنگ جہانگیری، مجمع الفرس، فرہنگ مونس، فرہنگ قوسی، مویہ الفضلا اور دررغرر، سبھی استفادہ کیا ہے۔ ان فرہنگوں میں سے فرہنگ بو اور فرہنگ قوسی کیا ہیں اور اکثر لغت نویسوں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ آرزو کے ماخذ کم معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ محض جہانگیر کو سمجھئے تو اس میں ترین (۵۳) فرہنگوں سے استفادہ ہوا ہے۔ لیکہ نتیجہ کے اعتبار سے وہ خاصے کامیاب ہیں، انہوں نے اس فرہنگ پر جن مسائل پر بحث کی ہے وہ نہایت درجہ ناقدانہ ہیں، ان سے مصنف کے فن لغت میں غیر معمولی بصیرت کا پتا چلتا ہے۔ لغات کے علاوہ مصنف نے اور دوسرے فارسی متون سے بھی استفادہ کیا ہے لیکن ان کی فہرست زیادہ طویل نہیں، ... ماخذ کی کمی کے باوجود اس کتاب کی ترتیب میں آرزو کی فنی مہارت کا بدرجہ اتم ثبوت ملتا ہے۔ یہ لغت مغربی طرز پر العبای اعتبار سے ترتیب دی گئی، اس کے پہلے حرف کو باب اور دوسرے حرف کو فصل کہلے ہیں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب باوجود اپنی خوبیوں کے بہت زیادہ عام ہو سکی ہے۔ اس لیے کہ اس کے نسخہ کثرت سے نہیں ملتے ہیں اور غلام یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اب تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی ہے ترجمہ سروری کے ضمن میں جو عہد جہانگیری کا شاعر ہے لکھتے ہیں

دو در این فن (فرہنگ) کتابی جامع تراز برہان قاطع

نیت و مستطش فرہنگ جہانگیری و سروری و سرمد سلیمانی
است لیکن بعض تصحیفات بہ ثبوت پیوست کہ تصحیفات
و تحریفات این کتاب زیادہ بر لغات صحیحہ است و کتابی

کہ پارہ تحقیق جو ہر لفظ فارسی در آن باشد غیر از فرہنگ
رشدی نیست و چون این عاجز ہمہ را ملاحظہ نمود، از عدم
تنقیح ہر یک آگاہی یافتہ، ہذا (سراج اللغۃ) را تالیف
نمود، بعد مطالعہ کیفیت تحقیق و تدریق معلوم می شود

و چراغ ہدایت گویا دفتر دوم است از سراج اللغۃ،
طرف آنکہ صاحب بہار عجم کہ یکی از یاران فقیر است، پانزدہ
شانزدہ سال پیش ازین بہار عجم تالیف نمودہ بود۔

فقیر سراج الدین علی کتاب سراج اللغۃ و چراغ ہدایت
خود را با و دادم کہ ہر چہ پسند آید ازین ہر دو کتاب
داخل فرہنگ خود کہ حالا مینویسد، بکند، بیچگاہ نخل درین
امر نہ نمود۔ شنیدہ ام کہ یکی از اہل کشمیر اصطلاحات قدیمہ

و جدیدہ می نویسد و جمیع مرکبات سراج اللغۃ و چراغ ہدایت را

داخل نمود بزیر دامن دیانت بہان تا دیگر می واقف بآن نشود و ہر یکی را

سراج اللغۃ میں مصنف نے برہان کے تمام الفاظ کو نقل کیا ہے

اور جس جگہ اس نے اپنا نظریں غلطی کھنٹی اس پر کھل کر تنقید کی؛ اگرچہ
سراج کا منبع برہان تا طبع تھا لیکن مصنف نے برہان کی طرح شعری
شواہد کا استعمال نہیں کیا۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرہنگ
سے زیادہ علم تنقید کی لغت ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان
کی تحقیق کا معیار کتنا بلند تھا سید محمد علی مولف فرہنگ نظام آئندہ کے

بارے میں اس طرح رقم طرا ہیں :

”و آرزو محقق بزرگ زبان و علوم فارسی است و تیک
چند بہار کہ فرہنگ بہار عجم را فوشہ شاگرد او بود و در
آن عصر فارسی در ہند مثل عربی در مصر قحری (قاچار) ایران
بودہ، علمای ہند ہمہ مشغول موشگافی در فارسی بودہ تا لہیات
مجلل از خود بیا دگار گذاشتند۔ یک خصوصیت آن
زمان این بودہ و تا کنون بہست کہ شعر حال علما بودہ
بر عکس ایران قحری کہ شعر بیچارہ از غافل علمی فہار
و در بازار و در بار افتادہ بود و دوم بہتر از اول نبودہ چون
عصر پہلوی تجدید علوم و جلال ایران است خوب است۔
یک خیابان جدید تہران بنام آرزو و دیگری بنام تیکضہ
نامیدہ شود تا دلیل بر قدر دانی ایران امروز از خدمت
گذاران فارسی باشد“

سراج اللغۃ کی تعنیف و تالیف کے بارے میں لکھتے ہیں :

”اما بعد می گوید ناواقف زبان گفتگو سراج الدین
علی متخلص بہ آرزو کہ چون پس از زبان مبارک محمدی لہان
فارسی را دید کہ افصح لغت است عمر گران ما یہ را صرف تحصیل
آن گردانید و کتابی در حل لغات و کشف معنیات
(مشکلات) این زبان چون فرہنگ رشیدی نہ تنقیح و
تدقیق شعر بسیار در آن بکار بردہ و برہان قاطع کہ جامع
ترین کتب این فن است نیافت لیکن بعضی چیز ہا کلا جہاز

از آن در شریعت سخن فہمی واجب و در این دو کتاب
بسیار بہ نظر آمد خصوصاً در برہان قاطع کہ تصحیف
و تحریف لغات و معانی را بیش از تنقیح دخل است
چنانکہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم شود لہذا بتأید الہی
نسخہ درین باب تالیف نمودم و شواہد و اسناد معانی
را نظر بر آنکہ در فرہنگ جہانگیری و سروری و رشیدی
مردم بود نیاوردم مگر در بعضی مواقع و در اثنای نوشتن
کتابی در این علم نیز بنظر مولف در آمدہ تالیف یکی از
فضلائی شوشترایران موسوم بہ مجد الدین علی
المخلص بہ قوسی بہ دستخط مصنف و آن مسودہ بود کہ از کم
مددی طالع رواج نیافتہ و اختر تداویش نتافتہ
چون اکثر نسخہای او بوی از تحقیق داشت درین نسخہ
درج نمود و بر تحقیقات خویش افزودم و کتب این علم
کہ در تالیف و تصنیف این کتاب در نظر مولف
بود سروری و جہانگیری و رشیدی و مویہ الفضلا و در غرر
و فرہنگ توسی و برہان قاطع و فرہنگ موسی و کشف اللغات
و بعضی از شرح گلستان و مثنوی مولوی وغیرہ بود

حسان آرزو نے سراج اللغات میں برہان جہانگیری اور رشیدی کی
بہت سی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے یہ نامناسب نہ ہوگا
اگر ہم یہاں کچھ الفاظ بطور نمونہ کے نقل کر دیں۔

آقال^(۱): بقاف بوزن پامال در برہان افکنندنی و برکار نیامدنی،
و این خطا است و تصحیف است اما خطا از جهت آنکہ قاف
در فارسی نیامده و تصحیف بدان سبب کہ آخال بخای بمعنی است۔
آماج^(۲): بمیم بوزن تاراج در برہان خاکی کہ بہ نشانہ تیر نصب
کنند چہ آماجگاہ جای را گویند کہ نشانہ در آنجا نصب کنند مولف
گوید این عبارت صحیح است مہمل و دلیل مخالف دعوی پس صحیح بمعنی
نشانہ است چہ آماجگاہ خاکی را گویند کہ جمع کردہ نشانہ تیر را بر آن
اگر آرند

ابدام^(۳): بوزن بدنام بمعنی جسم و تن کذا فی البرہان و چون در ہیچ
فرہنگ معتبر نیست ظاہراً از لفظ اذام کہ بمعنی بدن آمد تصحیف کرد
آرغیدہ^(۴): بوزن تغدیدہ در برہان بمعنی غضبناک و خشم آلودہ گفتہ۔
مولف گوید ظاہراً تصحیف است و بہان صحیح از غندہ است۔
بوزن ارزندہ

بادہرات^(۵): باد شمال بدان سبب کہ این باد ہرات اکثری وزر
و شمال ہرات مشہور است و قوسی گوید کہ ہفت ماہ لانیقطہ شمال
در ہرات می سوزد و از عجب عجائب آنست کہ در برہان قاطع در
تفسیر این لفظ نوشتہ کہ "باد ہرات باد شمال را گویند و آن از
طرف مشرق بجانب مغرب است بر خلاف دہود" چرا کہ بدین معنی
صبا است نہ شمال غالباً سہو القلم است

۱۔ برہان قاطع ۵۲ حاشیہ میں آخال دیا ہے (لغت نامہ)
(۲) ایضاً ص ۵۹ (۳) برہان حق ۸۰ حاشیہ میں ہے کہ مویہ الفضل میں بھی اسی معنوں
میں آیا ہے۔ اس کے لیے کوئی مثال نہیں دی ہے ممکن ہے یہ اذام ہو (لغت نامہ)

باغل^(۱): بوزن بابن در برہان جای گاؤ و گو سفند، مولف گوید این خطا است۔

پرنیاں^(۲): بفتح اول و کسرو نون دیبا، منقش در غایت لطافت و در برہان است کہ "پرنیاں بوزن سختیان حریر و دیبای منقش در نہایت لطافت و بعضی بیای ابجد آورده اند و گفتہ اند کہ پوشی بودہ کہ پادشاہان قدیم آنرا بغال داشتند و روزہای جشن پوشیدنی کہ گفتندی کہ جبرئیل این را از بہشت آورده و بعضی گویند جامہ رستم زال بودہ است کہ از پوست پلنگ دوختہ بود و شکل در آن مرقوم بود" و این از اعجب عجائب است زیرا کہ جامہ رستم بہرمان بدویای موحدہ بلکہ سربای موحدہ است و این لفظی است مشہور خاص و عام و در این قسم الفاظ تصحیف کردن دال (دلالۃ) بر کمال قلت تتبع یا عدم نہی یا بی پرواہی تمام است۔

بزلہ^(۳): بفتح اول و لام در برہان سخنان شیرین و لطیف و این غلط است چہ بدین معنی بذال معجمہ است چنانکہ در عامہ فرہنگہا است بلکہ خود نیز در فصل ذال معجمہ آورده و این از عجائب است۔
چکاگ^(۴): بوزن ہلاک در برہان بمعنی پیشانی کہ عرب ناصیہ گویند و قبالہ نویس^(۵) و آل را نیز گویند کہ در او گوہر سوراخ کند، مولف۔
گوید این معلوم نیست کہ صاحب این کتاب را چہ پیش آمدہ کہ این

(۱) برہان قاطع ص ۲۲۳

- (۲) برہان ص ۳۹، حاشیہ میں ہے، پہلوی پرنیکا، تاہم ادیا م ۱۶، اس کا معرب بزنکا (ابن درید) (۳) برہان ص ۲۷، مصحف بذلہ ۶۹، برہان ص ۱۶۰
(۴) برہان ص ۶۵، چکاوہ کے معنی بھی پیشانی کے آئے ہیں۔
(۵) برہان ص ۱۶۸، پرچہ قبالہ نویس کے معنوں میں آیا ہے۔

ہجسم تصحیفات در الفاظ مشہور می کند، بمعنی اول چکا د بدل است
 فی ثانی بصاد پہلہ مشتق از صک کہ معرب از چک است و آن
 نہ صفت است کہ در اصل حرفہ ستعمل شود مثل حداد و رمال مثال
 ن و بمعنی سیوم بجای حطی است و لفظ عربی الاصل۔

یشت : ہجسم غادوم انگشت، در برہان جای کہ انگور دران ریزند
 در تند تا تیرہ آن بر آید مولف گوید کہ این خطا است صحیح خرشت
 ہم فارسی است۔

زگر : بفتح در برہان بمعنی خرمن ماہ دہالہ کہ اغلب تصحیف خرگہ است
 کہ تنہا بدین معنی آمده۔

ال : ہجسم اول۔ در برہان بوزن و معنی زغال کہ انگشت نیز گویند
 میں خطا و تصحیف است بدین معنی برای معجمہ است و زغال و
 ل یکی است کہ غین بکاف فارسی بدلی شدہ و عجب از صاحب
 ب کتاب کہ چنین لفظ مشہور را غلط و تصحیف خواندہ۔

بک : بوزن زریک در برہان غلام بکتر کہ مقبول لیکن تصحیف
 مت صحیح برای ہمد است بمعنی طفل کو چک۔

سیماب : معروف در برہان خیرہ و بی حیا نیز و ظاہر جیوہ را
 معنی سیماب است بہ تصحیف، خیرہ خواندہ۔

برہان قاطع ص ۲۸، اس کے حاشیہ میں ہے کہ خرشت مصحف خرشت ہے
 برہان ص ۶۳، ۶۴ برہان ص ۵۵۹، حاشیہ میں مصحف زکال بیان ہوا
 برہان ص ۱۰۵۱، حاشیہ میں مصحف زریک آیا ہے۔

برہان ص ۱۲۰۹، حاشیہ ہسیم + آب اور ہسم خود میرہ کے معنوں میں آیا ہے،
 زرد دنیا پرستان را منافی میکند پشت و زد باشد یعنی آئینہ بی شیم را با تو

مشتاہ^(۱) : بوزن زگاہ در برہان شنا در ی و آب و زکاد این تصحیف
محض است صحیح بنون است ۔

فریہ^(۲) : بفتح اول دنون در برہان نفرین و لعنت و این تصحیف فریہ
است ۔ بہ تحتانی ۔

قیرہ^(۳) : بکسر نین و ہای ملفوظ در برہان ہر چیز شست و پلید
و این خطا است ۔ صحیح با فاء است و فاف چنانکہ خود نیز آورہ داین از
عجایب است ۔

کبی^(۴) : بوزن صبی در برہان سیاہ نوشتہ و این دو جہ خطا است
بکہ آنکہ بیای فارسی است بہ تازی و دوم آنکہ قید بجا است
کر یخ^(۵) : بضم اول و یای مجهول و غین نقطہ دار در برہان بمعنی گریز
ماخوذ از گریختن و بمعنی پریختن جا نوران پرندہ ہم نظر آید ، مولف
گوید این خطای فاحش است چرا کہ بمعنی گریختن بکاف فارسی است
نہ تازی و این از اعجب عجایب است ۔

کیسریان^(۶) : بیای حلی بوزن میہمان در برہان فداد قربان و این مصحف است
صحیح کہ بان بوزن و بمعنی قربان ۔

ظاہر و حید^(۷) : فرہنگ نظام ، درک : ینا ص ۱۳۲ ج ۲

(۱) برہان ص ۱۷۵ ، حاشیہ میں مصحف "مشتاہ" : شنا = آشنا آیا ہے ۔

(۲) برہان ص ۱۲۷ ، حاشیہ میں مصحف "فریہ" : سراج اللغة بقتل فرہنگ نظام ج ۵

ص ۵۰ "رک فریہ" : برہان ص ۸۷ ، حاشیہ میں رودکی سمرقندی

دلعت فرس ص ۲۵ کی کا یہ شعر شاہد کے طور پر آیا ہے :

دین نژادہ پیر تو مرا خواہ اگر رفت
برہانا و از تو ایند جبار مرا
(۳) برہان قاطع ص ۵۹ ، حاشیہ میں پارس میا نہ بچک از سنا نکرت یک بقمع

یاره^(۱) : بوزن چاره دست برنجن و تلفاف معرب آن و بمعنی طوق کردن
چنانکه در برهان آورده هیچ نسخه بنظر نیامده
خیرو^(۲) : بکسر گل خطمی، فرخی گوید،

تاخوید نباشد برنگ لاله تاخار نباشد بوی خیر و
این است تحقیق قوی و در جهانگیری با اول مفتوح نام گلی
است سرخ و سفید رنگ و دیگر الوان نیز و این خطا است چرا که
خرد بخذف یا و کسر اول بدین معنی آمده و آن مخفف خیر و است
چنانکه سابق ذکر یافت در رشیدی گوید آن گلی است زرد خوشبو.
مولف گوید که از بیت فرخی نوشته ارباب فرهنگ به صورت پوست
که آن گل خوشبوی باشد و حال آنکه آنچه در هندستان آنرا
خیر و خطمی گویند و در دو اها بکار برند، سرخ بی بومی باشد و بفتح
اول شهرت دارد و چنین خیری بفتح اول گلیست دیگر سرخ رنگ
که گلشن کوچک تر از گل خیر و باشد و درجه این تفاوت، هیچ معلوم نیست

بقیه ص ۱۱

- "هو بشمار. ص ۷۷" ورک لافر، سینو - ایرانیکا، ورک: تاوادیا ۱۹۲: ۴
(۵) برهان ص ۱۶۳۴، حاشیه میں گنج گریغ دیا گیا ہے -
(۶) برهان ص ۱۷۵۵ .

(۱) برهان ص ۲۳۱۵

(۲) برهان ۸۰۲، جهانگیری ص ۲۲۶۸: فرخی گوید (لفظ فرس ص ۴۳)

و اغلب که شهرت به غلط باشد و در برهان که به رای منقوطه نیز آورده تصحیف است.

خیبری: بکبر اول و یای معروف در جهانگیری گلی است زرد رنگ که میان آن سیاه بود و آنرا همیشه بهار خوانند و تناری گویند و صاحب رشیدی خیر و دخیری را یکی گفته و حق است که خیری معرب خیر و است کما فی المصراح و عجب از جهانگیری که بمعنی مطلق رنگ سرخ نیز آورده و گل مذکور را زرد گفته و آنچه در هندستان دیده شد آنست که خیری گلی است سرخ رنگ و آن را خطی و خیاری گویند هر چند از درون آن قدری زرد نیم باشد اما سرخی آن غالب است و در برهان است که انواع آن بسیار است یکی از آن سیاه رنگ باشد و آنرا خیری خطای گویند و دیگری بنفش و آنرا خیری هروی و هفت رنگ گویند و دیگر سفید و سرخ است و نیز خیری خرامی گویند و یک نوع زرد است که آنرا خیری شیرازی خوانند و گل همیشه بهار همان است و نیز خیری رواق و ایوان خانه و بدین معنی هم سری بهای هنوز نیر آمده و این بدل است چرا که در فارسی غایبا بدل شوند.

(۱) برهان قاطع ص ۸۰۲ و جهانگیری ص ۲۶۸، منوچهری گوید (دیوان ص ۱۸)

تا گل خیری بود چو روی مصفر تا تن سنبل بود چو زلف مجعد

سنائی گوید: دیوان ص ۸۸۴

باش یا من تازه چو شاه اسیرم تا نگردم به چو خیری دلفگار

زرقشت بهرام شرد و گوید (ارداویرافنامه منظوم ص ۱۸)

ز سر ما گشته چو رخ خیری بر سر برف مانده در اسیری

«اگر عورت را به آب برگ خیری طلی کنند زن بار گیرد، فرخنام ص ۱۴۷»

دوشنه^(۱)؛ بوزن خوشه در جہانگیری بمعنی طرنی کہ در آن شیر دوشند
 رشیدی گوید آن شیر دوشه دگاہ دوشه است نہ تنها دوشه و
 این خطا غلط است چرا کہ دوشه تنها بدین معنی آمده چنانچہ
 سروری وقوسی نیز آورده اند۔ دوشنه با ضافت نون بدین معنی
 کاسہ گر^(۲)؛ بکاف فارسی معروف و نام شخصی کہ قول کاسہ گر مختصره اوست
 و اینکه در بریان نام نوای و قوی گفته محل نظر است و آنچه جہانگیری
 اسناد این معنی آورده دلالت بر مطلوب ندارد، و بمعنی نقارچی و نقار
 نواز چنانکہ در اکثر نسخ است نیز خطا است بدین معنی کاسہ نواز است
 نہ کاسہ گر چنانچہ جوہر لفظ دلالت دارد و در رشیدی کاسہ گر نام مطربی گفته کہ کاسہ گر
 خوبی نواخت و این نیز ظلاف جوہر لفظ است زیرا کہ درین صورت نیز کاسہ نواز
 باید نہ کاسہ گر پس صحیح آنست کہ ظاہر شخصی کاسہ گر خواہد بود
 کہ صاحب سرود آہنگ بود و کاسہ نواز بمعنی آمده چنانکہ صاحب
 بر بیان خود آورده و در جہانگیری نام خطی از ہفت خط جام، و
 در بر بیان نام خط ششم^(۳) از خطوط جام گفته و ظاہر خط کاسہ گر باشد
 نہ تنها کاسہ گر۔

(۱) برہان ص ۸۹۸ و جہانگیری ص ۱۹۹۹ (۲) برہان ص ۱۵۶۶ و جہانگیری ص ۴۲

جہانگیری میں ہے، چہار معنی دارد اول معروف است، دوم نام نوای است
 از موسیقی۔ نجیب چربادقانی۔ حالت سر و چہانت کہ فرتی دارد نفس لیل و آن دبیر کامیہ
 سیف اسفرتی؛ نوبت کبری از فی چوں نبشاط سر او۔ ہجو دما دمہ برہہ کاسہ گر کنی
 سیوم نام خطی است از جملہ ہفت خط و آنرا خط کاسہ گر گویند، چہارم نقارہ نواز
 را گویند، ایک شرمولوی معنوی کاسہ ہے ۵ ہج کاسہ گر کند کاسہ تمام
 بقیہ صفحہ ۱۱۹ بر
 بہرین کاسہ نہ بہر طعام

اس کتاب کے نسخے رامپور، انجن آسیوی بنگال اور دیوان ہند کے
کتا بخانوں میں ملتے ہیں۔
چراغ ہدایت،

چراغ ہدایت ایک مختصر فرہنگ ہے۔ دراصل یہ سراج اللغۃ کا
جلد ہے۔ اس میں ان الفاظ کو لیا گیا ہے جو جامی کے بعد صفوی عہد
کے شعراء کے یہاں مستعمل ہے۔ چراغ ہدایت کی تصنیف کا مقصد ان
آرزد کے نزدیک یہ تھا کہ صفوی عہد کے شعرا کے الفاظ اور فقرات کو
جمع کرے۔ کیونکہ وہ نئے الفاظ جو ایران کے شاعروں نے اپنے یہاں
استعمال کیے تھے ہندوستانی شعرا کے لیے بہت ضروری تھے اور وہ فرہنگ
جہانگیری، مجمع الفرس سروری، رشیدی اور برہان قاطع میں نہیں پائے
جاتے تھے۔ چراغ ہدایت اس جملے سے شروع ہوتی ہے :-

”ابو حمد واضع جمیع لغات و صلوات برا فض و افضل
موجودات۔“ نی گوید فقیر کثیر التقصیر سراج الدین علی آرزد و تخلص الخ
بفہ حاشیہ ۱۔ غافانی دیوان ص ۲۹ و ۱۲۷

نوامی بار بد و ساز بر بوط و خمار طریق کا سہ گرو راہ ارغنون و ستار
کا س بخندید کنز نشاط سحر گاہ کو س بشارت نوای کا سہ گر آرد

و نیز رک : تاریخ تمدن ایران ساسانی ص ۱۴۱

(۳) خط ششم جام کے لئے دیکھئے ”نردینا و تاثیر آں در ادبیات پارسی ص ۲۷۵“

(۱) بلاک مین جے، اے۔ ایس۔ بی۔ ۳۷، پی ٹی، ۱۸۶۸، ص ۲۵۔ ۲۷

نسخہ خطی: ریوا ۵۰۱ بی، iii ۹۹۷، ۷۱، ۱۰۷۰ بی انوینو ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷

انوینو کزن ۵۲۶، بانگی پور ۱۸۷۰، ۸۰۷، ۸۱۹، برلن وغیرہ

چراغ ہدایت میں فارسی کے کم استعمال الفاظ اور مرکبات و مصطلحات شامل ہیں۔ یہ جز و جز و اول سے زیادہ مقبول ہے اس کتاب سے بھی مصنف کی طباعی کا پتا چلتا ہے اس لیے کہ مصنف کے سامنے اس طرح کی کتاب کا دوسرا نمونہ موجود نہ تھا۔ قدیم فرہنگوں جہانگیری، رشیدی، سروری، برہان قاطع وغیرہ مخصوصاً مرکبات کے لغات نہیں ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی جانکاہی اور جانفشانی دکھائی ہے اس نے تمام لغات اور اکثر متون کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کر کے اس کے لیے مواد حاصل کیا اور چونکہ اس لحاظ سے یہ کتاب بہت بے نظیر تھی اس لیے بہت مقبول ہوئی۔ اس کے نسخے بھی عام طور پر ملتے ہیں یہ غیاث اللغات کے حاشیے پر شایع ہو گئی ہے مصنف نے وجہ تالیف بیان کرتے وقت لکھا ہے کہ سراج اللغات کا دفتر دوم دراصل شعرائے متاخر کے مصطلحات پر مشتمل ہے اور چونکہ یہ مصطلحات فرہنگ جہانگیری، سروری، برہان قاطع وغیرہ میں نہیں ہیں اس لیے ان لغات کی مدد سے دواوین کا مطالعہ ممکن نہیں، شعری اصطلاحات اور دوسرے مرکبات جو دواوین میں قدم قدم پر ملتے ہیں وہ کسی فرہنگ میں شامل نہیں، اس ضرورت کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی جس کا مقصد ان لوگوں کی ہدایت تھی جو متاخرین شعرا کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے بلاشبہ یہ نہایت سودمند کتاب ہے جس سے مصنف کی دقیقہ سنجی کا پوری طرح اندازہ ہوتا ہے مصنف نے اپنی اکثر بعد کی کتابوں میں اس لغت سے استفادہ

- کیا ہے خصوصاً مثنوی میں جا بجا اس لغت کے حوالے ملتے ہیں۔
- ۱۔ اس کتاب کے نسخے عام ملتے ہیں۔ کتا بخانہ سفیعیہ، لاہور کے نسخہ پر آرزو کا اپنا ترقیمہ مورخہ ۲۷/۱۱/۱۱۶۰ھ/۱۷۷۷ء کا دیا ہوا ہے۔ ترقیمہ کا عکس نوادر الالفاظ طبع انجمن ترقی اردو کراچی ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کے صفحہ پچاس کے بعد دیا ہے ایک اور نسخہ جو اسی کتابخانے میں موجود ہے ۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء میں نقل ہوا ہے۔ منقول کا مقابلہ ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵ء میں آرزو کے سامنے ہوا اور اس پر آرزو کے دستخط تھے۔ بانکی پور میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ دانش گاہ پنجاب میں ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء اور دیوان ہند میں ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء (صرف نصف آخر) کے نسخے موجود ہیں علی گڑھ کے کتاب خانے میں بھی اسکی کئی نسخے موجود ہیں جن کی فہرست جب ذیل ہے
- ۱۔ چراغ ہدایت ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء دفتر دوم از سراج اللغات کا تب شاہ بہکھاری حسن کلکش ۵۹۱/۵۹۲۹ فارسیہ لغات
- ۲۔ سراج اللغات۔ در بیان لغات و اصطلاحات شعرا متاخرین چراغ ہدایت یونیورسٹی کلکش فارسیہ لغات ۲۱۔ دفتر دوم۔
- ۳۔ سراج اللغات اصل دوم در اصطلاحات قدیم ۲۲۲/۲۷۱۸۲۶
- ج۔ ف۔ ۶۔ حصہ دوم از دفتر اول
- ۴۔ سراج اللغات۔ در بیان الفاظ و اصطلاحات شعرا متاخرین مسلمی بہ چراغ ہدایت نستعلیق۔ دفتر دوم، سیمان کلکش نمبر ۵۶۷/۱۳
- لغات فارسی، ورق ۱۷۶۔ کا تب ثناء اللہ کتابت ۱۲۲۲ھ/۱۸۲۶ء
- ۵۔ سراج اللغات، در بیان لغات و اصطلاحات شعرا

متاخرین مسلمی بہ جرائغ ہدایت " دفتر دوم، ج ۴، کتابت

۱۲۲۸ھ / ۱۸۳۲ء ورق ۱۳۲ -

نوادرا الالفاظ: تصحیح غرائب اللغات^(۱)

نوادرا لفاظ عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغت کی تصحیح

ہے جس میں اردو کے وہ الفاظ ہیں جو فنی اعتبار سے مشکل ہیں اور جن کے متبادل الفاظ فارسی، عربی اور ترکی میں پائے جاتے ہیں لیکن مشہور نہیں ہیں۔ آرزو کی تصنیفات کی قہرست صحف ابراہیم کے برلن کیٹلاگ کے صفحہ نمبر ۶۳ پر درج ہے۔ اس میں ان کی اس تصنیف کا ذکر ہے:

" نوادرا الالفاظ در بیان لفظ ہندیہ کہ فارسی و عربی این شہرت ندارد "

رلیو کے قول کے مطابق آرزو نے ان ہندی الفاظ کو جن کے فارسی اور عربی الفاظ ہندوستان میں رائج نہیں تھے اور نہ ان کو عام طور پر آسانی سے سمجھا جاسکتا تھا پر تجدید نظر کر کے غرائب اللغت کی تصحیح کی، ممکن ہے کہ نوادرا الالفاظ اور غرائب اللغت کا دوبارہ طبع کیا ہوا نسخہ ایک ہی ہو یا دونوں میں بہت زیادہ مشابہت ہو اردو لغت نویسی کے سلسلے میں آرزو کی تالیف نوادرا الالفاظ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا سال تصنیف ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۱ء ہے

(۱) نسخہ خطی = رلیو III، ۱۱، ۱۱، ۱۱، ہائٹی پور ۱۸۳۸ء، انونیوا ۱ سپینٹ ۹۶۹ (۷) علی گڑھ میں ۵۶ نمبر ۱۹۰۲ء

چنانچہ آرزو نے نوادر میں لفظ بیساکھ کے ضمن میں خود تصریح کی ہے :
 دو لیکن تفاوت در بیساکھ و فروردی اتفاق می افتد چنانکہ
 امثال کہ نو روز بست و چهارم محرم ۱۱۶۵ھ واقع شدہ و
 آن غرہ فروردی است و در بیساکھ نوزدہ یا بست روز
 می باید“

نوادر کا سبب تصنیف آرزو نے دیباچے میں خود بیان کیا ہے :
 ”می گوید فقیر حقیر . . . آرزو کہ یکی از فضلاء کامگار
 و علمای نامدار ہندوستان جنت نشان کتابی در فن لغت
 تالیف نموده مسمی بہ غرائب اللغات و لغات ہندی
 کہ فارسی، یا عربی یا ترکی آن مرقوم فرمودہ چون در
 بیان معانی الفاظ تساہل یا ستم بنظر آمد لہذا نسخہ
 در این باب و نیز آن چہ بہ تتبع ناقص این کمال دست
 در می آید بران افزود“

کچھنے کو تو یہ تصنیف غرائب اللغات کی تصحیح و ترمیم ہے مگر ان مفید
 اور عالمانہ تنقیدوں اور اضافوں کو دیکھ کر جن کا ثبوت ہر ہر صفحہ پر ملتا
 ہے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ تالیف اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے
 اور غرائب اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

آرزو نے معنوی اصلاح کے علاوہ غرائب کی ترتیب کو بھی درست
 کیا کیونکہ غرائب میں پہلے حرف کی رعایت تو تھی لیکن دوسرے
 حرف کی رعایت ملحوظ نہ تھی۔ انہوں نے نوادر میں اس سقم کو دور کرنے
 کی کوشش کی ہے آرزو نے غرائب کے سبب الفاظ کو نواد میں شامل کر لیا۔

انہوں نے اپنی طرف سے جن الفاظ کو شامل کیا ہے وہ یا تو کتبِ ہندی (سنسکرت) سے متعلق ہیں یا پھر ترکی اور فارسی کے ایسے الفاظ ہیں جو اردو کا جزو بن گئے ہیں جن کو غرائب کے مصنف نے خالص فارسی سمجھ کر اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح آرزو نے بھی بعض جملوں کا اضافہ کیا ہے جس کی بنا پر نوادر میں مفردات کے علاوہ چند مرکبات اور جملے بھی زیادہ شامل ہو گئے ہیں، اگرچہ ان الفاظ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ایک خاص بات جو آرزو کو فارسی اور اردو کے لغت نگاروں پر فوقیت بخشی ہے وہ یہ ہے کہ علمی وسعت کے علاوہ ان کی معلومات کا بہت سا حصہ علمی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ وہ الفاظ کے مفہوم کے تعین کے لیے صرف عربی و فارسی کی قدیم لغات پر بھروسہ کر لینے کو کافی نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کی دی ہوئی معلومات کو ذاتی تحقیق و رجحان میں سے کٹھنک بجا کر بھی دیکھ لیتے ہیں، اس غرض کے لیے کہ لغت اور ادب کے عام ماخذ کے علاوہ تاریخ اور جغرافیہ کی مستند کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ ملکوں کے طبعی اور مجلسی حالات اور رسوم و رواج کی تحقیق کرتے ہیں۔ زندگی کے دوسرے اطوار کے مطالعے میں ذاتی تجربے کے ذریعہ بھی تحقیق کی روشنی حاصل کرتے ہیں۔ وہ ان سب اخذ سے استفادہ کرنے کے بعد لفظوں کے اصلی مفہوم متعین کرتے ہیں اور قریباً ہم معنی الفاظ کے لطیف امتیازات کو واضح کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جن چیزوں کا تعلق اپنے ملک سے ہے ان کے بارے میں علمی تجربہ اور مشاہدہ و تحقیق سے کام لیتے ہیں اور جو چیزیں ایران، توران سے متعلق ہیں ان کی ماہیت ہندوستان میں آئے ہوئے ایرانیوں

سے دریافت کرتے ہیں۔

آرزو نے نوادر میں بھی توافق کے اصول سے بڑا کام لیا ہے اور
جا بجا اس اصول کے تحت قاعدے بنائے ہیں مذیل میں کچھ الفاظ بیان
کیے جاتے ہیں جن میں آرزو کے نزدیک توافق پایا جاتا ہے۔
کتابی ہندی (سنسکرت) فارسی

ابر	ابھر
اب	اپ
ادہ	اڈا
ارہ	آرا
اسپ	اسو
بہ	بٹا
برجج	برجھی
بوتا	بوٹا
پانہ	پیانہ
پتو	پٹو
پریمہ	پریمیو
پوک	پھونک
تل	تھل
تسخ	تن سکھ
گملو	گملا
جمع	جوا

فارسی

کتابی ہندی (سنسکرت)

جج	جھج
چغل	چھاگل
چپہ	چپو
لاآو	لاآو
چہرہ	چوکرہ
چچو	چوچی
تاک	داک
دلیوک	دینوک
رندا	رند
روم	رواں
ریتہ	رٹھا
خیش	کھیس
گری	گھڑی
قرن	کرن
کوپل	کونپل
گیس	کبیس
گراس	گراں
لار	لیل
انگ	ہینگ

نوادرا لالہ فاظ انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی نے ۱۹۵۱ء

میں شائع کی۔ اس میں مقدمہ ۲۲ پرکراچی اور لاہور کے معلوم نسخوں کی فہرست دی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے نسخے بائیں پور رام پور اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں اور علی گڑھ میں بھی اس کے کچھ نسخے پائے جاتے ہیں جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ تصحیح غرائب اللغات ۱۱۵۷ھ حبیب گنج کلکشن ۵۲ فارغیت خط نستعلیق، ورق ۱۳۵، سطر ۱۹۔

۲۔ تصحیح غرائب اللغات ہندی۔ سبحان اللہ نمبر $\frac{۸۹۱۶۵۵۲۹}{۱۳}$ لغات فارسی۔

۳۔ تصحیح غرائب اللغات ہندی ناقص، سبحان اللہ نمبر $\frac{۸۹۱۶۵۵۲۹}{۱۸}$ لغات فارسی۔

۴۔ نوادر الالفاظ ۱۲۵۶ھ، خط نستعلیق غنیمت، ورق ۱۸۵، سطر ۱۷ سائز ۵x۵، تصحیح و تنقید بر غرائب اللغات مولفہ عبد الواسع ہانسوی یونیورسٹی کلکشن فارسیہ (۵) لغات - ۲۰

۵۔ نوادر الالفاظ ۱۲۱۸ھ، یونیورسٹی ضمیمہ نمبر ۶ فارسی لغات تصحیح و تنقید بر غرائب اللغات مولفہ عبد الواسع ہانسوی۔

۶۔ نوادر الالفاظ بات (تصحیح و تنقید بر غرائب اللغات مولفہ عبد الواسع ہانسوی خط نستعلیق، قطب الدین کلکشن نمبر ۱۱۱ لغات و فرہنگ فارسی، سطر ۱۹، سائز ۵x۶، ورق ۹۲، ورق ۱۲۱، برواق

اول عبارت سید قطب الدین حسن خان مرقوم ۱۲۷۱ھ

۷۔ نوادر الالفاظ ۱۳۲۵ھ خط نستعلیق تصحیح و تنقید بر غرائب اللغات مولفہ عبد الواسع ہانسوی، ذخیرہ احسن $\frac{۸۹۱۶۵۵۲۹}{۱}$ ف لغات

سطر ۲۱، سائز ۲۸ x ۱۲، ورق ۸۸، منقول از نسخہ مملوکہ
صاحب عالم مارہروی، کاتب سید علی ابراہیم خلیل، کتابت ۱۳۴۵ھ
مقام کتابت کا پتہ
زاید الفوائید:

یہ فارسی افعال اور اسم معنی کی فرہنگ ہے جو کہ بہت حد
تک زواید الفوائید سے ملتی جلتی ہے۔ اس کے مصنف عبدالواسع
ہا نسوی ہیں۔ آرزو نے یہ کتاب ہا نسوی کے ہی نمونہ پر لکھی ہے
یہ کتاب قواعد زبان سے بھی متعلق ہے۔

لسانیات:

مشرقا خان آرزو کے لسانیاتی نظریات اور قواعد زبان کے
مسلے میں مثرائیک گراں قدر کتاب ہے۔ آرزو کا یہ بہت بڑا
رنامہ ہے کہ انہوں نے ہندوستانی زبان کی لسانی تحقیق کی
یاد رکھی۔ ہندوستانی فیلا لوجی کے ابتدائی قواعد وضع کیے اور
بانوں کی مماثلت کو دیکھ کر ان کے توافق اور وحدت کا راز
علوم کیا۔ ہرچند موجودہ زمانے کی تحقیق کی وسعت کے پیش نظر
رزو کے بعض خیالات جن کا مٹھریں اظہار ہوا ہے آج لائق
تثنا نہ سمجھے جائیں گے۔ بائیں ہمہ اس کتاب میں اردو، فارسی لسانیات
بارے میں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو آج بھی کارآمد ہیں مٹھر
صل قواعد فارسی سے متعلق ہے جس میں تحقیق الفاظ اور حرف و ہجے

نسخہ خطی: الوئیو آ اسپلیمنٹ ۵۶۹

نسخہ خطی: لاہور، پنجاب یونیورسٹی ادبی ایمل ۱۱۴۲ (دفر دی ۱۱۴۲، ص ۴۳)

کے مختلف استعارات سے بھی بحث کی ہے۔ خان آرزو کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جلال الدین سیوطی کی کتاب مزہر کے طرز پر لکھی گئی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ شیخ کی کتاب عربی لغت سے متعلق ہے اور یہ فارسی لغت ہے۔ لیکن اس کو بھی وہی سمجھ سکتا ہے جو فارسی اور عربی دونوں زبانوں سے واقف ہو۔

”اما دریافت حقیقت این موقوف است بر جامعیت عربی و فارسی و یک فنہ کمتر بہرہ مند از آن می شود“

آرزو کو اگر ہندوستانیوں میں لغت نویسی، امتداد سخن و قواعد فارسی کا موجد و مخترع کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ان سے پہلے ان فنون میں کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ انہوں نے ان تینوں فنون کی ابتدا کی اور کمال کو پہنچا دیا۔ ملا منیر لاہوری نے اگرچہ تنقید کی داغ بیل ڈالی تھی لیکن انہوں نے محض اعتراض کرنے کے طریقہ سے آگاہ کیا تھا، صحیح تنقید کیسی ہونی چاہیے یہ نہیں بتایا لیکن آرزو نے سراج منیر، سراج و ہاج اور داد سخن لکھ کر اس کو بھی بالکل واضح کر دیا ہے کہ تحقیق میں ان کا کیا مرتبہ ہے۔ ٹیک چند بہار ان کو سراج المحققین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ قواعد فارسی میں ان کی دو کتابیں عطیہ کبریٰ و مہبت عظمیٰ موجود ہیں، ان میں بھی ان کا یہی دعویٰ ہے کہ یہ ہندوستان میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایسی کتاب لکھی ہے شمر میں یہی دعویٰ کرتے ہیں:

مصنف متبع می دانند کہ الی الآن درین فن کتابی چنین تالیف و تدوین نباشد و مسائل متفقہ کہ اوائل بعضی از فرنگیہا مرقوم است و در سایل برخی مملوہ در جنب آن حکم عدم دارد چون مولف در فن لغت فارسی متعدد ذہنتہ... اصل علم نمکد زبانی لایلم دادہ

متر میں لفظ فارسی کی تشریح کی گئی ہے اور ان آثار و احادیث سے بحث کی گئی ہے جو زبان فارسی اور فارسیوں سے متعلق ہیں یا معرفت لغت سے اس اصول سے کہ فارسی اور ہندی میں بہت سے الفاظ مشترک ہیں اور ان دونوں زبانوں میں اصول وحدت موجود ہے لغت نگاری کے سلسلہ میں خان آرزو نے فارسی اور ہندی لغت اور ان کی تاریخ سے اپنی کماحقہ واقفیت سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے چنانچہ متر میں ایک موقع پر لکھا ہے :

”تا ایوم ہیچکس بہ دریافت توافق زبان ہندی و فارسی
 با آن ہمہ کثرت اہل لغت چہ فارسی و چہ ہندی و دیگر
 محققان این فن متحد شدہ اند الا فقیر آرزو کسی کہ متبع
 و پیرو این عاجز باشد و این را اصل مقرر کردہ و
 بنائی تصحیح بقوی از الفاظ فارسیہ برین گذاشتہ چنانچہ
 در کتب مصنفہ خود مثل وغیرہ کہ در ہندوستان بودہ اند
 و بیچ لحاظ کردہ اند کہ دریں دو زبان توافق است“
 خان آرزو پہلے شخص ہیں جنہوں نے زبان کے مسئلے کو حل کیا
 اس وقت یہ بحث سامنے تھی کہ اسناد و اشتہاد کیونکر
 کر سکتے ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ زبان کا مسئلہ بہت
 اہم ہے ایران کے مختلف خطے کے لوگ مختلف طرح سے
 تلفظ کرتے ہیں۔ اگرچہ تمام ایرانی فارسی زبان ہی میں
 گفتگو کرتے ہیں، لیکن ہر خطہ کی زبان ایک دوسرے
 سے مختلف ہے شیراز کی اہل ”قزوین و گیلان و خراسان
 کی اور کاشان کی اور۔“

اساتذہ کے یہاں مرنی و خوی غلطیاں موجود ہیں سہی کے اکثر اشعار تنقید

معنوی پائی جاتی ہے۔ خاقانی کے الفاظ وحشی اور غریب ہیں جزیہ کے
 یہاں افعال غلط پائے جاتے ہیں، ایک مثال ملاحظہ ہو جس میں ایسے
 الفاظ جمع ہیں جس سے تنقید معنوی پیدا ہو جاتی ہے :-

غمگین نمی رود کسی از خاک میکده تاہم پیالہ مہ عیدش نمی کنند
 آرزو کی رائے میں لفظ غمگین کی وجہ سے شعر کا مطلب خبط ہو گیا
 اس کے بجائے اگر ہرگز نہ کر دیا جائے تو معنی صحیح ہو جائیں یعنی،
 ہرگز نمی رود کسی از خاک میکده تاہم پیالہ مہ عیدش نمی کنند

ایرانی مختلف مقامات پر رہنے کی وجہ سے فارسی الفاظ کو
 مختلف طریقے سے لکھتے بولتے تھے مثلاً "چراکہ" بفتح و کسر دونوں صورتوں
 سے متعل ہے سخن بضم خا و فتح دونوں طرح جائز ہے۔ خان آرزو کا
 فیصلہ ہے کہ چراکہ بکسر ا فصیح ہے اس لیے کہ یہ مرکب ہے چہ استفہامیہ
 اور لا بمعنی براۃ۔

فارسی الفاظ کے علاوہ ایرانی کبھی عربی الفاظ میں بھی حرکت
 کا اختلاف جائز رکھتے ہیں مثلاً سجدہ ضم کے ساتھ خراسان میں جائز نہیں
 ہے لیکن دوسری جگہ بولتے ہیں جیسے لفظ کافر جسے ایرانی بفتح استعمال کرتے
 ہیں، اسی طرح بعض ساکن الفاظ کو متحرک استعمال کیا ہے، ناخر خسرو
 نے روشنائی نامہ کے خاتمہ پر عفو کو بحرکت لکھا ہے :

اگر سہوی بود در وی عفوکن دریدہ برودہ کارم رار نوکن
 دوسرا اختلاف جو ایرانی جائز رکھتے ہیں وہ تلفظ میں ہے
 یعنی بہت سے الفاظ جو مشد ہیں ان کو مخفف اور جو مخفف ہیں ان
 کو مشد کر دیا ہے جیسے خوش کو رود کی نے مشد و نظم کیا ہے :

ہیا کی گوئی اندر جام مانند گلاب استی - تجوشی گوئی اندر دیدہ بی خواب خواب استی
 ایرانیوں میں اختلاف کی ایک تیسری صورت حذف کی وجہ سے
 بھی رونما ہوتی ہے مثلاً سام نریمان کے بجائے سام نراستمال کیا ہے و
 تو آن بادشاہی کہ گرزندہ بودی زمین بوس دادی ترا سام بن نر
 خان آرزو کے خیال میں نر نریمان کا لقب معلوم ہوتا ہے ورنہ
 اتنے حذف کا کہیں اور نظر نہیں آیا۔ ان سب صورتوں کو
 پیش نظر رکھتے ہوئے آرزو اس بات کو مانتے ہیں کہ زبان کا مسئلہ بہت
 دشوار ہے اس لیے کہ صاحبان زبان بھی مختلف ہیں اور وہ ایک دوسری
 جگہ کے لوگوں کو نہیں مانتے ہیں اسی وجہ سے وہ اس بات کے قائل ہیں
 کہ صاحبان زبان کو خواہ وہ ایرانی ہوں یا غیر ایرانی مستند ماننا
 چاہیے اور اس لیے جمال انجوشیرازی اور سردری کاشی وغیرہ
 نے امیر خسرو کو مستند مانا ہے

عرب سوائے کلام عرب کے اور کسی کی سند نہیں مانتے لیکن رخصتری
 اور صاحب تنقیص المفتاح نے البوہام وغیرہ کے اقوال سند میں پیش کیے
 ہیں۔ ہندوستانیوں کے کلام کا مستند ہونا تو ایک طرف وہ اس بات
 کے قائل ہیں کہ ہندوستانی صاحبان قدرت کو فارسی زبان میں تصرف
 کا حق حاصل ہے۔ ایرانیوں نے عربی، یونانی اور ہندی میں تصرفات
 جائز رکھا ہے۔ اس لیے ہندوستانیوں کا تصرف بھی زبان میں درست
 ہونا چاہیئے، وہ بیدل اور امیر خسرو کے تصرفات صحیح مانتے ہیں اور
 کہتے ہیں کہ ایرانیوں کو ہندوستانیوں پر جو فضیلت ہو سکتی ہے وہ یہ
 ہے کہ ان کا علم سماعی زیادہ وسیع ہے ورنہ علم قیاسی اور کتابی میں ایرانی

وغیر ایرانی دونوں برابر ہیں۔ ایرانی اساتذہ تو باوجود غلطیوں کے قابل استناد ہوں اور ہندوستانی جو کثرت و زرخ و خدمت زبان فارسی کر کے ان کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں کیونکر مستند نہ ہوں اور کیوں تصرفات نہ کریں ہندی الفاظ کے فارسی میں استعمال کے متعلق آرزو کہتے ہیں کہ جب فارسی میں ترکی، عربی، یونانی، ارمنی زبان کے استعمال سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی تو کیا وجہ ہے کہ محض ہندی زبان پر قید لگائی جائے اور وہ استعمال نہ ہوں۔ ہندی الفاظ فارسی میں بے تکلف استعمال ہو سکتے ہیں، اساتذہ کے یہاں اس کا استعمال جائز رہا ہے۔

آرزو نے اپنے اشعار میں ہندی الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ اور جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ آپ اپنی نظیر ہیں۔ انہوں نے ایرانیوں اور عربوں کے تصرفات دکھائے ہیں مثلاً ارسطاطالیس کو جو یونانی زبان کا لفظ ہے حکیم سنائی نے سطا طالیس کر دیا، اصد طراب کے بجائے فردوسی نے صلاب استعمال کیا ہے۔ خاقانی نے علی الروس کو علی الروس ہمزہ کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ یہاں بجائے ہمزہ کے واؤ ہونا چاہیے۔ کہیں ایرانیوں نے عربی الفاظ سے مصادر اور افعال بنا لئے ہیں مثلاً بتیمز دسا لک نیردی کے یہاں موجود ہے طلوعیدن میتیجی کا شمی کے یہاں آیا ہے سیر بصینغہ امر و حال آیا ہے۔ اسی طرح غار تیدن نظامی کے یہاں استعمال ہوا ہے۔ یوں ہی ہمیدن، طلبیدن، اور رقصیدن ایرانیوں نے استعمال کیا ہے جو عربی الفاظ تمینز، طلوع، طلب، نہم، قص غارت سے لیے گئے ہیں۔ آرزو نے اسی خیال کی ترجمانی اپنی کتاب خیابان

میں بھی کی ہے :

”وطلبید ماخوذ از طلبیدن است و آن از طلب کہ
لفظ عربی است از تصرفات فارسیاں است و این
قسم تصرف زیادہ از پنج دہشش کلمہ نیست جنانچہ طلبیدن
و ہمیدن و درقصیدن و غارتیدن بعضی شعرا طلوعیدن

نیز بستہ اند و اہل توران فوجیدن نیز گویند“

بعض ایرانی شعرا اپنے کلام کی بنیاد مضحکہ اور ہزل پر رکھی ہے
اور ناموں سے مصدر بنائے ہیں مفردات کے علاوہ ایرانیوں نے اکثر
عربی مرکبات میں بھی تصرف جائز رکھا ہے جو فاش غلطی ہے مثلاً
نظامی نے الہی سے الف و لام گرا دیا ہے۔ مولانا جامی نے ہم بجائے
الذین کفر و استعمال کیا ہے کبھی یوں بھی تصرف ہوا ہے کہ عربی کی عبارت
میں کچھ زیادتی کر دی ہو، جانی :

زدشہخ شہر طعنہ براحوال حال دل والمرء لانیزال عدد لما جہل
اصل عبارت قول جناب امیر المومنین علیہ السلام یہ ہے :
”المرء عدو لما جہلہ“

ایسی صورت میں حذف اور زیادتی دونوں ظاہر ہے بعض
اتفاقاً تصرف یوں بھی ہوا ہے کہ فارسی کلمات کو عربی کا لباس پہنا دینے
میں اور عربی الفاظ کے احکام ان پر جاری کر دیتے ہیں :

تاہر نوگشت نورافشاں ذوالخورشید بن شد خراسان
کبھی ایرانیوں نے مصدر سے عربی صیغہ بنالیے ہیں
جیسے تراشیدن سے مترش، کشمیر سے تکشمز کبھی ایرانی عربی الفاظ

سے اشتقاق کرتے ہیں مثلاً فلاکت بمعنی فلک اسی طرح ایرانیوں نے ناموں میں تصرف کیا ہے مثلاً ابراہیم بن ادہم کے بجائے وہ محض کہہ جاتے ہیں اور حسین بن منصور کو صرف منصور۔

ایرانیوں کا ہندی الفاظ میں تصرف ملاحظہ ہو شہر متھرا کو متورا کر دیا۔ کبھی ہندی لفظ میں سے کوئی حرف حذف کر دیا مثلاً جھکڑ کو عرفی جکر لکھتا ہے :

آن باد کہ در ہند گر آید جکر آید

اسی طرح ایرانیوں نے گڑ کو گور کر دیا اور راجہ بھوج کو بھو کر دیا۔ یوں ہی بھیم کو بیم کر دیا۔ میر بجلی کاشی نے بھی ہی غدلی کی ہے سنگھ کو جس کے معنی شیر کے ہیں سنگ کا ہم قافیہ کر دیا۔ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ فی الاصل ہندی ہیں لیکن ان سے اور فارسی الفاظ بنائے گئے مثلاً ماری مار سے ماخوذ ہے جو ہندی میں زدن کے معنوں میں آتا ہے۔ صاحب جہانگیری نے اس لفظ کے استعمال سے ناواقفیت ظاہر کی ہے حالانکہ وہ ہندستان میں رہ چکا تھا۔ اور ہندی اور فارسی میں کس قدر توافق ہے اس سے واقف تھا۔ اس تحقیق کا خضر خان آرنڈز کو ہی حاصل ہے چنانچہ لکھتے ہیں :

”دحق آنت کہ تا الیوم بکس را توافق زبان ہندی و فارسی
بایں ہمہ کثرت اہل لغت چہ فارسی و چہ ہندی کسی را نہ

الّا فقیر آرزو عجیب از رشیدی وغیرہ کہ در
ہندوستان بودہ اند و ہیچ لحاظ نہ کردہ کہ درین در
زبان چہ قدر توافق باشد (۱)

ان تمام باتوں سے واضح ہو گیا کہ ایرانیوں کے یہاں غلطیاں
ہیں۔ انہوں نے غیر زبان کے الفاظ بھی اپنے یہاں استعمال کئے ہیں
ان میں تصرفات کو بھی جائز سمجھا ہے۔ ہندوستان کے اشعار کو ایرانیوں
نے سند میں بھی پیش کیلئے، لہذا آرزو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہندوستانی
بھی فارسی زبان میں ہندی الفاظ استعمال کر سکتے ہیں اور ایرانیوں کے
علاوہ غیر ایرانیوں کو بھی مستند مان سکتے ہیں اور فارسی زبان میں تصرفات
کر سکتے ہیں جیسے کہ خسرو اور بیدل نے کیئے ہیں مثلاً خسرو:

او میرود بنانو گرہ می زند بزلف مردن مراست از گرہ او چہ می رود
فسارسی میں از کیہ او چہ می رود بولتے ہیں لیکن امیر خسرو کے صاحب
قدرت ہونے میں کیا شک ہے۔ اور اسی لئے ان کا یہ تصرف بھی صحیح ہے
کہ وہ از کیہ او چہ می رود کے بجائے از گرہ او چہ می رود استعمال کریں:
بیدل: النوید آفتاب عالم تاب

فارسی الفاظ پر عربی الف و لام کا اضافہ کرنا صحیح نہیں
ہے۔ لیکن آرزو صحیح مانتے ہیں ملاحظہ ہو

”چون از راہ قدرت تصرفان نمایاں در فارسی بودہ مردم ولایت و
کاسہ لیسان این مہاک از اہل ہند اند در کلام این بزرگوں سخن ہا دارند

وفقیہ درمحت و تصرفات صاحب تدریس ہند، سچ سخن

ندارد بلکہ قائل است: (۱۱)

مشر اگرچہ نہایت خشک اور مشکل موضوع پر لکھی گئی ہے لیکن آرزو کی عربی میں قابلیت اور اس زبان میں ان کی تحقیق کی آئینہ دار ہے۔ اس میں عربی و فارسی الفاظ کے توافق پر جو عالمانہ بحث کی گئی ہے وہ دیکھنے اور سمجھنے کی چیز ہے۔ اس میں قرآنی آیتوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ جناب پیغمبر صلعم مبعوث تھے جمیع اہم پر ہندو تمام زبانوں کے جاننے والے تھے، اس وجہ سے وہ فارسی بھی بخوبی جانتے رہے ہوں گے اس بحث میں انہوں نے رسول کے اقوال بھی پیش کیے ہیں جن میں فارسی الفاظ موجود ہیں اس کتاب میں علاوہ فارسی لغتوں کے عربی میں امام فخر رازی، قاموس، امام ثعالبی، جلال الدین سیوطی کی عربی عبارتیں نقل کرتے ہیں اور جواب بھی ایک حد تک عربی میں لکھتے ہیں، ان پر بحث کرتے ہیں اور جوابات غلط ہوتی ہے اسے واضح کرتے ہیں، مشر پہلی کتاب ہے جس میں آرزو نے ایرانیوں کے نخوت و غرور کو دھکے لگایا اور ہندوستانیوں کو ان کے فضل و کمال کی بناء پر ایرانیوں کے زمرہ میں شامل کیا ہے یہ کتاب لکھنؤ میں مکمل کی گئی جیسا کہ اس کتاب کے آخر میں درج ہے۔

دائرة المعارف کے مطابق مشر کے نسخے کم ملتے ہیں۔ اس کی رو سے صرف چند جگہ اس کتاب پر نظر کرنے پائے جاتے ہیں۔ ان میں دانش گاہ پنجاب کا نسخہ ناتمام ہے اور مجموعہ کرزن (ابن آسیای بنگال) کے نسخے کی حالت اچھی نہیں ہے۔ لیکن دائرة المعارف کے مولف کو اس بات سے

آگاہی نہیں ہے کہ مثنوی کے دو نسخے علی گڑھ میں ہیں جس میں ایک نسخہ کی حالت بہت اچھی ہے لکھا کی صاف ہے اور دوسرا کبھی اچھی حالت میں ہے اس کے علاوہ ایک نسخہ رامپور میں ہے اس کا خط بھی شکستہ ہے لیکن اس نسخہ کی حالت کافی خراب ہے اور پڑھنے میں بہت کم آ پاتا ہے اس کے علاوہ ایک اور نسخہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی لائبریری میں موجود ہے اور ایک اور نسخہ خانہ فرہنگ ایران میں مرکز تحقیقات میں موجود ہے علی گڑھ میں جو دو نسخے پائے جاتے ہیں ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ مثنوی در علم اصول لغت دہمہ شجاع الدولہ، یونیورسٹی کلکشن ف (۵۵)

لغات ۲۲، خط نستعلیق، ورق ۱۲۵، سطر مختلف

۲۔ مثنوی در علم اصول لغت ۱۲۲۷ھ، خط نستعلیق، ورق ۳۳۶، سطر ۱۵
سائز ۹x۵۔۷

شرح :

بحیثیت نقاد خان آرزو کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ان کی فارسی متن پر تنقیدیں بالکل نئی ہیں اسی لیے نہایت اہم ہیں۔ بلاک مین کے قول کے مطابق آرزو بہترین نقاد تھے جو ہندوستان میں پیدا ہوئے اب ہم آرزو کی تنقیدوں کا مختصراً ذکر کریں گے۔

خیابان^(۱)

یہ سعدی کی گلستان کی شرح ہے اس کے متن میں حوالہ الفاظ اور تاثرات بیان کیے گئے ہیں اس میں ان کے صحیح معنی کا تعین کیا ہے اور ساتھ ساتھ ما مثلاً میر نور اللہ احراری (م: ۳، ۱-۲/۶۷۶) ملا سید تنویر وغیرہ کی شرحوں میں جو تسامح اور تساہل نظر آیا اس کی

(۱) نسخہ خطی، اس پر مگر ص ۴۸۱ میں ذکر کیا گیا ہے۔

تحقیق کی پھر اس پر شرح لکھی۔ آرزو نے تیس (۳۰) سال بعد اس کتاب پر نظر ثانی کی اس میں تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) ابیات ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ محمد شفیع لاہوری کے کتاب خانے میں غیاث الدین رامپوری نے اپنی شرح میں اس سے استفادہ کیا اس کے علاوہ اس کے نسخے جامعہ علیہ السلام کی فا کر حسین لاہوری میں اور علی گڑھ کی لاہوری میں موجود ہیں۔ علی گڑھ کے نسخے کی تفصیل یہ ہے:

خیابان شرح گلستان سعدی ناقص، تعلق، شروح فارسی ہفتمہ
نمبر سبحان اللہ ۵۵۲۵/۸۹۱ ورق ۱۵
شکوہ زار^(۱)

یہ نظامی کے سکندر نامہ کے پہلے حصہ کی شرح ہے اور ساتھ ہی اس پر مفصل تنقید بھی کی گئی ہے۔ اس میں چھ ہزار (۶۰۰۰) ابیات ہیں۔ اس کے دو نسخے رامپور میں ہیں۔ فہرست قلمی شمارہ ۳۹۸۵/۳۹۸۶۔ ملا غیاث الدین نے اپنی شرح سکندر نامہ میں شکوہ زار کو شامل کر لیا یہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اس کا ایک اور نسخہ علی گڑھ کے کتاب خانے میں موجود ہے۔

شرح سکندر نامہ گنجوی سبحان اللہ نمبر ۵۵۲۵/۸۹۱

شروح فارسی

شرح قصائد عرفی^(۲) اس میں ملا منیر اور دوسرے لوگوں کے

(۱) نسخہ خطی پرنسٹن ۴۶، ریو پبلنٹ، علی گڑھ، ص ۲۹، تصفیہ ۱۲۸۲ء پر اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۲) نسخہ خطی: آئی او۔ ڈی۔ پی ۱۲۸۶، ۷، ۱۲۸۶ جی سی ۱۲۸۶

اعترافات کو غلط بتایا ہے اور قصائد عرفی میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ نامانوس عبارتوں کو تازہ عبارتوں میں تبدیل کر کے صحیح معنوں میں اس کی مقبولیت کا تعین کر دیا ہے اور مشکل اشعار کو حل کیا ہے۔

اس میں ۳۰۰۰ تین ہزار ابیات ہیں۔ دائرۃ المعارف میں ”بہار نہر اریث“ درج ہے۔ اس کا ایک نسخہ جسے اشرف بیگ خان دہلوی نے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں کتابت کیا، محمد شفیع لاہوری کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ منقول میں کتابت کی غلطیاں تھیں۔ رامپور میں بھی ایک نسخہ موجود ہے۔ فہرست قلمی شماره ۳۴۱۲ - آرزو نے مجمع النفایس میں لکھا ہے کہ اس نے شرح میں غمت و شبنم کو جدا اور ابواب برکات منیر اور دیگر شارحین کے اعتراضات کو رد کیا ہے۔ علی گڑھ میں نسخہ موجود ہے اس کا نمبر یہ ہے۔

مجمع الشعرا موسومہ سراج منیر بابت ذخیرہ شاہ منیر عالم

بکس ۲ نمبر پف - ورق ۲۲ سطر ۱۵۔

شرح گل کشتی :

یہ میر نجات کی مشہور لیکن مشکل مثنوی کی شرح ہے جس میں کشتی کے فن پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہ مثنوی آرزو کے تذکرہ مجمع النفایس کی تکمیل ۱۱۶۲۱ھ/۱۷۷۰ء کے بعد مکمل ہوئی۔ دائرۃ المعارف ص ۶۲ پر ہے کہ اس کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہوا۔

سراج و ہاج

یہ حافظ کے اشعار کی ایک بے ترتیب شرح ہے یہ ”کشتی شکستگانیم ای باد شرط برخیز“ الخ کے معانی کے بیان میں ایک مختصر سارسا ہے

اس کے نسخے بانگی پور (مخلوط) اور پوہار میں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نسخہ علی گڑھ کے کتاب خانے میں ہے اس کا نمبر اس طرح ہے -
سراج دہاج در حل بیت حافظ، یونیورسٹی نمبر ۱۱۹ فارسیہ ۳، نشر -

تنقید؟

تنقید میں آرزو کی برتری مسلم ہے۔ ان کی غیر معمولی حس اور ذوقِ زیب ان کے منطقی دلائل کے شانہ بشانہ ہیں اور صحیح معنوں میں ان کو نقد بنانے میں مردِ گداز ثابت ہوتے ہیں، بلا مبالغہ وہ کبھی کبھی تنقید کی سطح سے آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ انہوں نے ادبی تنقید کا معیار بہت بلند کر دیا۔

تنبیہ الغافلین

شیخ علی حزیں ان ایرانی علما میں سے ہیں جن کی ہند ستانی فارسی شاعروں کے متعلق رائے نہایت تنقیدی اور ہتک آمیز ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں ہند ستانی عالموں پر زیادہ ناقدانہ تبصرہ کیا ہے۔ حزیں کے ان ناقدانہ تبصروں نے ہند ستانی عالموں کو اپنے علم کی نصحت کو ثابت کرنے پر مجبور کر دیا۔ آرزو ان عالموں میں صفِ اول پر آتے ہیں جو نہ صرف ہند ستانی علمیت کو متوانے کے لیے کھڑے ہوئے بلکہ انہوں نے ایرانی شاعروں اور ادیبوں کے کارناموں پر تبصرے بھی کیے اور اسی سلسلے میں انہوں نے ایک کتاب تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھی ہے جس میں علی حزیں کی فارسی زبان سے متعلق غلطیوں کو اجاگر کیا

اور ان پر کھل کر تنقید کی ہے انہوں نے حزین کے دیوان کا تفصیلی مطالعہ کیا اور ان کے بہت سے اشعار کو سنے کر ان کی غلطیوں پر بحث کی ہے۔ انہوں نے ان زکات کو تنبیہ، التافیلین میں مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ اس کتاب نے مدتوں حزین کی شہرت کو دھکا پہنچایا۔ آرزو کی یہ تنقید اپنے ہی دشمنوں کی وجہ سے زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکی لیکن آرزو کے کئی احباب نے ان کے بکاؤ میں سفار میں لکھے۔ علی قلی والہ داغستانی نے ریاض الشعرار میں ان کی کتاب کے کچھ اقتباسات نقل کیے ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

بہرچہ خواہی بکن از دوری دیدارمگو وحشت آباد سکن خاطر دیرانی را
تہی از وحشت آباد کردن خاطر دیرانی چہ رطف دارد
اگر خاطر جمع یا خاطر آبادی بود گنجایش داشت و اگر گویند
کہ عاشق را با جمعیت خاطر چہ کار گوئیم در این جام عشوق
مخاطب است و خطاب جز در حالت وصل صورت نمی بندد
و جمعیت خاطر در وصل منصور است۔

گر انجان نرا از شبنم نیست جسم ناتوان من اگر می بود با من روی گرمی آفتابش را
در ربط این جزا و شرط حیرانم آنکہ لطف شعر مبتذل است، مرزا
صایب گوید:

از ہمت سمرتاں ہر دراز حزین خضری۔ تنہا نتوان رفتن محوای محبت را

خضر برداشتن عبارت تازہ است خضر از عالم زاد نیست

کہ بردارند و اگر گویند رفیق برداشتن در محاورہ آمدہ گوئیم

بہارہ برداشتن است نہ تنہا برداشتن و بر تقدیر تسلیم خضر در

حکم رفتی نیست یعنی استعمال این لفظ در حق متبوع
جائز نیست

صف مژگان تو گرسایہ بد ریا نکند خار قلاب شود در بدن ماہی ما
اگرچہ لطف صف در مصرع اول ہم زاید است اما در
مصرع ثانی لفظ مایج دغلی در معنی ندارد بل محل اصل
مطلب است چہ مطلب آنست کہ مژگان تو گرسایہ
بد ریا افکند خار در بدن ماہی بسبب خار خار در جذبہ عشق
حکم قلاب ہم رساند درین صورت لفظ ما از طلب آن روی آب افتاد

محمّد حسین آزاد کا بیان ہے کہ حزین نے تنبیہ الغافلین کی تردید
میں ایک رسالہ رحم الشیاطین تحریر کیا جس میں آئندہ کے لیے یہ الفاظ
یکجا از جرگہ حرام زادگان اکبر آباد (۱)

استعمال کیے ہیں یہ رسالہ دنیا کے کسی کتاب خانے کی نہرست مخطوطات
میں مندرج نہیں۔ گمان ہے کہ رحم الشیاطین لکھا ہی نہیں گیا۔ آرزو
تنبیہ الغافلین کی اشاعت کے سالوں بعد تک حزین کی تمام شاعری
اور شخصیت پر عمومی حملے کرتے رہے لیکن تہذیب اور ممانعت
کے لحاظ سے ان کی روش میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا، وہ ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء
کے قریب لکھتے ہیں۔

”بقول شیخ ان کا موجودہ دیوان چوتھا دیوان ہے۔ اس
سے پہلے کے تین دیوان تلف ہو گئے۔ بہر حال یہ دیوان
جو کوئی بار میری نظر سے گزر چکا ہے۔ اس رتبہ کا تہی ہے

جو شیخ اور ان کے حامیوں کا مظلون اور متیقن ہے۔ اگر یہ بھی ان تین دیوانوں کے ساتھ ملحق ہو جاتا تو وہ تمام اعتراضات جو اس پر پہنچے ہیں نہ ہوتے خدا کا شکر ہے کہ ہندستان کے تمام قبائلی حشرات سے بدل گئے ان دنوں شیخ جج اور زیارت عتبات کی غرض سے بنگالے کی طرف سے روانہ ہوئے تھے لیکن عظیم آباد سے واپس آکر بنارس میں جو ہندوؤں کا معبد عظیم ہے فروکش ہو گئے۔

ترسم کہ نرسی بہ کعبہ ای اعرابی کیں رہ کہ تو می روی تبرکتاں است
 تنبیہ الغافلین کا ایک مخطوط دانش گاہ پنجاب میں موجود ہے مگر یہ
 رسالہ صہبائی، تول فیصل میں چھپا بھی تھا۔
احقاق الحق؛

یہ حمزین کی فارسی شاعری پر آرزو کی دوسری تنقید تھی جو کہ کلیات
 صہبائی میں مطبوعہ موجود ہے۔

سراج منیر؛

اس میں سلا منیر لاہوری کے تنقیدی کارنامے کو جس میں ملانے
 عرفی، طالب، زلالی اور ظہوری کے بہت سے اشعار پر اعتراضات
 کیے ہیں آرزو نے ان کو رد کیا ہے۔ اس میں تقریباً دو ہزار بیت ہیں
 اس کے نسخہ دانش گاہ پنجاب اور یا لکی پور میں موجود ہیں،
 داد سخن بارزو نے منظوم سازی اور سبک وغیرہ پر ایک مختصر سا رسالہ مرتب کیا ہے اس
 میں انہوں نے ابوالبرکات نیرم: ۱۰۵۴ھ/ ۱۶۷۱ء کے ایک قصیدے کا تجزیہ کیا ہے اور
 جنس ممکن ہو سکے ہے عادلانہ

۱۔ نرسنگ عوام میں ص ۱۰۱۔ زاد علی آستانہ در انجام دینی در خواہد داشت علی بن علی
 اس بہت و این را ہی کی روی تبرکتاں است از قصہ ایل است کہ شہادتی روزی و مقصود کی رسی

رو یہ اختیار کیا ہے قدسی (م : ۱۰۵۶/۱۶۴۶ء) کے قصیدے کے ہر شعر پر شیدانے جو اعتراضات کیے ہیں اور ان کی خامیوں کا تعین کیا ہے آرزو نے اس پر بھی شرح لکھی ہے۔ شید اقدس کا ہمعصر بھی ہے۔ اس کتاب میں تین ہزار (۳۰۰۰) ابیات ہیں اس کا ایک نسخہ دانش گاہ پنجاب میں موجود ہے۔

قواعد

فن شاعری میں استاد اور ماہر ہونے کی وجہ سے آرزو دوسرے قواعد نویسوں کے مقابلے میں اس صنف کے بہتر استاد تھے۔
عطیہ کبریٰ؛

یہ فن "بیان معنی" پر ایک مختصر رسالہ ہے اور ادبی موضوع پر ہے۔ اس نوعیت کا یہ پہلا رسالہ ہے۔ اس میں تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) ابیات ہیں۔ یہ کتاب ایک دوبار زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہے۔ اس کے دو نسخے دانش گاہ پنجاب میں ہیں اور چار نسخے علی گڑھ کے کتب خانے میں موجود ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ عطیہ کبریٰ سبحان اللہ نمبر ۵۲۲/۵۹۱۷۱ عروض فارسی۔

۲۔ عطیہ کبریٰ سلیمان کلکشن نمبر ۱۱۴/۱۱۴ قواعد فارسی، شامل نمبر

۳۵۶ انشاء فارسی، ورق ۱۰، کتابت ۱۲۵۸ھ۔

۳۔ عطیہ کبریٰ ج ف بیان ۵۱۹۔

۴۔ عطیہ کبریٰ ج ف بیان ۶۸۹۔

موہبت عظمیٰ؛

فارسی زبان میں فن معانی میں مختصر رسالہ ہے۔ یہ مفتاح و تلخیص کے طریق پر آٹھ باب پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک نسخہ ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء کا لیتھو پر چھپا ہوا دانش گاہ پنجاب میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چار نسخے دانش گاہ علی گڑھ میں بھی ہیں علی گڑھ کے نسخوں کی تفصیل حسب ذیل:

۱۔ موہبت عظمیٰ سبحان اللہ نمبر $\frac{۸۹۱۶۵۲۳}{۱}$ معانی دیوان فارسی

۲۔ موہبت عظمیٰ ج ف ۱۲۹

۳۔ موہبت عظمیٰ ج ف معانی ۲۲۱

۴۔ موہبت عظمیٰ حبیب گنج فارسی $\frac{۵}{۱۳۶}$
معیار افکار؛

یہ قواعد پر یک مختصر رسالہ ہے۔ اس میں علم ہجا و نحو فارسی کے بارے میں کافی اہم معلومات درج ہیں۔ اس کا ذکر عطیہ کبریٰ کے شروع میں ملتا ہے۔ لیکن اس کتاب کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گذرا اور نہ ہی کسی دوسرے ذریعہ سے یہ معلوم ہو سکا ہے کہ اس کا کوئی نسخہ موجود ہے۔

مفتاح و تلخیص؛

اس میں تقریباً دو ہزار ابیات ہیں۔

تذکرے

مجمع النفایس؛ اس کتاب کی تکمیل میں آرزو نے انسائیکلو پیڈیا نویس کا حق ادا کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس میدان میں دوسرے

سوانح نگاروں کے مقابلے میں ان کو سلیقت حاصل تھی اس میں انہوں نے تقریباً ایک ہزار سات سو پینتیس (۱۷۳۵) شعرا اور ان کی شاعری کا ذکر کیا ہے، ان پر نقادانہ اشارے کیے ہیں۔ اخلاقی نکات پر مفصل بحث کی ہے اور فارسی زبان و ادب سے متعلق اپنی ناقدانہ رائے بھی دی ہے، دلچسپ حکایات و وقایع بھی بیان کیے ہیں، تاریخی لطائف بھی لکھے ہیں۔ یہ دوسرے تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ ضخیم بھی ہے۔ اس کا آغاز غالباً ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۶ء کے لگ بھگ ہوا۔ اور یہ ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء میں مکمل ہوئی لیکن اس میں ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء تک کے اضافے پائے جاتے ہیں اس کی ترتیب حروف ابجدی کے لحاظ سے ہوئی ہے۔

مجمع النفایس کی تالیف کی تقریب کے سلسلے میں اس کے دیباچے میں آندو اس طرح رقم طراز ہیں :

”می گوید فقیر . . . کہ از تابشیر صبح طفلی تا الان
کہ آفتاب زرد پیریت شوق تمام و محبت مالا کلام بہ
خواندن اشعار فارسیہ دارد . . . سابق مدتی برین
دوا دین و تذکرہ ہا و سخاین و غیرہ کتب بزرگان
نمود . . . روزی در پیش آشنای قدح این حال
بزرگان گذشت کہ خواندہ و نخواندہ ازینسان ما برابر گشت
اتفاقاً آن عزیز بعد دو سہ روز سفینہ ضحیمی . . .

(۱) نسخہ خطی بانجی پور IX / ۸۵ : انونیو ۱۱ سپٹیمبر ۱۹۶۹ء
(۲) دیباچہ دستور انصاف ص ۳۴ بعد

پیش فقیر آوردہ تکلیف کرد کہ حالا ہرچہ از اشعار
استندہ انتخاب شود بریں ثبت باید فرمود . . . شروع
در انتخاب نمود تا آنکہ یک صد دیوان متوسطین و متاخرین
. بانتخاب رسید و در سفینہ مذکور اجزاء دیگر قلمی
گردید و درین بین بخاطر رسید کہ پارہ از حالات این عزیزان
ہم اگر مرقوم شود دور نباشد، لہذا بعضی از تذکرہ ہا
مثل تذکرہ تقی اوحدی و تذکرہ نصیر آبادی و کلمات الشعراء
و تحفہ سامی وغیرہ نیز دیدہ ہرچہ از آنہا خوش آمد بنوشتن
آن پرداختم و بہ جمع النفایس موسوم ساختم و چون غرض
اصلی نوشتن اشعار دلپسند خود است و نوشتن حالات
ضمنی، لہذا در تحقیق آن چند ان نحو شیدہ و در تلامذہ
چند ان نہ دویدہ بیدار تخلص از تلامذہ
فقیر تاریخ اختتام این تذکرہ چنین گفت :

این تذکرہ سخنوران گہبان بی مثل چو بنوشت سراج الدین خان
بیدار باز و چنین کرد رقم گلزار خیال اہل معانی جہان
آرزو کا کہنا ہے کہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ان کو فارسی
اشعار پڑھنے کا بے پناہ شوق تھا۔ اور انہوں نے اپنی زندگی کا خاصا
حصہ دواوین، تذکروں، سفینوں اور نبرگانِ دین کی کتابوں کے
مطالعے میں صرف کیا، ایک روز ایک صاحب نے فرمایا کہ آپ کے
اس طرح کے مطالعے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ عزیز چند روز بعد ہی
ایک ضخیم سفینہ لے کر آرزو کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایش کی

کہ جو کچھ اساتذہ کے اشعار میں سے منتخب ہو اس پر لکھ دیجئے۔ آرزو نے تقریباً ایک سو متاخرین اور متوسطین شعرا کے کلام میں سے اشعار منتخب کیے اور سفینہ مرتب کیا۔ پھر ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ ان شعرا کے حالات زندگی کے بارے میں بھی اگر کچھ لکھ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سے تذکرے مثلاً تذکرہ تقی اوحی، تذکرہ نصر آبادی، کلمات الشعراء اور تحفہ سامی وغیرہ کا دقیق مطالعہ کیا اور جو کچھ ان کو بہتر اور مناسب معلوم ہوا اس کو انہوں نے لکھا اور اس طرح مجمع النفایس کی تکمیل کی۔

مجمع النفایس کی تکمیل کے بعد آرزو کی زندگی میں جو حالات پیش آئے ان کے بارے میں اطلاعات کے لیے ہمیں دو معاصر ماخذ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ پہلا ماخذ باغ معانی ہے جس میں نقش علی رقم طراز ہیں کہ :

”..... و بعد کثرت شدن نجم الدولہ ... بسمت صوبہ اودھ

پیش رکن اسد طنت عالی جاہ شجاع الدولہ بہادر کہ در آن

زماں دایرہ دولت ایشان در پایر گھات من مضافاً

صوبہ اودھ بود آمد چون در آن ہنگام نواب بدفع

ہنگامہ و اطفای نایرہ فتنہ را جبہ بنارس بلوند آن

صوب عازم بودند در انشای راہ در نالہ کرہ کہ دو گردہی

جو نیور واقع است از پہلی سواری بزریر افتاد

استخوان پایش از جا بے جا شد و ضرب عظیم رسید۔ از الم

آن تصدیع بسیار کشید۔ بعد مدتی شفایافت۔ بعد یک سال

سنه ۱۱۶۹ هـ در لکهنؤ حیات مقدسش نہایت انجامید
 ... چون در سفر بنارس اتفاق فرود آمدن فقیر متصل
 ایشان واقع می شد بنا بر انس باین فن و ارتباط بر رگان
 خیلی بر من شفقت می فرمود» (۱)

دوسرا ماخذ غلام علی آزاد بلگانی کا خزانہ عامرہ ہے جس میں وہ
 اطلاع دیتے ہیں کہ :

” در ۱۱۳۲ هـ گوالیار بدار الخلافہ شاہ جہاں آباد آمد
 وصحبت او با آنندرام مخلص بنا بر جنسیت موزونی کبرا
 افتاد مخلص برای او منصبی و جاگیری از سرکار
 بادشاہی گرفت و خدمت بسیاری از خود بتقدیم رساند
 بعد وفات موتسی الدولہ پیر نجم الدولہ نیز

صد و پنجاہ روپیہ در ماہ می رساند و سواى این ہم
 رعایتہا می نمود . او بعد انتقال نجم الدولہ با سالار جنگ
 برادر خورد نجم الدولہ صحبت بر آرد و ہمراہ او از دہلی
 قصد دیار شرتی کرد و در اوایل آخر محرم ۱۱۶۸ هـ بعد ایام
 معدود از دقات صفدر جنگ ناظم صوبہ اودھ و صوبہ
 الہ آباد کہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ هـ در گذشت بہ بلدہ اودھ
 کہ وطن اصلی جد او شیخ محال الدین است ، رسید . .

... بعد ورود بلدہ اودھ بوساطت سالار جنگ
 باشجاع الدولہ خلف صفدر جنگ برخورد و سی و صد
 روپیہ در ماہ مدد خرج ادا از سرکار شجاع الدولہ مقرر شد

و چون وقت انتقال او قریب رسید به بله لکھنؤ آمد
و ۲۳ ربیع الآخر ۱۱۶۹ھ بمجاور رحمت حق پیوست۔
اول اورادر لکھنؤ امانت گذاشتند و بعد چند گاہ بقیہ
جسد اورا بہ شاہ جہان آباد بردہ و دفن کردند (۱)

مجمع النفایس دو جلدوں میں ہے۔ اس کتاب کی تدوین میں
مولف کو بہت محنت کرنی پڑی چنانچہ متوسطین و متاخرین
کے تقریباً سو دیوانوں کو جن میں پانچ سو سے لے کر چالیس ہزار (۴۰۰۰)
اشعار تک تھے پڑھ کر اس کتاب کو مرتب کیا۔ پہلی جلد میں آٹھ سو اڑتیس
(۸۳۸) شعرا کا ذکر ہے جو بایزید بطامی سے شروع ہوتا ہے اور
میر محمد ماہ صداقت پر ختم ہوتا ہے۔ دوسری جلد اس کا تکملہ ہے
اس میں آٹھ سو اٹھانوے (۸۹۸) شعرا کا ذکر ہے۔ یہ ملا صہبائی
سے شروع ہوتا ہے اور محمد اشرف یکتا پر ختم ہوتا ہے

اس تذکرہ کی قدر و قیمت عام تذکروں سے اس حیثیت سے
بہت زیادہ ہے کہ اس میں معاصرین اور غیر معاصرین کے کلام پر
آرزو نے اصلاحیں بھی کی ہیں اور بعض جگہ اعتراضات بھی کیے ہیں
مثلاً سرخوش کے ذیل میں ان کے اس شعر پر:

صاحب جو ہر رفیق جو ہر شود استخوان ما ہی آرزو ستہ خنجر شود
آرزو کے نزدیک اگر دوسرا مصرعہ اس طرح ہوتا تو بہتر تھا:
عاقبت دندان ما ہی دستہ خنجر شود

قاسم بیگ :

چو بھترگہ در آئی ہم سچو طفل مکتب فگند نامہ ہار از کف از پی تماشا
آرزو کے خیال میں "بھترگہ در آئی" کے بجائے "چوں بھتراند آئی"
زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شفیعی اثر :

چراغی از پی حاجت زلال روشن کن بیوستان کہ قدم گاہ سبز پوشان است
آرزو کے نزدیک "لالہ" کے بجائے "جام" زیادہ مناسب ہے۔

چراغی از پی حاجت ز جام روشن کن

آرزو کا تذکرہ مجمع النفایس آرزو کو زندہ جاوید بنا دینے
کے لیے کافی ہے یہ کتاب محض تذکرہ ہی نہیں بلکہ بہترین تنقید
بہترین نظافت اور بلند پایہ شعروادب کا شاہکار ہے۔ اس میں
تنوع اور چاشنی پائی جاتی ہے اس میں اسلاف کا بھی رنگ موجود
ہے اور آئینہ آنے والی نسلوں کے لیے ہدایات بھی ہیں یہ وہ

درمیانی کڑی ہے جو گذشتہ اور آئینہ ادب سے ہم کو روشناس کراتی
ہے یہ ایک ایسا انقلابی کارنامہ ہے جو پرانی روش کی تخریب کے
بعد نئی تعمیر کی ہدایت کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ماضی
اور مستقبل کے ادب کا عکس دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی طرز تحریر
نہایت سادہ، سلیس، رواں اور دلکش ہے شعرا کی زندگی اور
تصانیف پر آرزو کے نظریات و عقائد نہایت جامع ہیں۔

مجمع النفایس کا وہ خطی نسخہ جو کتابخانہ خدابخش میں محفوظ

ہے کامل ترین نسخہ ہے جس میں ایک ہزار سات سو پینتیس (۱۷۳۵)

فارسی شعرا کا تذکرہ ہے، اس میں شروع سے لے کر مولف کے وقت تک کے شعرا اور مصنفین کا ذکر ہے۔ اس تذکرہ میں مولف کی شرح حال تفصیل سے درج ہے اور پھر آرزو نے خود اپنیابیات نقل کی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے دوسرے نسخے انڈیا آفس، باولین، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، دانشگاہ پنجاب، دہلی، رافضی لائبریری راپور میں موجود ہیں۔ خدا بخش کے کتب خانے میں دو نسخے ہیں ایک ۱۱۷۹ھ/۱۷۶۶ء اور دوسرا ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء کا لکھا ہوا ہے۔ دانشگاہ پنجاب میں دو نسخے ہیں، ان میں سے ایک مکمل ہے جو ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۸ء کا ہے یہ لکھنؤ میں مکمل ہوا۔ اور دوسرا نسخہ ناقص ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دو نسخے اودھ کے کتاب خانے میں تھے جن کا اسپرنگر کی فہرست میں ذکر ہے، اسپرنگر نے جن نسخوں کا ذکر کیا ہے اس میں شعرا کی تعداد ایک ہزار چار سو انیس (۱۷۹۱) تھی اور اسی کو سراوسے نے بھی لکھا ہے۔

متفرقات :

آرر و شرح، توضیحات اور خطوط کے مصنف ہونے کی وجہ سے منفرد حیثیت رکھتے تھے۔ ان کی تشریحات، توضیحات اور خطوط میں نظم و نثر دونوں کا استعمال ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کے ذہنوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

پیام شوق :

یہ خطوط کا مجموعہ ہے جو محمد شاہ بادشاہ کے دور کی ابتدا میں لکھا گیا۔ اس کا ایک نسخہ دانش گاہ پنجاب میں محفوظ ہے مصنف

کا انفرادی رنگ اس کی انش میں بھی موجود ہے ۔
آداب عشق ؛

اس میں عشق کے معاملات پر بحث ہے ۔
گلزار خیال ؛

ہولی اور بہار کے موسم کا مفصل بیان ملتا ہے ۔
آبرو کے سخن ؛

اس میں پہاڑوں اور حوض کے متعلق بیان کیا گیا ہے
رقعات آرزو ؛

یہ آرزو کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے دوستوں اور عزیزوں اور ہم عصروں کو لکھے تھے۔ آداب عشق، گلزار خیال، آبرو سخن، خطبے اور دیباچے اب نہیں ملتے ہیں ہوا رستہ سیالکوٹی نے صفات کائنات و مطبوعہ میں بنطابہر خطبوں اور دیباچوں کا انتخاب دیا ہے آرزو کی منشور و منظوم تالیفات پر نظر ڈالنے سے اس بات کا

ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ خان آرزو جیسا مجموعہ فضائل اس دور میں کوئی اور نظر نہیں آتا۔ ان کا شاعرانہ کلام اپنی کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے نہایت وقیع اور قابل توجہ ہے، لیکن ان کا اصل میدان زبان شناسی، فرہنگ نویسی اور دستور زبان ہے۔ اور ان تینوں فنون میں آرزو کا کوئی ثانی نہیں ہے، ان کی کتاب مثنوی سیر سبوطی کے مقابل لکھی گئی، فارسی میں اپنے موضوع کے اعتبار سے نہایت تصنیف ہے مصنف نے سبوطی کے اصول کو فارسی میں رائج کیا ہے اور اس سے نہایت کامیاب نتیجہ برآمد ہوئے ہیں۔ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

فرہنگ نویسی اور فن لغت میں آرزو نہایت بلند مقام پر فائز ہیں انہوں نے فارسی کی دو اہم فرہنگوں یعنی فرہنگ جہانگیری اور فرہنگ رشیدی کے درمیان محاکمہ کیا ہے ادیب محاکمے مولف کی دقت نظری کی بین دلیل ہیں اس سلسلے میں ان کے دو کارنامے خصوصی توجہ کے حامل ہیں، اول یہ کہ انہوں نے تواخت ساین کا نظریہ قائم کیا، اور یہ بات بلا خوف و تردد کہی جاسکتی ہے کہ اس سے قبل دنیا کے کسی کو نے سے یہ آواز سنائی نہ دی تھی، انہوں نے فارسی اور سنسکرت کے الفاظ اور ان کے اصول اشتقاق کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ قائم کیا کہ ان دونوں زبانوں کی اصل ایک ہے۔ یہی نظریہ آج تک قائم ہے۔ زبان شناسی کے میدان میں یہ اہم اضافہ ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان میں فارسی نے اپنا مقام بنایا تھا، کئی سو سال کے رواج نے اس زبان کا مزاج ہندی بنا دیا تھا۔ اس ہندوستانی فارسی کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے، لیکن اہل ایران اس کی اہمیت بجا طور پر تسلیم نہیں کرتے۔ خان آرزو کے ماصرین میں علی حزمین کافی شہرت کے مالک ہیں، انہوں نے ہندوستانی فارسی شعرا کے کلام پر اعتراض کر کے ایران کی نہ صرف برتری بلکہ لاشرکت غیر جارہ دائر ثابت کرنے کی کوشش کی، اس کا جواب ان آرزو نے دیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ ہندوستانی فارسی نا الگ درجہ و مقام رکھتی ہے۔ اور اس کا بجا طبع پر اعتراف نا چاہیے۔ خان آرزو کا ایک اور کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملف شعرا کے درمیان محاکمہ کیا اور بعض شعرا کی زبان دانی کو

چیلنج کیا ہے، شعر کے یہاں زبان، محاورے اور طریق استعمال کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ ذیل میں ان کی مشہور تصنیف شمر کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

شمر

خان آرزو مشرق و مغرب میں پہلے عالم ہیں جنہوں نے توافقی ترین کے نظریہ کو پیش کیا یعنی فارسی اور سنسکرت کے باہمی رابطہ اور تعلق کو ان خیالات کو انہوں نے اپنی کتاب شمر میں نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے۔ ابھی تک اس کا مفصل جائزہ نہیں لیا جاسکا ہے۔ یہ کتاب درج ذیل اکتالیس (۱۹) اصولوں میں تقسیم کی گئی جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں ان اصولوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ اصل : در بیان معنی فارس و فارسی

۲۔ اصل : در بیان زبان فارسی

۳۔ اصل : در بیان آثار و احادیث کہ در حق زبان فارسی و فارسیان واقع شدہ

۴۔ اصل : اول کسی کہ بفارسی شعر گفت

۵۔ اصل : ایرائے ہر معنی لفظی معین لازم است یا نیست

۶۔ اصل : لفظ گاہی موضوع شود برای شخصی بعینہ و گاہی باعتبار امر عام۔

۷۔ اصل : الفاظ و بدلولات مناسب طبعہ است

۸۔ اصل : در طریق معرفت لغت۔

۹۔ اصل : در بیان آنکہ از اہل زبان صادر شود یا نشود۔

- ۱۰- اصل : در بیان استعمال لفظ بمعنی با تحقیق و یقین
- ۱۱- اصل : در بیان آنکه تصرف قادر سخنان هندی در مفردات و مرکبات فارسیه جائز هست یا نیست .
- ۱۲- اصل . لغات غیر مشهور که ثابت شود به کلام استادان است
- ۱۳- اصل . در اثبات معنی لغات .
- ۱۴- اصل : در بیان بعضی لغات که فارسی آن فراموش و عربیه آن مشهور .
- ۱۵- اصل : در معرفت اقمار
- ۱۶- اصل : در معرفت فیض
- ۱۷- اصل : در معرفت ردی و مذموم
- ۱۸- اصل : در بیان مطرد و شاذ
- ۱۹- اصل : در معرفت الحواشی و الغرایب .
- ۲۰- اصل : در معرفت اختلافات لغات
- ۲۱- اصل : در بیان اختلاف کیفیت تلفظ حروف
- ۲۲- اصل : در بیان حذف
- ۲۳- اصل : بدانکه نوعی از اختلاف است زیاده حروف در کلمه
- ۲۴- اصل : نوعی از اختلاف است قلب
- ۲۵- اصل : در بیان ابدال
- ۲۶- اصل : در بیان املاله
- ۲۷- اصل : در بیان استعمال الفاظ غیر فارسیه در فارسی
- ۲۸- اصل : در بیان تصرف فارسیان در الفاظ زبانهای دیگر خصوصاً

عسری و ہندی ۔

۲۹۔ اصل : در بیان تصرف فارسیاں در ہندی ۔

۳۰۔ اصل : در توفیق الفاظ

۳۱۔ اصل : در بیان بعضی از مسایل و امثلہ کہ متعلق است بہ تحریر الفاظ کاہ

۳۲۔ اصل : توافق ۔

۳۳۔ اصل : در معرفت حقیقت و مجاز

۳۴۔ اصل : در معرفت مشترک ۔

۳۵۔ اصل : در بیان مترادف

۳۶۔ اصل : در معرفت اتباع

۳۷۔ اصل : در معرفت اعراب

۳۸۔ اصل : در معرفت حروف

۳۹۔ اصل : در بیان کلمات غیر مفردہ کہ برای نسبت و جزآن در فارسی
آید بہ ترتیب حروف تہجی ۔

۴۰۔ اصل : در معرفت بحث فی المزیہر ۔

۴۱۔ اصل : در بیان امثلہ ۔

بعض اصلیں بہت طویل ہیں اور بعض نہایت مختصر اصولوں کے
تحت فصلیں ہیں جن میں مستقیم و متوسطین کے اسناد پیش کئے
گئے ہیں ۔ فصلوں کے علاوہ مخفی نمائند، بشو، نقل، نواید، تذیل وغیرہ
کے ضمن میں بھی کچھ چیزیں پیش کی گئی ہیں جو تحقیق الفاظ و حل لغات میں
بہت کارآمد ہیں ۔ یہ جلال الدین سیوطی کی کتاب منظرہ کے طرز پر لکھی

(۱) منظر سیوطی میں پچاس نوع ہیں یہ دو جز میں شائع ہوئی پہلے جز میں ۳۹ نوع
اور دوسری میں ۱۱ نوع شامل ہیں ۔

گئی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں عربی لغت سے متعلق ہے اور مشرقی فارسی لغات کے اصول پر ہے۔ ابھی تک اس فن پر اس طرح کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، بعد میں معنی سی خواہد گریست مگر نگرید کسی خواہد گریست پہلی اصل :

مشرق کی پہلی اصل میں فارس و فارسی کی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ فارس پارس کا معرب ہے۔ بقول سعدیؒ

افیم پارس را غم از آسب دهنیت

فارسی لفظ فارس سے منسوب ہے اور بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ پارس پہلو بن سام بن نوح کا بیٹا ہے اور وہ اس عہد میں جس اطراف کا مالک ہو گیا تھا وہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا اور زبان پارسی بھی اسی سے منسوب ہے پرانے زمانے میں پورے ایران کو پارس کہتے تھے اور اس ملک میں جو زبان بولی جاتی تھی اس کو پارسی کہتے تھے اور ناکا اس کا معرب ہے۔ اس تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کہ فارسی فارس سے بجا ماخوذ ہے۔

دوسری اصل :

اس اصل میں فارسی زبان کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں وہ آثار و احادیث بھی نقل کی گئی ہیں جو زبان فارسی اور فارسیوں

(۱) دیباچہ کلیات سعدی، چاپ جاویدان ص ۷۰ :
افیم پارس را غم از آسب دهنیت تار برش بود جو توئی سایہ خدا

یا معرفت لغت سے متعلق ہیں مصنف کا کہنا ہے کہ فارسی کی سات
قسمیں ہیں جن میں سے چار متروک^{۱۱} الاستعمال ہیں کیوں کہ اس میں
کتاب اور خط نہیں لکھے جاسکتے ہیں۔ وہ سات قسمیں یہ ہیں۔

مصری

سگزی

زاوی

سغری

اور دوسری تین زبانیں

فارسی

دری

پہلوی

آخر الذکر تین زبانوں میں تحریری آثار موجود ہیں اور شعر
بھی مل جاتے ہیں بقول انجلی شیرازی^{۱۲}

”و آن زبانی است کہ در بلاد پارسی که دارالملک آن

استخر است بدان سخن کنند و استخر اول شہریت

کہ کیومرث بنا کردہ و در عہد پیشدادیان بنایت

آبادانی رسیدہ بود“ (۲)

بقول خان آرزو زبان کا مسئلہ بہت اہم ہے ایران کے مختلف
خطے کے لوگ مختلف طرح سے تلفظ کرتے ہیں ان کے لکھنے پڑھنے

(۱) مقدمہ جہانگیری ص ۱۲۰-۱۵۰

(۲) ایضاً ص ۱۵

کی زبان فارسی ہی ہے۔ اور تمام ایرانی فارسی زبان ہی میں گفتگو کرتے ہیں لیکن ہر خطے کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہے، شیراز کی اور ہے قزوین و گیلان و خراسان کی اور کاشان کی اور۔ سعدی :

پیرینقا د سالہ چنی مکندہ کورمقری جنی منی چش روشن^(۱)

(۱) سال کی بڑ بھیا جو کہ جوانی محسوس کرتی ہے وہ مادر زاد اندھی ہے کہ خواب میں بھی چشم روشن کو نہیں دیکھ سکتی ہے،^(۲) میری کاشی جو کہ شیرازی الاصل ہیں اہل کاشان کی خدمت میں کہتے ہیں :

امتیاز فنی و کاشانی	این بود وقت گوہر افشانی
کہ تمی واکند بعرض دہن	کاشش آید بطل لب سخن
آنکہ در فارسی شدہ مثل	الف و نون کند بو ابر بدل
کردہ در نحو عرض مطلبشان	نقحہ را ضمہ عامل لب شان
فارسی چون کند سر علما	آن چنان و آن چنوں بود ہمہ جا
شعر چون شوند قافیہ سنج	می توان یافت از گھر صد گنج

(۱) یہ بیت سعدی کی کلیات کے کسی نسخے میں نہیں ملی اس لیے اس کی تصحیح ممکن نہ ہو سکی۔

(۲) سروآزاد: ص ۸۵، ۸۶ = میری کاشی متوفی ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۳ء

شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور شاہ جہاں آباد کے قلعے کی بنیاد کی تاریخ کو اس طرح لکھا: "شد جہاں آباد بادشاہ جہاں آباد"
(۳) مجمع النفائس خطی ص ۵۴۰: سرکند چوں علما۔

ہمہ اول بود شراب و کباب ضمہ دارد لبان لفظ جباب
 بید ما بود و بود ما بید است ریدھا رور و دھا رید است
 رودخانه ز نثر گفتاری ریدخانه است بزبان جاری

ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جگہ جہاں پر الف و نون
 ہوتا ہے وہاں پر کاشمی یا کاشانی واو بولتے ہیں۔ اگرچہ ہر امر
 کاشیوں یا کاشانیوں کے لیے ہی مخصوص ہو گیا ہے لیکن آج
 کل اہل عراق و شیراز وغیرہ کبھی اسی طرح بولتے ہیں وہ دکان
 کو دکان اور جان کو جون کہتے ہیں، بقول مخلصی کاشمی:

کار معجون کمونی می کند پیکان او

یہاں کمان کو کمونی سمجھا اسی وجہ سے معجون کمونی استعمال کیا
 اور شعر کے لطف کا مدار اسی پر رکھا لیکن سوال یہ ہے کہ جب
 کمان کو کمون بنایا تو پیکان ہونا چاہیے تھا اور یہ فعلی
 کے محاورہ کے مطابق غلط ہے۔ انہیں وجہ کی بنا پر آرزو محفل نہیں
 بیٹا سا تذہ کا کلام مستند سمجھتے ہیں جو خود عالم و فاضل ہوں اور مرکبات
 سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہوں۔

دوسری زبان درسی ہے بعض کا کہنا ہے کہ بلخ بامی، مرد شہباز

(۱) مجمع البعائیں ہمہ جا اول شراب و کباب
 خطی میں ہمہ جا
 (۲) ایضا، شستہ

(۳) برہان ص ۸۲۷، جمعی گوید لغت ساکنان چند شہر بودہ است کہ آن
 پنج و بخارا۔ بدخشاں و مزارات۔ یہی قول آرزو کی سراج اللغات و رق ۷۳ پر ہے لیکن مثنوی
 میں یہ فرق اس لیے ہے۔ کیونکہ بدخشاں کو قول اول سے جدا کرتا ہے۔
 (۴) جہانگیری ص ۱۶: مرد و مرد شہباز ایک، ہی ہے۔ اس جگہ کے لوگ جیسے
 (پانچویں آئندہ)

اور بخارا کے لوگ اس زبان میں مکالمہ کرتے ہیں اور کچھ کا کہنا ہے
دوسری بخشاں کے لوگوں کی زبان ہے اور کچھ صاحبان نظر اسے
کیا فی دربار کی زبان بتاتے ہیں۔

ان تینوں زبانوں میں سے تیسری^(۱) زبان پہلو ہے پہلو
پارس کے باپ کا نام ہے اور پہلو کو پہلہ سے منسوب کیا ہے
پہلہ رملی^(۲)، اسپہان اور دیور کو^(۳) ملا کر کہتے ہیں پہلو اور شہر کو ہم
معنی بتایا ہے۔ فردوسی کہتے ہیں^(۴)۔

ز پہلو بروں رفت کاؤس شاہ ز صر سو ہی گشت گرد سپاہ^(۵)
کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر وہ لفظ جو کہ کیان کے پای تخت کے پہلوان
بولا کرتے تھے اس کو پہلوی کہتے ہیں۔ شمر کے مصنف کا کہنا ہے کہ پہلوی کو
پہلوانی بھی کہا جاسکتا ہے۔ فردوسی۔

اگر پہلوانی ندانی زبان بتازی تو اردو نادراد جملہ خوان

عباس رودی معروف ہیں۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ درویش بہان رود اردو
سے جدا ہے اور دونوں کے درمیان ۷۰ میل کا فاصلہ ہے۔

(۱) جہانگیری ص ۱۷۰۔

(۲) ری تہران کے نزدیک ایک قدیم شہر ہے۔ اس جگہ ابو بکر زکریا رازی
اور فخر الدین رازی وغیرہ مشہور علما گزرے ہیں۔ اب یہ ایک صرف چھوٹا
سا شہر باقی رہ گیا ہے۔ (۳) نزہت القلوب چاپ بریل ص ۱۰۷ در
بقاع کردستان شہریت از اقلیم چہارم طوئش از جزائر خالد اب نوح و عوض
از خط استوا۔ مشہری کو چک است و ہواش مقتول و آتش فراوان، و از آن

جا ابو حنیفہ دینوری است (۴) فردوسی صوفی ص ۱۱۷ یا ۱۱۶ م ۱۰۲۵ھ
(۵) مقدمہ جہانگیر ص ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱۴۰۲۔ ۱۴۰۳۔ ۱۴۰۴۔ ۱۴۰۵۔ ۱۴۰۶۔ ۱۴۰۷۔ ۱۴۰۸۔ ۱۴۰۹۔ ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ ۱۴۱۲۔ ۱۴۱۳۔ ۱۴۱۴۔ ۱۴۱۵۔ ۱۴۱۶۔ ۱۴۱۷۔ ۱۴۱۸۔ ۱۴۱۹۔ ۱۴۲۰۔ ۱۴۲۱۔ ۱۴۲۲۔ ۱۴۲۳۔ ۱۴۲۴۔ ۱۴۲۵۔ ۱۴۲۶۔ ۱۴۲۷۔ ۱۴۲۸۔ ۱۴۲۹۔ ۱۴۳۰۔ ۱۴۳۱۔ ۱۴۳۲۔ ۱۴۳۳۔ ۱۴۳۴۔ ۱۴۳۵۔ ۱۴۳۶۔ ۱۴۳۷۔ ۱۴۳۸۔ ۱۴۳۹۔ ۱۴۴۰۔ ۱۴۴۱۔ ۱۴۴۲۔ ۱۴۴۳۔ ۱۴۴۴۔ ۱۴۴۵۔ ۱۴۴۶۔ ۱۴۴۷۔ ۱۴۴۸۔ ۱۴۴۹۔ ۱۴۵۰۔ ۱۴۵۱۔ ۱۴۵۲۔ ۱۴۵۳۔ ۱۴۵۴۔ ۱۴۵۵۔ ۱۴۵۶۔ ۱۴۵۷۔ ۱۴۵۸۔ ۱۴۵۹۔ ۱۴۶۰۔ ۱۴۶۱۔ ۱۴۶۲۔ ۱۴۶۳۔ ۱۴۶۴۔ ۱۴۶۵۔ ۱۴۶۶۔ ۱۴۶۷۔ ۱۴۶۸۔ ۱۴۶۹۔ ۱۴۷۰۔ ۱۴۷۱۔ ۱۴۷۲۔ ۱۴۷۳۔ ۱۴۷۴۔ ۱۴۷۵۔ ۱۴۷۶۔ ۱۴۷۷۔ ۱۴۷۸۔ ۱۴۷۹۔ ۱۴۸۰۔ ۱۴۸۱۔ ۱۴۸۲۔

ان دونوں زبانوں کی تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دری درہ کوہ کے لوگوں کی زبان ہے اور پہلوی شہر اور پہلوی کی زبان ہے۔ اب یہ تحقیق پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ دری اور پہلوی کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ دری اس زبان سے عبارت ہے جو کہ بادشاہ و سلاطین کے در پر بولی جاتی ہے۔ اور پہلوی پہلوی یعنی شاہی لشکر یا شاہی خیموں کی زبان سے عبارت ہے۔ اس طرح دونوں زبانیں ایک ہی ہیں۔

تیسری اصل :

یہ اصل ان احادیث سے متعلق ہے جو فارسی زبان اور اہل ایران کی تعریف میں ملتی ہیں۔ اس میں آرزو نے فرہنگ جہانگیری سے ہو بہو مطالب لے کر پیش کیے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ آرزو نے فتح الباری کو شیخ ابن الہمام سے منسوب کیا ہے جبکہ جہانگیری میں ابن حجر استغلائی سے منسوب ہے۔

چوتھی اصل :

اس اصل میں جو بحث کی گئی ہے وہ دبستان المذاہب پر مبنی ہے۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے جس نے شعر کہا وہ آدم علیہ السلام تھے۔ قابیل کے بیٹے سے مرثیہ کے اشعار منسوب ہیں۔ اس کے علاوہ

بقیہ صفحہ ۱۶۴

(۱۱) جہانگیری ص ۲۱۶، مہلح الفرس ص ۳۷، آرزو دومنی وارد اول

روزد جلد رامی خوانند و دوم کوہ الوند است۔

(۱۱) لباب الالباب، باب یوم : در معنی آنکہ اول شعر کہ گفت۔

فارسی شاعری کی تاریخ میں 'بہرام گور' اور کچھ عمر و لیث کے بیٹے کی طرف بھی اشعار منسوب کرتے ہیں لیکن دبستان المذاہب سے ایسا معام ہوتا ہے کہ آبادیان کے عہد میں بھی، جو شاہ آبادیان سے پہلے گزرے ہیں، شعرا موجود تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فرہوش نامی بادشاہ آبادیان کے عہد میں تھا۔ اس کے دربار میں بے شمار شعرا موجود تھے اور سات شاعروں میں سے ہفتہ میں ہر روز ایک شاعر بادشاہ کے سامنے اپنی نظم پیش کرتا تھا اوستا اور زرتشتیوں کے متعلق آرزو کی معلومات بھی بہت زیادہ قابل اعتبار نہ تھیں۔

(۱) باب الاباب باب چہارم: در سنی اول کسی شعر یا سنی کہ گفت: روایت شعر یہ
منم آن شیر گز منم آن پیر پہلہ نام من بہرام گور گفتم بوجہ
تاریخ ادبیات ایران ص ۱۴۸ و بعد

(۲) عمر دین لیث ایران میں حکومت صفاریہ کے بانی یعقوب لیث کا بھائی تھا یعقوب کی وفات کے بعد ۲۶۵ھ / ۸۷۸ء میں تخت پر بیٹھا اور ۲۸۷ھ / ۹۰۰ء تک حکمران رہا صفاری حکومت ۳۹۳ھ / ۱۰۰۲ء میں محمود غزنوی کے ہاتھوں میں پھنسی سم نطاہریہ غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ یعقوب بن لیث صفاری سے منسوب ہے جیسا کہ ارد آزاد میں صفحہ ۱۳ پر بھی اس کا ذکر ہے لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ یعقوب کے عہد میں معروف شعرا مثلاً محمد بن وصیف سگزی، سام گودرز، محمد بن محمد ہوئے ہیں ان کے کچھ اشعار اب بھی یادگار کے طور پر باقی رہ گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوتا رہی سیستان و تاریخ ادبیات در ایران ج ۱ ص ۱۴۴، ۱۵۸، ۱۹۴، ۲۱۱، ۲۱۳، بعد۔ لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ آرزو نے عباس مروزی کے مشہور تصدیقے جو کہ مامون کی مدح میں لکھا گیا تھا جس کا ذکر باب الاباب غوفی میں ملتا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اس تصدیقہ کو مامون سے نسبت دینا بالکل غلط ہے۔ ملاحظہ ہو بہت مقالہ قزوینی ج ۱، ص ۱۰۹، دبستان المذاہب جس کو کچھ لوگ ملاعن کشمیری سے منسوب کرتے ہیں

پانچویں اصل،

اس اصل میں مصنف کہتے ہیں کہ ہر معنی کے لیے الگ الگ لفظ ہونے چاہئیں۔ امام فخر رازیؒ کا کہنا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ہر معنی کے لیے الگ لفظ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارا مصنف بھی اس بات پر راضی ہے کہ امام کا کہنا درست ہے اس کے لیے انہوں نے فارسی کے الفاظ کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔

چھٹی اصل،

اس اصل میں آرزو نے ان مسئلوں سے بحث کی ہے جن کو عضد الدین ایبجی نے اپنے رسالے مواقف میں بیان کیے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کبھی لفظ شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کی خصوصیات کے لیے جو عام آدمیوں اور چیزوں میں پائی جاتی ہیں۔

ساتویں اصل،

اس میں آرزو نے ان مسئلوں سے بحث کی ہے جن سے عباد بن یحییٰ الفہری معتزلی نے بحث کی تھی۔ عباد کے مطابق لفظوں اور ان کے مفہوم میں تدریجی مشابہت ہوتی ہے کسی شخص سے پوچھا کہ اذ غار کیل ہے اور کیا فارسی میں سنگ کو اذ غار کہتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ خشکی میں زیادہ ہوتا ہے

۱۔ منہر ص ۲۲، المسئلة السادسة

”قال الامام فخر الدين الرازي واتباعه لا يجب ان يكون

لكل معنى لفظ لان المعاني التي يمكن ان تعقل لامتناهية والالفاظ متناهية

لانها مركبة من الحروف والخلاف متناهية واما مركب من المتناهي متنا

والمتناهي لا يضبط ما لا يتناهي والالزام تناهي المدلولات فالوقفا المعاني منها

باقی، ص ۲۴۸، ۲۴۹

اور سوچتا ہوں کہ وہ سنگ^(۱) ہی ہے۔ لیکن فارسی کی معتبر کتابوں میں اذغاغ سنگ کے معنوں میں نہیں ہے۔ اور متاخرین کے یہاں بھی ان معنوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ بعض جگہ اس کو تبریز کا لفظ کہا جاتا ہے جیسا کہ اصفہانی نے نہاج قاضی سیفناوی کی شرح میں لکھا ہے۔ عربی لغت کے عالموں نے ثابت کیا ہے کہ انغانا اور معانی کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ آرزو کے قول کے مطابق بھی لفظوں اور معنوں میں فرق ہوتا ہے۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں یہی امر پایا جاتا ہے کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کی آواز ایک جیسی ہے مثلاً غرغہ جس کے معنی پانی کو گٹھلے میں اس طرح گھمانا ہے کہ وہ حلق کے اندر نہ جلے، قرقرہ شراب کی آواز گٹھلے کے اندر، تہقہہ آواز کے ساتھ ہنسنے۔ اس کی مثالیں مزہر میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

آٹھویں اصل :

اس اصل میں آرزو نے اس علم کو بیان کیا ہے جس کے ذریعے

الفاظ کو سمجھا جاسکتا ہے نہ بحث امام فخر الدین^(۲) رازی کی کتاب

۱۔ مزہر ص ۲۶۰، س ۳ سے تک، (المسئلة العامة) نقل، ان اصول اللغة عن عبد بن سلمان الضمیری من المختصر لفظ الله ذهب إلى ان بين اللفظ ومدلوله مناسبة طبيعية حاصلية للمواضع على ان يضع قال والا كان تحقیر الاسم المعین بالمستعمل المعین ترجیحاً من غير حرج وكان بعض من برى دایه يقول انه يعنى مناسبة الالفاظ لمقتضاها اصل ما سمى اذغاغ وهو بالفارسية الحجر فقال احد فیه ليس استزیداً (۳) مزہر ص ۲۶۰-۲۶۱، س ۲۵-۲۶، المسئلة الثانية عشر، فی الطرائق فی معرفة الالفاظ قال امام فخر الدین الرازی فی المحصول واتباعه الطائفة التي معروفة اللغة اما النقل المحض كالمشكلة او استنباط النقل من النقل كما في نقل الينا ان في المعرف يدخله الاستثناء ونقل الينا ان الاستثناء اخراج ما

تتناوله اللفظ بحيث يستبدل بهذين التقليدين على ان يصح

محصول پر مبنی ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اس نے جو کچھ اس اصل میں لکھا ہے سب عربی الفاظ کے طریقے پر ہے اور چونکہ دین عربی زبان میں ہے اس لیے احتیاطاً مجبوراً لازم ہے۔ بقول آرزو کہ فارسی لغت کا طریقہ اور رویہ کبھی وہی ہے کیونکہ قدیم الفاظ جو فرہنگوں میں موجود ہیں، ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ اگر اہل زبان سے پوچھے جائیں تو وہ اس کا جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایران و توران نے فرہنگیں لکھیں اور قیاس کے مطابق ان کے معنی بھی لکھے اور بہت سی جگہ غلطیاں بھی کیں۔ ان کی غلطیاں کبھی کبھی سننے یا لکھنے سے معلوم بھی ہو جاتی ہیں۔ یہ غلطیاں ان لوگوں سے ہو جاتی ہیں جو اس زمانے میں اپنی استاد کی دعویٰ کرتے ہیں اور استادوں کی مخالفت کے باوجود فن شعر پر اپنے کلام کو مستند مانتے ہیں۔ اہل ایران میں کسی سے پوچھا گیا کہ سلیمؑ کے اس شعر میں "نرگسی زن کے کیا معنی ہیں :

سہر و چون سایہ ز پی آمدہ رفتار ترا

نرگسی زن شدہ گل گوشہ دستار ترا

لجج للموم و اما العقل الصرف فلا مجال للعقل في ذلك والمنقل المحض

ما تواتر واحد۔ (۲۵) یہاں اہل ایران سے مراد علی حزمین امینی ہے ایک

شعر خطی ص ۳۳ (۳) چراغ ہدایت ص ۴۴ - ۴۵

انہوں نے جواب دیا کہ "نرگسی زن" دستار کے باندھنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ بیت مذکور میں اس معنی سے کوئی ربط نہیں ہے شفا کی کی یہ بیت حقیقت میں وجہ صحت نہیں رکھتی ہے :

در بخل نرگسی زنان شجرہ آن نہال سید دلی شمرہ

یہ بیت ایک گروہ کی ہزمت^(۲) میں ہے جو کہ سید نہیں تھے لیکن اپنے آپ کو سید مانتے تھے دوسری ابیات^(۳) بھی جو یہاں نہیں لکھی جا رہی ہیں اسی سے متعلق ہیں۔

اسی اصل میں آرزو نے بتایا ہے کہ الفاظ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک مفرد مشہور مثلاً اسپ، خراگفت، شنید اور دوسرے مفرد غیر مشہور جیسے دست و پا وغیرہ ان کا استعمال اکثر قدما کے کلام میں ہوا ہے اور اکثر ان کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً 'بناغ' فرہنگ رشیدی میں ریمان خام کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن دوسرے صاحبان فرہنگ کی نظر میں دیر اور منشی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ بیت منصور شیرازی کا ملاحظہ ہو^(۵)۔

۱۔ چراغ ہدایت ص ۲۷۲ - ۲۷۵

۲۔ یہ بیت خرد کلہ کے لوگوں کی ہزمت میں ہے جو کہ سید نہیں تھے لیکن خود کو

سادات میں سے کہتے تھے۔ چراغ ہدایت ص ۲۷۲ - ۲۷۵۔

(۳) چراغ ہدایت ص ۲۷۲ - ۲۷۵۔ طغرائی دو بیت اولہ تاثیر کاشی کی دو

بیت نقل ہوئی ہیں۔ (۴) فرہنگ رشیدی ص ۳۴۳ ج ۱۔

(۵) فرہنگ جہانگیری ص ۱۷۶۔

ضمیمہ لکھو "بسی کہ گاہ بیان" بہ پیش او بود اکم زبان تیر بناغ
مرکبات نامہ وغیر نامہ مثلاً "قلب صفحتا و موصوف احوک اکثر استعمال
ہوا ہے اور سب اہل زبان اس کو صحیح مانتے ہیں جیسے

چہ علی خواجہ و چہ خواجہ علی

"قلب مضاف و مضاف الیہ مثلاً "گیہان خدیو" "خدا بنہ خدیو"
وغیرہ لیکن "اسپ زید" کا "زید اسپ" صحیح نہیں ہوگا۔

نویں اصل:

اس اصل میں مولف نے اس مسئلہ سے بحث کی ہے کہ اہل زبان
میں غلطی ہو سکتی ہے یا نہیں یہ بات مدہ طور پر کہی جاسکتی ہے
کہ اساتذہ کے یہاں صرفی و نحوی غلطیاں موجود ہیں مثلاً کبھی وزن
میں کبھی قافیہ میں، کبھی تقدیم و تاخیر میں اور کبھی افعال غلط پائے
جاتے ہیں جیسا کہ سعدی کی یہ بیت:
تو نیکو روش باش تا بد سگال^(۱) بنقص تو گفتن نیا بد محال

بعضوں نے اس کو تعقید لفظی کے زمرہ میں رکھا ہے، لیکن یہ درست
نہیں ہے کیونکہ تعقید لفظی اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ وہ قلمت
الاستعمال ہو، اور اس جبکہ ایسا نہیں ہے۔ تعقید مرکب الفاظ میں
ہوتا ہے اور کبھی کبھی مفرد الفاظ میں بھی ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ایک

(۱) جہانگیری ص: ۱۷۶:

(۲) جہانگیری ص: ۱۵۶۸۔

(۳) ایضاً: بہ بد گفتن تو۔

ایسے ایرانی شاعر کا شعر جو ہندوستان آئے تھے :
 غمگین نمی رود کسی از خاک میکدہ تاہم پیالہ مہ عیدش نمی رود
 آرزو کی رائے میں لفظ غمگین کی وجہ سے شعر کا مطلب خبط ہو گیا
 اگر اس کے بجائے ہرگز کر دیا جائے تو معنی صحیح ہو جائیں گے :
 ہرگز نمی رود کسی از خاک میکدہ تاہم پیالہ مہ عیدش نمی رود
 ملانا ز کی کا شعر بھی ملاحظہ فرمائیں :

اتاقہ بفرقش چو دم رہاہ ابر فرق او یک کیانی کلاہ
 رو باہ کو وزن برقرار رکھنے کے لیے واؤ کے بغیر استعمال کیا ہے
 اور یہ محاورہ کے خلاف ہے اس کے علاوہ مصنف نے اپنی بات
 کو ثابت کرنے کے لیے حافظ اور سعدی کے اشعار بھی مثال کے
 طور پر پیش کیے ہیں ۔

دسویں اصل :

مولف نے اس اصل میں لفظ کا صحیح استعمال، ان الفاظ کے
 تحقیقی معنی اور ان کے تعین سے بحث کی ہے۔ مثلاً لفظ سفید کا حسن

۱۔ یہ شعر حزمین کا ہے ملاحظہ ہو ریاض الشعر والہ داغستانی،
 ورق ۱۰۵ - ۱۰۷ : لفظ غمگین درجہ جا طرف افادہ می کند زیرا کہ تا کسی راہم
 پیالہ مہ عید نمی کنند از خاک میکدہ غمگین نمی رود بعد از آن کہ کردند
 غمگین می رود۔ در این مقام لفظ ہرگز می بایست نہ غمگین و گویا
 این سہو الفکر است :

کشمیر اور سبزمینہ کا گجرات کے خوبصورت لوگوں پر اطلاق اس وجہ سے کہ دونوں جگہ کا حسن سفید اور سبز ہوتا ہے جبکہ ہندوستان میں اکثر اطراف کے لوگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے فارسی دانوں کا یہ خیال ہے کہ پورہندستان کا حسن سیاہ ہوتا ہے مثلاً ملا تشبہی کا شہی کہتے ہیں :

شدار ملک عراق آوازہ تشبہی خدا داند

سیاہان دکن کشتند یا سبزان کشمیری

چونکہ حسن کشمیر سفید ہوتا ہے اور سیاہ حسن دہاں نا درونا یا بس ہے۔
چنانچہ ملا طاہر غنی کشمیری کہتے ہیں :

کشمیر درصباح ت روشن گرجال است

حسن سیاہ آنجا گرہست خال خال است

اسی ضمن میں ملا طغرا کہتے ہیں :

سبزمینہ گجرات بین گل از رخ اومات بین

شیرینی حرکات بین کز سرو ما باز آمدہ

گیارہویں اصل :

اس اصل میں اس سلسلے سے بحث کی گئی ہے کہ کیا ہندوستانی

فارسی علما الفاظ، محاورات، مفردات اور مرکبات میں جو تبدیلی کر لیتے ہیں وہ درست ہے یا نہیں۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ جب فارسی

زبان دانوں ایرانیوں نے عربی الفاظ میں تصرف کو جائز قرار دیا ہے جیسے لفظ ”می سیر“ بمعنی سیر کر، ”تمیزد“ بمعنی امتیاز کر جیسا کہ ملا عربی وغیرہ کے یہاں استعمال ہوا ہے اسی طرح ”طلوعیدن“ اور ”بلعیدن“ بعضی کے کلام میں آیا ہے، فارسی الفاظ کو بھی عربی کے قاعدے کے مطابق مثلاً ”انا الیاء“ ذوالخو رشیدین، تلفظ کیا ہے تو پھر ہندوستانی فارسی عالم کے لیے تصرف کرنا کیوں نہ جائز ہو، جبکہ یہ تصرف طلبیدن، ہمیدن اور غارتیدن کی طرح نہیں ہیں جو کہ عام ایرانی کرتے ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے مزہر میں بیان کیا ہے کہ بہت سے عربی علما فارسی سے عربی الفاظ کا بنایا جانا غلط بتاتے ہیں۔ اگر امیر خسرو ”کیسہ“ کے بجائے ”گرہ“ استعمال کرتے ہیں تو آرزو کے نزدیک ان کا یہ عمل بالکل صحیح ہے، جیسے کہ اس بیت میں^(۲) :

اومی رود بنار و گرہ می زند بزلف مردن مراست از گرہ او چہ می رود^(۳)

اگرچہ فارسیوں کے یہاں محاورہ ”از کیسہ او چہ می رود“ ہے۔ ان دو اصلوں کی مزید تفصیل آرزو نے اپنے رسالے داد سخن میں لکھی ہے

بارہویں اصل :

اس اصل میں مولف نے ان تصانیف سے روشناس کرایا ہے جن سے اس نے شعر میں استفادہ کیا۔ ان کتابوں کا تفصیلی تعارف بھی کرایا ہے۔ آرزو نے اس جدوجہد کی طرف اشارہ کیا ہے جواہنوں نے الفاظ کے قابل اعتماد معنوں کے تعین کرنے اور روزمرہ کی بول چال

(۱) مزہر ص ۸۳، س ۱۳-۱۲، یہ قول ابو بکر محمد بن السری کا ہے۔ من شتق العجمی الموب
من العربی کان کمن ادعی ان العجمی من الموحث (۲) دیوان خسرو چاپ نوائی کشور ۱۹۶۷ء ص ۲۳
(۳) دیوان: حاتم، رود مزہر گرہ الخ دیوان داد سخن، تاریخ ہراج الدہ ۱۲۷۵ھ

اور عامیانه الفاظ کے سلسلے میں کی اس کے علاوہ اس میں ان غیر مشہور لغات کو جو اساتذہ کے یہاں مستعمل ہیں اس کی طرف بھی دھیان دلائل مولف کا کہنا ہے ایسے الفاظ جو غیر مشہور ہیں اور جن کو استاد کے کلام ہی سے ثابت کیا جاسکتا ہے صرف جہانگیری میں ہی پائے جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر جامع اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی مولف جہانگیری جمال الدین حسین انجوی شیرازی نے جلال الدین اکبر بادشاہ ہند کے عہد سے اس کو لکھنا شروع کیا اور نور الدین جہانگیر کے عہد میں مکمل کیا۔ اس کتاب کی تالیف کے وقت مولف کے زیر مطالعہ ۴۴ فرہنگیں تھیں جن کے نام اس نے اپنی تالیف میں لیے ہیں۔ ان کے علاوہ ۹ دوسری کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام جمال الدین آزاد کو مقدمہ، تحشیہ، تصحیح اور تالیفات کے ساتھ ڈاکٹر سید محمد اکرم نے اسلام آباد سے ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں شائع کیا لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ اہم رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا ملاحظہ ہو رہنمای کتاب ص ۳۲۸ شمارہ ۲-۶ ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۵ء اس سے منقول ہے :

”در جامع سخن در نقد شعر در شبہ قارہ ہندستان و پاکستان نوشتہ شدہ است۔ محمد جان قدسی مشہدی متوفی ۱۰۵۶ھ کہ در عہد شاہجہان می زیستہ قصیدہ در منقبت حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام سرودہ کہ مطلعش این است :

عالم از نالہ من بی تو چنان تنگ رفت - کہ سپند از سر آتش تو از بر خاست
شیدا از محبت تو بی متوفی ۱۰۲۲ھ، معاذ قدسی قصیدہ اور انتقاد نمودہ و منیر لاہوری متوفی ۱۰۵۰ھ نیز نظر خود را در مورد قصیدہ قدسی و شہداء بہمان وزن و قافیہ سرودہ است
آزاد در سخنان سر شاعر مذکور داوری کردہ است

کو معلوم نہ تھے۔ اس کے علاوہ تفسیریں، تاریخیں، زرد پازند اور دوسری کتابیں، شعرا کے دواوین جن کے اشعار شواہد کے طور پر اس میں نقل ہوئے ہیں۔ آرزو نے اکثر الفاظ کی تشریح قدیم فارسی کی طرح کی ہے مثلاً تفسیر زاہدی میں صابین کو نفوشاک سے تفسیر کیا ہے۔ پھر تفسیر حسینی، تفسیر کبیر^(۲) میں صابین کو

نفوشاک کے معنی میں ہی پایا۔ اسی طرح وہ الفاظ جو دواؤں ۱۔ تفسیر زاہدی یا تفسیر زاہد درواہکی سیف الدین فخر الاسلام ابو نصر احمد بن حسن بن احمد بن سلیمان زاہد درواہکی یا دلرانی کی تالیف ہے ان کا انتقال ۴۹۵ھ/۵۴۲ء میں ہوا۔ یہ تفسیر سیف الدین لطیف التفسیر جو النفس کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ملاحظہ ہو مرکزی دانشگاہ تہران ج ۱، ص ۱۶۲۲

(۲) مقدمہ رسالۃ العقلیۃ فی الاحادیث النبویۃ: داسرۃ المعارف فارسی ج ۱ ص ۴۵۱ میں تفسیر حسینی کو کاشفی کے نام سے یاد کیا ہے۔ کمال الدین جہانگیری اہل ہمتی کے دغظوں میں سے تھے۔ انہوں نے ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء میں اس دنیا کو خیر باد کہا۔ ان کی تصنیف میں جو اہر التفسیر، مواہب علیہ، الزوار، ہبلی، مخزن، انشاد اخلاق، محنی، روضۃ الشہداء اور اختیارات نجوم وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ تفسیر کبیر یا مفتاح الغیب کے مصنف ابو الفضل محمد بن عمر الحنین معروف بہ فخر رازی ہیں۔ ان کے خاندان والے ۲۵۴ھ/۱۱۶۹ء میں طبرستان سے ری آئے اور یہاں فخر رازی پیدا ہوئے۔ بیرند ہبائے شافعی تھے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں وہ ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء میں فوت ہوئے۔ ملاحظہ ہو مقدمۃ الرسالۃ اکمالیۃ الحقائق ۱ لا ھیۃ

اور اعزاز کے لیے استعمال ہوئے ہیں ان سے ذخیرۂ خوارزم شاہی اور اختیارات بدیع^(۲) کی طرف رجوع کیا اور ہر اس لفظ کی وضاحت کے لیے جو ملکوں، قصبوں وغیرہ کے سلسلے میں تھے۔ حمد اللہ متوفی کی نزہت القلوب اور عجائب البلدان^(۳) سے رجوع کیا۔

بسی رنج بردم بسی نامہ خواندم ز گفتار تازی و از پہلوئی
۱۔ ذخیرۂ خوارزم شاہی فارسی زبان میں طب کی کتاب ہے جس کے مصنف اسماعیل جرجانی نے ۵۳۱ھ/۱۱۳۶ء میں وفات پائی۔ انہوں نے اس کتاب کو قطب الدین محمد خوارزم شاہ کے نام تالیف کیا۔ یہ طب پر فارسی زبان میں یقیناً پہلی کتاب ہے۔ ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف ج ۱، ص ۱۰۳۸۔ اختیارات بدیع فارسی کی لغوی اور طبی کتاب ہے۔ اس کے مولف علی بن حسین انصاری معروف بہ حاجی زرین عطار ہیں یہ کتاب ۵۷۰ھ/۱۱۳۶ء میں دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد میں دواؤں اور کھاس پھوس کے مفرد نام ہیں اور دوسری میں دواؤں کے مرکب نام ہیں۔ ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف فارسی ج ۱، ص ۶۷۔

(۳) نزہت القلوب کو حمد اللہ متوفی نے ۵۷۰ھ/۱۱۳۶ء میں تالیف کیا ہے اس کے مصنف خواجہ رشید الدین فضل اللہ کے تابع تھے اور ۱۱۷۰ھ/۱۳۱۱ء میں اسی وزیر کے حکم سے قزوین، زنجان، البہر اور طارمین کے مالی امور کی پیشکاری حاصل ہوئی۔ وہ شروع جوانی سے ہی دانشمندوں کی صحبت میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ رشید الدین کی مجلس سے مستفیض ہوئے۔ ان کی تصنیفات میں تین کتابیں تاریخ گزیدہ، ظفر نامہ اور نزہت القلوب پائی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو نزہت القلوب ص ۴۰۔

(۴) یہ کتاب ابوالموید یعنی سیبویہ کے نام سے اس کا موجودہ ہستیاب بخوبی تحریر میں ہے۔ اس کتاب نے چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی ہجری کے باقی ماندہ

اس اصل میں جن کتابوں اور مصنفین کا ذکر کیا ہے یہاں ان کا محض نام لکھنا ہی کافی ہے مثلاً ابو حفص ^(۱) سنوری، اسدی ^(۲) طوسی حافظ ^(۳) ادبی صاحب تحفۃ الاحباب نیازی ^(۴) نزاری صاحب جامع اللغات ^(۵) احمد منیری ^(۶) صاحب شرف و شیعہ ^(۷) جہاں

(بقیہ صفحہ ۱۷۷) اوایل میں شہرت پائی۔ اس کتاب کا ذکر تاریخ سیستان میں کئی بار ہوا ہے ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران ج ۱، ص ۲۱۸

۱۔ حکیم ابو حفص سنوری سمرقند کے رہنے والے تھے یہ تیسری صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ نازسی کا پہلا شعر ان سے ہی منسوب کیا جاتا ہے۔

آہوی کو بھی در دشت چگونہ دوزا اوندارد یار بی یار چگونہ روزا
ابو حفص کو صنائع موسیقی میں کمالی حاصل تھا ملاحظہ ہو لغت نادرۃ ص ۲۲۸

(۲) اسدی طوسی، گرٹا سپ نامہ کے سولف ہیں انہوں نے ۲۵۸ھ / ۱۰۶۵ء میں ایک فرہنگ لغت فرس کے نام سے تالیف کی۔

(۳) حافظ ادبی کی فرہنگ دسویں صدی ہجری کے نیمہ اول میں لکھی گئی
(۴) پہلے ان کا گھر ہرات میں ہوا جہاں شاہ محمد نامری فن موسیقی کے استاد
ایستغاثہ کیا۔ رک ہفت اقلیم ص ۳۶، ج ۳۔

(۵) احمد منیری عارف اور صدیقی تھے یہ شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کو منیری اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ شہر منیر کے رہنے والے تھے جو رودخانہ سون کے پاس ہے۔

(۶) ابراہیم توام فاروقی کا ایک لغت نامہ جس کو فرہنگ ابراہیمی اور شرف نامہ

منیری بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ۸۶۲ھ / ۱۲۵۷ء اور ۸۷۹ھ / ۱۲۷۷ء کے درمیان
ابو الغفر یارک شاہ اراکی ہنگار کے عہد میں تالیف ہوئی۔ اس لغت نامہ میں کلمات کے معنی تفصیل
سے بیان ہوئے ہیں اور معروف شعرا کے کافی شعر و شواہد کا ذکر ہوا ہے اس لغت نامہ میں بہت
چھ باب ہیں اور ہر باب کے ذیل میں تفصیل شامل ہیں اور ان میں حروف اول، دوم، ثانی کے اعتبار سے
کلمات کو ترتیب دیا ہے۔ ترکی الفاظ کے معنی بھی تفصیل کے آخر میں بیان ہوئے ہیں بقیہ ص ۹۹

قاضی خاں بدر شہسود دھاروال صاحب ادات الفضلا، شیخ لاڈ (۳)
 دہلوی صاحب مویذ الفضلا اللہ (۴) فیضی سرحدی مواف مدار الا فضل مع لغز سرحدی وغیرہ
 انہیں یہ کشف اللغات و اصطلاحات کے مولف ہیں جو کہ دسویں صدی ہجری کے
 وسط میں تالیف ہوئی۔ یہ کتاب دوبار شایع ہو چکی ہے آخری بار نول کوثر سے طبع ہوئی۔

۷۔ ان کا نام قاضی خاں بدر محمد دہلوی ہے ان کو فارسی لغات سے بہت دلچسپی
 تھی یہ ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء میں خان اعظم خان مخم سند عالمی قدر خان ابن دلاؤ
 خان کی آستان بوسی کے ارادے سے جون پور سے مالوہ کے لیے روانہ ہوئے
 اور وہاں پہنچ کر جو کچھ ممدوح کے لیے سنا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں
 نے اپنی فرہنگ ادات الفضلا کے توسط سے خان اعظم قدر خان کے دربار
 میں رسائی حاصل کی۔ ان کا تعلق اس دور کے اہم مراکز سے رہا۔ پہلا مرکز
 دہلی دوسرا جوئیپور جو کہ غرضہ تک مشرقی ہندوستان کا اہم علمی و ادبی مرکز تھا
 اور تیسرا دھاروال جس سے قاضی خاں متعلق تھے۔ ان کی ایک اور فرہنگ
 دستور الاخوان ۸۲۷ھ / ۱۴۲۳ء سے پہلے مرتب ہوئی تھی۔

(۴) ادات الفضلا فارسی کی قدیم فرہنگ ہے اس کی ترتیب پہلے اور آخری
 حرف کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اس کی ترتیب کے سلسلے میں مولف لکھتے
 ہیں کہ اس نے فارسی، دری، پہلوی اور ماد راہنہری لغات بجز فارسی فرہنگنامہ
 فخر تواس، رسالۃ التقصیر، رسالۃ اسدی طوسی، دستور الافاق، فلان
 الشعرا، نواید بربانی و سر دوسی (بجذ نکرار) سے الفاظ جمع کر لیے
 ان فرہنگوں میں سوائے فرہنگنامہ رسالۃ اسدی طوسی، دستور الافاق مثل
 صاحب خیرات اور فخر تواس کے بقیہ سب ناپید ہو چکی ہیں، اور
 دوسرے الفاظ اور بادشاہوں اور شہزادوں کے نام وغیرہ (باقی صفحہ ۸۰ پر)

تیرہویں اصل :

اس اصل میں مولف نے لغت کے معنی ثابت کرنے کے بارے میں

جو تذکرہ فرہنگوں میں نہیں ملتے انھیں بھی زیر ترتیب کتاب میں شامل کر لیا۔

علامہ پیر خاتانی الوری، ظہیر فاریابی، فردوسی، نظامی سعدی اور دوسرے

مشاہیر شعرا کی اصطلاحات و ترکیب کو خود مولف نے اپنی استعداد کے مطابق

جمع کر لیا۔ یہ فرہنگ ہندستان میں لکھی گئی اور قدیم فرہنگوں میں اس کا ایک

اہم مقام ہے۔ ادات الفضلا میں جو ہندستانی یا اردو کے الفاظ آگئے

ہیں وہ مولف کے زمانے میں بول چال میں رائج تھے ان میں سے بعض الفاظ

آج بھی مستعمل ہیں، بعض میں قدرے صوتی اور املا کی تبدیلی واقع ہوئی ہے

کچھ متروک ہو چکے ان الفاظ کا مطالعہ ہندستانی لسانیات کے ارتقا کو سمجھنے

میں مفید ہو سکتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے

اس فرہنگ میں شامل تمام ہندستانی الفاظ کا انتخاب کر لیا ہے ان

الفاظ میں بعض ایسے ہیں جن کی صحیح صورت متعین نہیں ہو سکی ہے لیکن

بعض اپنی ابتدائی شکل میں آج بھی مستعمل ہیں یہ الفاظ عام بول چال

کے ہیں ادبی نہیں ہیں، ان پر ساڑھے پانچ سو سال سے زیادہ کی تطویل مدت

گزر چکی ہے، اس لیے لسانی اہمیت سے قطع نظر یہ ہمارے لیے قیمتی سرمایہ

کا کام دے سکتے ہیں لیکن ان الفاظ کی شکل اور معنی کا تعین اصل

فارسی لغات کے بغیر دشوار تھا اس لیے فارسی لغات حروف تہجی

کی ترتیب سے پوری تشریح کے ساتھ درج کیے گئے ہیں مثال کے لیے

چند الفاظ ملاحظہ ہوں :

آفتاب پرست۔ جانور ایسا کہ عرب آنرا بادل ہند گھر گھٹ خوانند

ذکر کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ کسی زبان کے الفاظ اور اس کے معنی کو ایک نسل سے دوسری نسل تک زبانی اعتبار سے فقط سکر منتقل کیا جاسکتا ہے اور منتقلی سلسلہ وار بھی ہو سکتی ہے اور غیر سلسلہ وار بھی (امام فخر الدین رازی لمای کتاب اصول میں بتایا ہے کہ دونوں طرح کے طریقوں میں الفاظ کے معنی کے تعین میں بہت

تھکاوٹ ہے۔ اس کے معنی کہ علامہ شیخ
آخر حج گوشت پارہ عربیہ نزلہ نزلہ دہلی ہند ساگہ بندہ اورن۔ غلامیت کا نام لکھا ہے۔
یہ تبادلہ الفاظ زمان کو کیا بھرا لفظ سائل اور شرف نامہ وغیرہ میں موجود ہیں۔

۴۴۔ یہ بہت نفیس لغت ہے۔ اس کے مولف شیخ محمد بن شیخ لاد دہلوی ہیں اور بقول بلو خمال "کنز بیوشن ص ۹" بہ ۹۲۵ھ / ۱۵۱۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں شاہنامہ کے لفظوں اور اسکی عبارتوں، خمسہ نظامی اور اشعار سنائی کے قطعہ، دیوان غناتانی، انوری، ظہیر فارابی، صہری، حافظ سلمان سادجی اور سعودی وغیرہ کے الفاظ کی بھی تشریح کی گئی ہے مولف مولیٰ الفضل چند کتابوں کے مالک ہیں۔ مویٰ الفضل دو جلدوں میں پروفیسر محمد باقر کے اعتبار سے لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۵۔ شیخ اللہ داد سرہند کے علاقے میں پیدا ہوئے۔ بہت سے متشرقیین ان کا نام الزاد لکھتے ہیں لیکن انہوں نے خود اپنا نام اللہ داد لکھا ہے۔
۴۶۔ شیخ فیضی نے اس لغت کو سلطان جلال الدین محمد اکبر کے عہد میں ذی الحجہ ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء میں مکمل کیا اور مادہ "تاریخ" کو اس قطعہ سے نکالا ہے :

بیایان رساند از سر اختتام
خرد گفت فیضی بگو "فیض عام"

چوں این نامہ را نامہ تیب زد
پی سال تاریخ او از قضا

زیادہ مشکلات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان مسکلوں کو آرزو نے حل کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ آرزو نے کہا ہے کہ کیا عربی اور کیا فارسی دونوں میں یہ مسئلہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ فارسی کا حال عربی سے بھی گہرا ہے کیونکہ عربی میں صحاح اور قاموس جیسی لغتیں موجود ہیں جو جامع ترین لغتیں تھیں اور ان کے ذریعہ ان مسکلوں پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے لیکن جہاں تک فارسی کا تعلق ہے اس دور کی جامع ترین لغت فرہنگ جہانگیری اور فرہنگ سروری ہے اور ان میں غلط معنی اور تصحیف و تحریف فرہنگ رشیدی سے عیاں ہیں جیسا کہ برہان قاطع میں درج ہے کہ اس کا ماخذ ایک سامانی کتاب ہے جس کو ہندستان کے کسی عالم نے لکھا ہے جس کا وطن سامانہ ہے جو ہندستان کا مضافاتی سرحد میں ایک قصبہ ہے۔ ایسی صورت میں ان کتابوں پر یقین کرنا زرا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ صوتی اعتبار سے جو لفظ ملتے جلتے ہیں اور ان لفظوں کا عام لوگوں میں رواج ہے ان کو متواتر کہتے ہیں جیسے کہ برد اخفت رفت وغیرہ، اور دوسری صورت میں وہ الفاظ جن کا عام رواج لوگوں میں نہ ہو اور وہ غیر مشہور ہوں ان کو احاد کہا جاتا ہے مثلاً من ترا زاد کردم عبد حرمشہود یا اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھ سے قطع تعلق کر لیا، یا میں تجھ سے دور ہوا یا اپنا سامان پکڑا اور میرے گھر سے نکل تو اس طرح کہنے سے ملاقا ہو جاتی ہے۔ اگرچہ فقہانے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔

چودھویں اصل

یہ اصل ان لغات سے متعلق ہے جن کے فارسی الفاظ کو بھلا دیا گیا ہے لیکن ان کی عربی مشہور ہے اور اہم احتمال میں وہ رائج ہیں امام ثعالبی اپنی کتاب فقہ اللغة میں بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جن کی فارسی کو تو بھلا دیا گیا ہے لیکن ان کی عربی مشہور اور محکم ہے جیسے کف، ساق، فراش، بزاز، وزن، کیال، مساح، بیاع، دلال، صراف، بقال، جمال، قصاب، بیطار، رائف، طرار، خراط، خیاط، قزاز، امیر، خلیفہ، وزیر، حاجب، قاضی، صاحب البرید، صاحب الخیز وکیل، ستفاء، ساقی، شراب، دخل، خسروج، حلال، حرام، برکت، عدت، صواب، خطا، دوسوسہ، حساد، عاریۃ، نصیحت، صورت، طبیعت، غالیہ، خلوق، حنا، جبہ، مقنعہ، دراعت، ازار، مضرب، لحاف، مخدّت، نعل، فاخۃ، قمری، خط، قلم، مداد، صبر وغیرہ۔ مولف شمر کا کہنا ہے کہ جو کچھ ثعالبی نے بیان کیا ہے حقیقت میں ویسا ہی نہیں ہے کیونکہ صحاح کے ترجمہ صراح میں کف کے معنی پنجم آیا ہے۔ رائف فارسی میں شہسوار اور سواروں کو کہتے ہیں۔ فارسی میں خیاط درزی ہے اگرچہ درز کے معنی شگاف (سوراخ) کے ہیں۔ یہی معنی لغت قاموس میں بھی آیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ معرب ہے۔ اسی طرح خراط، دال کے ساتھ فارسی میں خراط ہو جاتا ہے چنانچہ نورالدین ظہوری نے اپنے رسالہ خوان خلیل^(۳) میں اس لفظ

۱۔ رک مزھر ص ۶۱-۶۲، ص ۱۳ سے آگے۔

۲۔ رک صراح ص ۳۶۲

۳۔ سنہ ظہوری کا رسالہ سوم جو کہ خوان خلیل کا دیباچہ ہے، ملاحظہ ہو ص ۵-۱ اصل میں مرقعہ بالکل برعکس آیا ہے۔

کا استعمال کیا ہے

رندہ کرد است کجروی ز نہاد فرزند راز استقامتش خسراد^(۱)
 خلیفہ جانشین کے معنی میں ہے اور عربی میں اس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔
 طراز فارسی میں کیسہ بڑ کو کہتے ہیں اور فارسی میں تراز کے معنی علم جامہ
 ہے اور احاطہ کے بجائے تراز ہے۔ قزاز ابریشم فروزش کو کہتے
 ہیں۔ حاجب کو دربان، شراب بادہ و می ہے۔ دخل درآمد و حد شک
 و سوسہ، خار خار کسا دنا روائی نصیحت اندرز، صورت چہرہ
 مقنعہ سر انداز، آزار خود لفظ فارسی ہے اور ایزاریں ی بڑھا کر بھی فارسی
 میں متعمل ہے مضر بہ فارسی میں شاد گوڑ ہے اور توشک سے مراد ہے
 جس پر سوتے ہیں۔ لحاف کو کنز اللغۃ میں بقرا کند و پیہ آگند ترجمہ
 کیا ہے۔ فعل سے مراد فعل اسب، فارسی میں جوتے کے معنی میں بھی آتا
 ہے جبر کو سیاہی کہتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے :

در نامہ زمانہ بجز حرف جذائیت گویا کہ از سیاہی لشکر نوشتہ اند
 پند رھویں اصل،

اس اصل میں مولف نے بتایا ہے کہ مفرد^(۲) وہ ہے جس کو ایک
 اہل لغت استعمال کرے لیکن دوسرا اس کو نقل نہ کرے۔ اور اگر دوسرا
 اس کو استعمال کرتا ہے وہ مفرد ہوتا ہے اس طرح کی مثالیں فارسی میں
 بہت پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ سراج اللغۃ کے مطالعہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) اصل : ورد (۲) جہانگیری ص ۳۰۵ شادگو نہ توشک باشد کہ بر آن خواب کنند۔

و آنرا نہائی نیز گویند۔ (۳) مضر بہ ص ۶۳ : ”و صریحاً ما انفرد بروایۃ واحد من اهل
 اللغۃ ولم یقلہ احد غیرہ۔ حکما القیول ان کان المتفرد بحد من اهل القبط
 والافاق“

سوطھویں اصل

یہ افضل فصاحت کلام سے متعلق ہے اور مزہر کے ان مباحثوں پر جو فصاحت کلام سے متعلق ہیں مبنی ہے۔ امام راغب کا قول ہے -
 ”الفصح خلوص الشئ مما لیشوبہ واصله فی اللہن یقال فصیح اللہن
 وافصح فهو فصیح ومفصح اذا تحری من السغوۃ قال الشاعر و
 قمت السغوۃ اللہن الفصیح ومنه استعیر فصیح الرجل جادت لغة وفصح
 کلام بالحرسیۃ وقیل بالکس والاول اصح“۔ ابو بکر زبیدی نے طبقات
 نحویان میں لکھا ہے کہ کلام ثعلب سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ میں فصاحت
 کا دار مدار الفاظ کے کثیر استعمال پر ہوتا ہے۔ زبیدی بھی اس رائے
 سے متفق ہیں کہ متاخر عربی کے ارباب بلاغت کی رائے کے مطابق ہر فرد
 کے لیے ممکن نہیں ہے کہ قدامت عہد کی بنا پر تمام زبانوں سے واقف
 ہو، مثلاً بہت سے الفاظ جو رد کی کے زمانے میں رائج تھے متوسطین
 و متاخرین کے شعرا یا مصنفین کے یہاں وہ لفظ نہیں پائے جاتے
 جس کی وجہ سے لغت کی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے
 کہا ہے :

خدایا راست گویم فتنہ ارتست ولی کس را نمی تابد تجمیدن
 لفظ تجمیدن کے معنی اعراض کرنا ہے۔ آرزو کے مطابق فصاحت کلام
 ان الفاظ اور محاورات پر منحصر ہے جو کہ غریب ہوتے ہیں اور قابل قبول

۱۔ مزہر ص ۹۱

۲۔ ایضاً از مدار الفصاحت فی الکلمۃ علی کثرۃ الاستعمال العربیہ بانانہ قال اولی
 فصیحہ هذا کتاب الخیار الفصیح من ما یجری فی کلام الناس راکنتم فہمہ ما فیہ لغۃ
 واحده والناحن علی خلافہا فاجبرنا۔

دپرکشش بھی ہوں جبکہ تنافر ان الفاظ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کہ غلط اور بیکار لفظوں کی ترکیب سے بنتے ہیں۔ آرزو کے تردید کرنا بہت سمجھ بعض کلمات کی ترکیب کے سبب ہوتا ہے جیسا کہ اس بیت میں ہے:

کونگا ہی کہ گلستان ترا سبز کند دو جہان یک گل رعناست ز رعنائی تو
اسی طرح حرف "ب" راز لفظ کجاستھ، چنانچہ ایک متاخر شاعر کا یہ شعر،
براز فقیران شب زندہ دارت . بسوز و گداز دل عاشقانت
اسی طرح کوثر، زای معجز کے ساتھ :

زانکہ در نازک جہانی کوثر را سخن بردہ است
رُوس جو کہ فعول کے وزن پر ہے روس فعل کے وزن پر استمال کیا ہے،
اسی طرح مسر و یطوس جو کہ مفعولات کے وزن پر ہے مفاعیل کے
وزن پر باندھا ہے، متاخرین میں سے کسی نے یہ ترجیح بند کہا ہے :

تانیک و بد ز ممانہ خوبی این بد کہ بمانی شوی نیک
در کلبہ تنگ بی قساری یک لحظہ مرا نمی گذار یک
بنشینم و سر نہم بزانو در پردہ دل پرستم آن دو
الاک کو شیخ سعدی نے خاک و پاک کے ساتھ تانیہ باندھا ہے اور ایسا
سعدی نے شعری ضرورت کی وجہ سے کیا ہے اور اس صورت میں
یہ جائز ہے :

چو در شعر گفتن ضرورت شود تشدید چیران جائز بود

حزین کی اس^(۱) بیت کو
اگرچہ عدالت زنی خوری یا براہ شوق خدادادہ شمیم چو باز بر کا حدیث منزل ز شوق گویم بہشت بوم

(۱) یہ ترجیع بند نجف آقای شانی کی ہے۔ (باقی صفحہ ۱۸۷ پر)

خان آرزو نے غلط جانا ہے اور اس کی پوری تشبیہ کی ہے
اگرچہ عند سرائ در رہ اوز بی خودی ہا فسادہ با تم

چو باز پرسی حدیث منزل ز شوق گویم بشت یوا
فارسی زبان دافون کا یہ طریقہ ہے کہ عربی کی جمع کو مفرد کے
طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ بھی کثرت استعمال پر موقوف ہوتا ہے
جیسا کہ اس بیت میں۔

دشمن آئینہ اند آہنا کہ عہد عزت اند

خلوقی کا بنای جنسی کتھرائی کردہ لشت
لفظ ابنای جنسی بمعنی ہم جنس آیا ہے۔ اسی طرح لفظ اجلۃ الحکما
(۱) ظہوری کی اس بیت میں :

خروش چون شوم از غیب می دہند ندا
کہ لب مہند ز مدح اجلۃ الحکما

بقیہ حاشیہ : ۱۸۶

۲۔ دیوان سعدی چاپ نول کشر، کانپور ۱۹۰۶ء ص ۶۶ : سعدی کی ایک
ایک معروف ترجیع بند اس طرح ہے :

ای بر تو قبای حسن چالاک صبر پیر من از ہدایت پاک
اور د بیت جن میں خاک و پاک کا تافیہ استہالی ہوا ہے اس طرح ہے :
بشت بہ تو افع است گوئی اقتادن آفتاب بر خاک
ما خاک شویم و ہم نگرود خاک درت از جہن ناپاک

اور تافیہ الاک اس بیت میں ہے : پای طلب از روشن فرو ماند
مہ نیم و چارہ نیت الاک

(۱) رک سفینہ حنریں ص ۱۰

(۲) یہ مقالہ انگریزی میں ہے ص ۱۸۶ یہ تصدیق حکیم محمد لوی سفیر بجا پور کی مدح میں ہے۔
(۳) اصل کہند۔

یہاں بجائے اجلۃ الکمال استعمال ہوا ہے اور ان دونوں
لفظوں کے غلط ہونے کی وجہ ایک ہی ہے یعنی تلفظ اور عدم فصاحت۔
اساتذہ میں سے کسی نے بھی اس کو نہیں استعمال کیا ہے۔

مولف کے نزدیک لفظ کے فصیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک ساتھ
ہم معنی لفظ نہیں استعمال کرنا چاہیے جیسے ارزقی :
تو ان کسی کہ زہر گزافہ بخشیدن ز زہر و سیم ہی کم کنی رسوم حساب
ستر مہویں اصل :

یہ اصل ردی اور مذموم الفاظ سے متعلق ہے ابن فارس
فقه اللغة میں فرماتے ہیں :

« منها اللحناء والكشكشة والكسكسة » یہ تحقیق مزہر سے ماخوذ ہے
جس میں بتایا گیا ہے کہ عرب قبیلوں میں عربی الفاظ کے لہجے الگ الگ
ہیں مثلاً قیس اور تمیم قبیلہ لفظ کے ابتدا کے ہمزہ کو عین میں تبدیل کر دیتے
ہے اور الم (در بخ) کو علم (محضدا) پڑھتا ہے۔ انک کو عنک اذن
کو عنن میں بدل دیتا ہے۔ تمیم قبیلہ کاف مونث کے بعد شین کا
استعمال کرتا ہے اور اس کو مکسور گردانتا ہے اور بک کو بکش اور
علیک کو علیکش پڑھتا ہے ربیعہ اور مضر بجائے کاف کے شین لے آتے
ہیں جیسے منک کو منش اور علیک کو علیش پڑھتے ہیں لغت یمن
میں جم اور کاف کے درمیان جو حرف ہوتا ہے اس کو ی میں بدل

۱۔ دیوان ارزقی چاپ نفیسی ص ۴

۲۔ دیوان : زہر و سیم خلن

۳۔ مزہر ص ۱۰۹

دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات قابل توجہ ہے کہ تمیم قبیلہ کے لوگ کاف کو گاف کہتے ہیں۔ خان آرزو بتاتے ہیں کہ تمیم قبیلہ کے لوگ قال کو گال بولتے ہیں۔ انہوں نے ایک مشہور قصہ نقل کیا ہے کہ ہندستان کے بادشاہوں میں سے کسی نے ازراہ شوخی ایک ایرانی سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے یہاں غین کو قاف میں بدل دیتے ہیں، اس نے جواب دیا کہ حضرت آپ سے کسی نے قلم کھا ہو گا۔ بادشاہ اس کی یہ بات سنکر مسکرا دیا۔ اسی طرح حرف نون جو الف کے بعد آتا ہے واؤ میں تبدیل کر دیتے ہیں چاہے وہ لفظ عربی کا ہو یا فارسی کا مثلاً دکان کو دکون اور جان کو جون کہتے ہیں لیکن یہ تبدیلی صرف بول چال کی زبان میں ہوتی ہے۔ لکھنے پڑھنے میں اس کو اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ شعرا کی متاخرین میں سے کسی نے شعر میں لطف پیدا کرنے کے لیے اسی طرح اپنے شعر میں استعمال کیا ہے، اور اگر اس طرح نہ کریں تو وہ شعر غلط ہو جاتا ہے اور اگر اسی طرح ہی لکھیں تو شعرا اپنے پایسے گر جاتا ہے، جیسا کہ مخلص کاشی اس شعر میں بیان کرتے ہیں :

کار معجون کمونی می کند بیکان او

یہاں گمان کو کمون کر دیا ہے۔ اور معجون کمونی استعمال کیا ہے۔ اسی طرح ایک اہل زبان سے سنا ہے کہ وہ میم جو الف کے بعد ہوتا ہے اس کو بھی واؤ میں تبدیل کر دیتے ہیں اور شہزادہ کام بخش کو کوم بخش کہتے ہیں ۔

اٹھارھویں اصل

اس اصل میں مولف نے مطر و (عام الفاظ) اور شاذ (جوا الفاظ) کبھی کبھی استعمال کیے جاتے ہیں، کئے سلسلہ سے بحث کی ہے اور اس سلسلہ سے ابن جنی نے لغت کی خصوصیت کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کو

۱۔ فرطرج اص ۱۱۲ بعد: "قال ثم اظهر ان الكلام في الاطلاق والتشذوذ على اربعة اشرب مطر في القياس والاستعمال جميعاً وهذا الكلام هو الغاية المطلوبة فخرريد وضربت عملاً وهرت بسعيد، ومطر في القياس شاذ في الاستعمال وذلك نحو الماغي من يذرو يدع كدك قولهم مكان سبيل هذا هو القياس والاكثر في السماع باقل والاوّل مسموع ايضا حكاه البرزیدنی کتاب حیل وھالہ والتشذوذ اعاشی بعدک واد مبقل

وما بقوی فی القیاس ویضیف فی الاستعمال استعمال مفعول علی اسی صرحاً نحو قولک علی زید ذنبا اذ قالما اذ قیاماً ہذا هو القیاس غیر ان اسماء ورد بخطوط والاقتصاد علی ترکی استعمال الاسم ہذا ذکرتیم علی زید ان یقوم وقد جاء عنہ منی من الاول التشذوذ علی ذہ اکثر فی العذل علما داتم لا تغفل ان انی عسیت صاماً

ومن مثل السائر علی الغوایر البوسا (الثالث) المطر فی الاستعمال التشاذ فی القیاس نحو قولہم احرض المراث واستصوبت الامر خبیرنا ابو بکر احمد بن یحیی قال یرا استصوبت الشوق قال استصوبت ومنہ استخوذو انعلیت المراه واستنوفی الجمل وانتیت اشاة واستفیل الجمل (والرابع) الشاذ فی القیاس ولا استعمال جمیاء ہو کتبم مفعول مما عیلہ او یا نحو ثوب مصون وصلح منذ ووفی حکم البغدادیون فرب من فو ورجل منود من مرضه وکل ذلک شاذ فی القیاس والاستعمال فلا یسوغ القیاس علیہ ولا در غیر الیہ

بیان کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ کلام میں صناعت کی جگہ اعراب وغیرہ کا مسلسل استعمال ہو تو اس کو مطرد کہتے ہیں اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہو تو اس کو شاذ کہتے ہیں۔ آرزو کا کہنا ہے کہ مطرد و شاذ کے اصول فارسی اور عربی میں تقریباً یکساں ہی ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں حزمین کا یہ شعر نقل کیا ہے۔ جس میں لفظ پالایم کے بجائے پالم کا استعمال کیا گیا ہے اور یہ شاذ کی ایک بہترین مثال ہے۔
 حزمین از دیرہ می پالم زگاہ حشر آلودی۔ کز آغوش مرگ ان دادہ ام خاک صفا ہاں!
 پالم پالودن سے ماخوذ ہے اور اس کا فعل مستقبل پالایم ہے نہ کہ پالم۔ اسی طرح ہر مصدر جس کے آخر میں دال اور نون یا تاداد و دال و نون ہوتا ہے صیغہ مستقبل میں واو الف اور ی میں تبدیل ہو جاتا ہے مثلاً فرمودن فرماید، آسودن آساید، نمودن نماید، کشودن کشاید، زدودن زداید، بستودن ستاید۔ یا مصدر کے حرف نون کے بعد بطور کو مفتوح کر دیتے ہیں جیسے ستودن، ستود، درودن، درود، غنودن، غنود، اور بعض جگہ دونوں طرح سے ہوتا ہے جیسے بودن بُوکد اور باید حقیقت یہ ہے کہ شاذ اس وقت ہو جاتا ہے جبکہ اس کا استعمال بہت کم ہو، اسی طرح کا ”جنگل“ لفظ چمن اور چنان کے سلسلے میں ہے کہ چون مفرد ہے اور چنان مرکب، مثلاً کہیں گے، ”چشمش چو نرگس است“ اور دوسری جگہ ”چشمش چنان است کہ نرگس“ اور یہ مطرد کے قاعدہ کے مطابق ہوا اگر اس کے برخلاف ہو گا تو شاذ کہلائے گا اور غیر فصیح بھی۔ چنانچہ صاحب کی اس بیت پر اہل روزمرہ نے اعتراض کیا ہے۔

چون بس غنچہ تنگی می کند بر دوش گل بر فراز این عمارت پر نیان آسمان
انیسویں اصل:

یہ اصل اٹھارھویں اصل کا تسلسل ہے اور وحشی (فیصح) اور غریب
(غیر مشہور یا فیصح) الفاظ سے متعلق ہے، علمای عربی کا کہنا ہے کہ وہ
الفاظ جن کو صرف عالم کامل ہی سمجھ سکیں وہ فیصح ہوتے ہیں لیکن یہ فصاحت
کلام کو متاثر کرتے ہیں کیونکہ ان کو عام آدمی نہیں سمجھ سکتے ہیں، ایک
عباسی خلیفہ نے اپنے منشی سے کہا کہ اپنے کلام میں بلاغت اظہار کے
لیے وحشی الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرو کیونکہ یہ جہالت ہے اور ہمیشہ
ایسے الفاظ استعمال کرو جو کہ سہل اور آسان ہوں اور ان کے
معانی آسانی سے سمجھ میں آسکیں، آرزو کا کہنا ہے کہ فارسی میں بھی
اسی طرح سے ہے چنانچہ اہل فصاحت کہتے ہیں کہ لفظ ہمیشہ آشنا
اور معنی بیگانہ ہونے چاہیے، اسی لیے فصحا اور بلغاء لوطیانہ زبان سے
پرہیز کرتے تھے۔

۱- مزہرج اس ۱۱۴: (قال) واذا كانت اللفظة حنة مستغربة لا يعلمها
الا العالم اظهر زوالا عرابي القم فتلک حوسية قال ابو ابراهيم ابن المهدي
رکا تبہ عبد اللہ بن صاعد ایاک وتبع وحشی، الکلام طبعانی نیل البلاغة
فان ذلک هو العی الا کبر وعلیک با سہل مع تجنبک الفاظ السفلی
(۲) بھانڈوں کی زبان

ہمیں معلوم ہے کہ فارسی دوسری زبانوں مخصوصاً عربی زبان سے مخلوط ہے۔ اس لیے ایسے عربی الفاظ غریب کہلائیں گے جن کے معانی معلوم کرنے کے لیے بیسٹ کتب کی ضرورت ہو مثلاً جوہری کی صحاح، مجدالدین فیروز آبادی کی قاموس، بہشتی کی تاج الاسامی وغیرہ لیکن پیشمرانے عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو واقعی وحشی (فصح) ہیں۔ ملا طغرا مشہدی نے ہندی الفاظ کو اپنی نظم میں استعمال کیا ہے۔ ان کا ایک شعر یہ ہے۔

نوح سوسن را مکتودلی بایضمتہ اش ذات رجیوت است ستم دست برآمد ہر کند

۱۔ صحاح اللغة عربی کی قدیم ترین لغت ہے۔ اس کے مولف ابو نصر اسماعیل بن حامد فارابی ہیں جن کا شمار اہم ادبا میں ہوتا ہے مقدمہ لذت نامہ دھندلا ص ۶۶ بعد ۲۔ نام فیروز آبادی محمد کنیت ابو طاہر اور لقب مجدالدین تھا۔ وہ فارس کے ایک قبیلہ فیروز آبادی میں ۷۲۹ھ / ۱۳۲۸ء میں پیدا ہوئے اور ۸۱۷ھ / ۱۴۱۲ء میں بمین میں فوت ہو گئے۔ ان کی تالیفات میں "کتاب القاموس المحیو والقبوس الباطن" سب سے مشہور کتاب ہے جو کہ عربی زبان میں ہے، لغت نامہ دھندلا ص ۲۲۵، بعد۔

۳۔ اگر مولف مراد ابو جعفر بہتقی ہے تو ان کی لغت کا نام "تاج المصاדר ہے نہ کہ تاج الاسامی؛ مقدمہ لغت نامہ دھندلا ص ۲۷۹۔ بعد۔ بہتقی رمضان ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء میں فوت ہوئے لیکن ابو الفضل بہتقی نے بھی لغت لکھی ہے اور یہ لغت "مجموعہ لغز" میں شامل ہے چاہے علی اصغر حکمت، مقدمہ لغت نامہ دھندلا ص ۲۶۶، بعد۔

آرزو کے قول کے مطابق تاریخ و صائف میں بہت سے وحشی اور غریب الفاظ کا استعمال ملتا ہے جو کہ عربی اور ترکی سے فارسی میں لیے گئے ہیں

میسویں اصل

یہ اصل بہت طویل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ لفظ اگرچہ فصاحت کے اعتبار سے ملتے جلتے ہیں لیکن اعراب (حرکت) کی وجہ سے ان کے معنی میں بہت فرق ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ پر اس اصل میں طویل بحث کی گئی ہے اور اس طرح کے الفاظ ایک طویل فہرست بھی دی گئی ہے جو ساخت کے لحاظ سے ملتے جلتے ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کچھ الفاظ بطور نمونہ ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

حرکت (اعراب) کے اعتبار سے فرق

چراک	زیر اور زیر
افتاد	پیش اور زیر
نشر	زیر اور زیر
بستر	زیر اور زیر
سخن	زیر اور پیش (خپ)
پیرامن	پیش اور زیر (م پر)
پیل سم	زیر اور پیش
کافر	زیر اور زیر

لفظ کافر سیغی بدیع کے مندرجہ ذیل شعر میں زیر کے ساتھ استعمال

۱۔ تالیف شرف الدین عبداللہ کاتب شیرازی م: ۷۴۰ھ / ۱۳۲۹ء ہے اور صاف الحفرہ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ تاریخ جس کا اصلی نام تجرید الامصار و ترجمان الاعصار ہے تاریخ و صاف کے نام سے مشہور ہوئی۔

ہوا ہے اور اہل ہند سے لغت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں :
 در شہر ترکان جفاکش ستم گر بیرحم تری نیست ازین قاسم کافر
 لفظ پہن میں "ہ" ساکن ہے لیکن امیر خسرو حرکت کے ساتھ لائے ہیں۔

چون گل سوری شدہ گرد پہن لعل تر از لاله بروی چمن
 لفظ کیو^{۱۲} مرت قدما کے یہاں سکون "ر" سے استعمال ہوا ہے جبکہ متاخرین ایرانی
 مصنفین کے یہاں حرکت سے آیا ہے۔

۱۔ جہانگیری ج ۲ ص ۲۱۶۱، پہن بادل و ثانی مفتوح شیریں باشد کہ بسبب ہربانی
 و شفقت مفرط در پستان مادر طغیان کند مولانا آئی گفتم۔

پتہاں مثال غنچہ از شیر شبنم است از ہر طفل سبزہ برون آمدش پہن
 ۲۔ چراغ ہدایت ص ۸۹ : نام اول بادشاہان عجم مخفی نمائند کہ این لفظ در
 عرف متاخرین بکافی تازی و ثانی مثلثہ شہرت دارد و حال آنکہ ثانی مثلثہ در فارسی
 اصل نیست چنانکہ ارباب تحقیق گفتمہ و نفس الامریست کہ بفتح کاف فارسی گھمانی
 ہوا و رسیدہ و مسمی مفتوح و رای ہملہ و ساکن و فوقانی موقوف، فردوسی فرماید۔

نخستین غدیوی کہ کشور کشود سر پادشاہان گویو مرث بود
 و تفصیل آن در لغات قدیمہ نوشتہ شد و حق نرد فقیر آرزو داشت کہ گویو تلگ گوی
 بمعنی گویندہ و مرث مبدل مرد بمعنی مرد گویا ظاہر باد شاہ مذکور خوش زبان و شیرین
 عاوردہ بود کہ بدین نام موسوم و ملقب گشت و عجب آنکہ محسن تاثیر گوید کہ از شعرا
 قرار دادہ ایران است۔ این لفظ را ب حرکت راء ہملہ آ درودہ و این ہواست
 با آنکہ ایں قسم ہم بنظر آدمہ باشد از عالم ترس کہ لبکون را و حرکت آن ہر دو آندہ
 لیکن در کتب لغت کہ مشہور اند چنین دیدہ نشد و می تواند کہ از عالم تصرف شاعر قدس سخن
 بود کہ اسکان و تحریک و تخفیف و تشدید مراد را جائز است از راہ قدرت و تصرف نازردی
 غنچہ خاتمہ در جہاں نوشتہ ام محسن تاثیر گوید : زرد سہ کیو مرث نخستین
 در بندگی تو از سلاطین

دونوں طرح کی مثالیں چراغ ہدایت میں درج ہیں مولف کے نزدیک قول اول صحیح ہے۔ کیونکہ یہ مرکب ہے ”گیو“ کاف فارسی سے کچھ گوی و مرت مبہل بہ مرد یعنی مرد گویا کہتے ہیں اور گویو مرث بتار مثلاً اس کا معرب ہے جو کچھ اور پر ذکر کیا جا چکا ہے وہ فارسی الفاظ کے لیے مخصوص تھا یہی طریقہ کار ان عربی الفاظ کے ساتھ بھی اختیار کیا گیا ہے جو فارسی میں متعل ہیں۔ یہاں کچھ الفاظ دیے جاتے ہیں جو لہجہ کے اعتبار سے فرق رکھتے ہیں۔ نصر بفتح بمعنی یاری کردن، سیر معزی^(۱)

تاکہ بگیتی مدد است از طب تاکہ بعالم نصر است از ظفر
از طب آباد مدد دردد و ز ظفر آباد نصر بر نصر

اسی طرح لفظ عفو، سعدی کے درج ذیل شعر میں^(۲)

عفو کردم از وی عمل ہای زشت در آرم بفضل خود پیش در بہشت^(۳)
تا صخرہ و غیہ رود شنائی نامہ کے خاتمہ پیر یہ شعر درج کیے ہیں^(۴)
سپاس و شکر آن داد از ذوالمن کہ این نو بادہ پیدا کرد از من^(۵)
اگر سہوی بود در وی عفو کن در دیدہ پردہ کارم را رفو کن

۱۔ اس کلمے کے سلسلے میں آرزو کو غلط فہمی ہوئی ہے، گویو مرت مرکب ہے گویو بمعنی زندگی،

و مرت بمعنی مردن و درگذشتنی مردم۔ رک برہان قاطع ج ۲ ص ۱۸۷ اور بار تلوہ سے

منقول ص ۵۰۳ کا حاشیہ

(۲) پہلی بیت دیوان مغربی میں مبری نظر سے نہیں گزری لیکن دہری بیت کے لیے ملاحظہ ہو۔

دیوان ص ۳۱۸۔ (۳) کلیات سعدی ص ۳۱۲۔ (۴) ایضاً: ازد و عفو کردم

(۵) دیوان نامہ خسرو ص ۵۲۲، چاپ تہران (۶) ایضاً: از داری۔

(۷) ایضاً: بکرہ تازہ (۸) ایضاً: کردی۔

کفو، بہار الدین کریمی کی اس بیت میں :

طرہ دیدن امثال تو چون شانہ کنی جز در آئینہ نہ بینی بہمہ حال کفو
لیکن کفو حرکت کے ساتھ آرزو کے نزدیک غلط ہے جیسا کہ سراج میں
کفو ک پریش اور ف سکون کے ساتھ مانند اور ہمتا کے معنی میں
میں آیا ہے، اسی طرح لفظ کفن تحریک کے ساتھ جس کے معنی میت
کے لباس کے ہیں۔ یہ لفظ فارسی میں سکون کے ساتھ بھی استعمال ہوا
ہے۔ شفا فی ہجو میں ایک شعر کہتا ہے :

ذوقی بس مرگ کر شاست شنوید از لہ حیض خواہرت کفن کنند
بیتی ترا بخود می گیسرد گور در دخمہ منیت مکر دفن کنند
اسی طرح بو قلمون میں قاف اور لام پر زبر ہے اور لام پر سکون کے
ساتھ بھی آیا ہے مثلاً نا خسرو کے اس شعر میں (۱) :-

از گلاب و مشک بہر ش سانی آب و خاک و خشت

ہم ز عود و صندل آنرا روی بو قلمون کنی

منوچہری (۲)

فروز آل تیغ دی ہنگام ہجا چنان دیسای بو قلمون ملون
لفظ تنواری میں ت سکون کے ساتھ ہے جیسا کہ سلمان کے اس
شعر میں (۳)

(۱) دیوان نا خسرو ص ۲۰۵، شعر اس طرح ہے :-

از گلاب و مشک سازی خشت اور خاک و آب در ز عود و فرش اور روی بو قلمون کنی
(۲) دیوان منوچہری، چاپ سبانی، ص ۶۵ (۳) متن فہری آن

(۴) سلمان کے دیوان میں یہ شعر میری نظر سے نہیں گذرا لیکن لفظ تنواری کے لیے
ملاحظہ ہو لغت فرس ص ۱۲۰ اور وہاں یہ شعر شاہد کے طور پر آیا ہے :-
دوش تنواریک بوقت تحسّر اندر آمد زخمہ آن دلبر

گاہ آفت کہ بر بجز نہم دل کو کو دیر ہا ہست کہ افیز چون من متوار گاہ
 اسی طرح رانی میں ، سکون کے ساتھ۔ صلوات میں لام پرز ہے
 اور کہیں ساکن بھی ہے عرق میں ر، اور ، پرزبر ہے سبقت میں ساکن ہے
 قرن میں ؛ ساکن ہے ، لیکن انوری کے شعر میں حرکت کے ساتھ
 استعمال ہوا ہے^(۱)

وی دو قرن از کرم بردہ جہان مرگ نواست
 توجہ دانی کہ جہان بی تو چہ بی برگ و نواست
 کبھی اہل فارسی لفظ کی ماہیت میں تبدیلی کر دیتے ہیں جیسے لفظ نکمت
 میں ان پرزبر ہے ، اس کو پیش کر دیتے ہیں اور کاف کی جگہ گاف
 کا استعمال کرتے ہیں اور اس کے معنی میں بھی تبدیلی کر دیتے ہیں جیسے
 قلیان جو کہ عربی میں علیان ہے ۔
 اکیسویں اصل :

اس اصل میں آرزو نے بتایا ہے جب لفظ بنائے جاتے
 ہیں اس وقت ان کے تلفظ میں بعد کے متقابلہ میں نمایاں فرق ہوتا ہے
 اس طرح کے فرق دو طرح کے ہوتے ہیں ،

۱۔ دو حروف کو ایک حرف میں بدل دینا یہ طریقہ فارسی میں
 بہت رائج ہے جیسے نیم من۔ اس صورت میں پہلے میم کو دوسرے
 میم میں مدغم کر دیا اور پھر تخفیف کے لیے ایک کو حذف کر دیا اور
 نیم بنا دیا ۔

۱۔ دیوان انوری ص ۷۷

۲۔ متن : وی نہیں ہے ۔

۲۔ ایک حرف کو ایک ساتھ ہی دوبار استعمال کرنا جیسے شیرہ کے بجائے شپ پرہ۔ جہاں تک فارسی کا تعلق ہے اس میں حروف کو مرتب کرنے میں تشدید کے استعمال سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن عربی میں تشدید کا استعمال ہوتا ہے، اس کے علاوہ وہ عربی الفاظ جو فارسی میں استعمال ہوئے ہیں ان میں بھی تشدید سے کام لیا جاتا ہے جیسے -

ما من

من من

عما عن ما وغیرہ

کمال اسماعیل کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں^(۱)

خہ خہ ای دلبر درآ دوزا نیک می داری و خوش می دوزی
درا دوزا کے معنی صاحب تجربہ ہیں -

خسرم تازہ اور شاد کے معنوں میں اور یہ بغیر تشدید کے بھی استعمال ہوا ہے، میر معزی کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں^(۲)!

موسم عید و لب دجلہ و بغداد خرم۔ بوی ریکان و فروغ قدح و نالہم
فرخی^(۳)!

زخوی خوش تو ہر روز شادمانہ بود ہزار بار تیر دان محمد مختار

۱۔ دیوان کمال اسماعیل چاپ بکرا العلومی ص ۲۵ -

۲۔ ایضاً: خوب -

۳۔ دیوان امیر معزی ص ۷۹ -

(۴) دیوان فرخی چاپ پہلے ص ۶۱، شعر اس طرح ہے :

زخوی خوش ہر روز شادمانہ شود ہزار بار روان محمد مختار

رود کی (۱)

ہاکی گوئی اندر جام مانند کلاستی بخوشی گوئی اندر دیدہ بی خواہی
کجی ضد راستی ہے، انوری (۲)

بیاتاکثر نشیم راست گویم کہ کجی ماتم آرد راستی سوز
تشدید و طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ جس کا تخفیف (گرانہ) کرنا
بھی درست ہوتا ہے اور دوسرے وہ جس کا ختم کرنا ٹھیک نہیں
ہوتا جیسے کلمہ بمعنی سر و صورت، پلہ بمعنی کفہ ترازو، تکرہ غمازک
(۳) صلیحہ، لہاک (۴) غمناک، جرس، جلد وغیرہ۔ کافیہ کو ملاحظہ فرما
اس شعر میں تشدید کے ساتھ استعمال کرتے ہیں :

از و گشت کافیہ زیر و زبر نشد آگہ از مبتدا و خبر

۱۔ دیوان رودکی چاپ نقیسی ج ۳ ص ۱۱۲۸

۲۔ دیوان انوری ص ۲۳

۳۔ الیفاء کثری

۴۔ رشیدی ص ۸۷، بلکہ بفتح ۱۱، مشد زرنیل و سبد و در شعارف سبد
بزرگ پین را گویند کہ میوہ بسیار مخصوصاً انگور در آن کفند و بر سر پر دارند
و آن جماعت را سبد کش خوانند۔

۵۔ جہانگیری میں محل التوارتخ والقصص کے بارے میں بتا۔ تمبوہ
حاشیہ میں ۹۰ پر ملاحظہ ہو :

.. تہاک با اولی مفتوح و تشدید یا نام ہرادر پیران و یہ است کہ در جنگ دو اند
رخ گریخت و گشتم اورا تعاقب نموده گشت :

اندر عہد افراسیاب : پہلوان او پیران و یہ چوں ہومان و لہاک و در
فردوسی : جیو لہاک روی ہرادر بدید بدانت گز کاہ زار آرمید

تشدید فارسی میں بہت کم استعمال ہوتی ہے عربی اور فارسی دونوں
زبانوں میں ضرورت کے لحاظ سے تشدید کو ختم کر دیتے ہیں لفظ زقوم
جس کے معنی مشہور درخت کے ہیں سعودی کے یہاں اس طرح
استعمال ہوا ہے^(۱)۔

درخت از قوم از بجان پردی پذیرار ہرگز کزو بر خوری
کیفیت سحری شمشیر گر:

می کو زد دست ساقی مشکیں کلاہ نیست
در صد سبوش کیفیت یک پیالہ نیست
مشاطہ، نظیری^(۲)۔

زمن مشاطہ بتان صدق می طلبد ہنور دختر زرد در سر اچہ علی^(۳) است
حق، حافظ:

زا ہد ظاہر پرست از حال ما آگاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جای ہیچ اکراہ نیست
مستحق، کلیم:

عطاش مستحق و غیر مستحق شناخت۔ بریزد ابرچہ ویران چہ منزل آباد

۱۔ بوستان باب اول چاپ جاویدان ص ۲۵۔

۲۔ دیوان نظری۔ چاپ مصفا ص ۱۰۱۔

۳۔ ایضاً۔ جلی

۴۔ دیوان حافظ چاپ قزوینی ص ۵۰۔

۵۔ یہ شعر دیوان البوطالب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

موزن، شیخ نظامی^(۱) :

بر آوردہ موزن باول قنوت فبجان جمالذی لایموت،

سمنار جو کہ عربی نغظ ہے، نظامی :

چابکی چرب دست شیرین کار سام نسی و نام آن سمنار

دراغہ کے معنی کپڑے کے آتے ہیں، سعدی^(۳) :

بآدمی نتوان گفت ماند این جوان . بجز دراغہ دستار و نقش بیرونش

عیار حکیم سوزنی^(۵)

جہانداران ز چشم او شکوہ مند چو طراران شکوہند از عیاران

جمازہ، نظامی^(۶)

جمازہ بہ تنگ آمد از راہ تنگ سراز بار سنگین در آمد بنگ

نیت، نظامی :

پناہند را یاد کرد از نخت نیت کرد بر کامکاری درست

۱۔ شرف نامہ گنجوی نظامی چاپ ارمنان ۱۳۱۶ شمسی ص ۲۸

۲۔ ایضاً : کہ سبحان

۳۔ گلستان چاپ تہران ۱۳۲۸، ص ۹۱

۴۔ ایضاً : مگر

۵۔ دیوان سوزنی چاپ ناصرالدین شاہ حسینی میں اس سے مراد نظر کیا گیا

۶۔ شرف نامہ گنجوی ۳۲، لیکن مصرعہ اول مصرعہ دوم اور مصرعہ دوم اول

۷۔ ایضاً سراز (پای)، بار سنگین ... الخ

۸۔ یہ شعر شرف نامہ اور آقبال نامہ میں میری نظر سے نہیں گذرا اگرچہ یہ ردیف اور

عزّی و مملّہ، فرخی^(۱)

منات ولات و عزّی در مملّہ سہ بت بودند

ز دست برد بت آرای آن ز ماں آذر

دوز آن پیمبر شکست ہر دور او امروز^(۲)

قنادہ اندستان پیش کعبہ^(۳) بی پاوسر

منات راز میان کافران ہدّی^(۴) بردند

بختوری دگر انداختند زان کشور

بجای گاہی کز دوز گار آدم باز

بر آن زمین نہ نشست و نہ رفت جز کافر

ز بہر آن بت تبخانہ بنا کردند

بصد ہزار تماشیل و صد ہزار صور

پس آنکہ آفر کردند سو منات لقب

لقب کہ دید کہ نام اندر او بود مفسر

یہ تمام الفاظ تشدید کے ساتھ ہیں جن کو شعرا نے اپنے

کلام میں بغیر تشدید کے استعمال کیا ہے۔

باسیسویں اصل:

اس اصل میں خاص حالتوں میں حروف کے حذف کرنے کے لئے

کو بیان کیا گیا ہے۔ بقول آزدو ایک یا دو حرف کو حذف کرنے کے

۱۔ دیوان فرخی طبع مجلس تہران ص ۷۱۔

۲۔ ایضاً و ہر دورا امروز

۳۔ ایضاً: نگندہ بوستان پیش کعبہ پای بسر

۴۔ ایضاً: ہدّی دیدند

بعد کچھ الفاظ کے معیار میں کوئی فرق نہیں آتا یعنی حرف کے حذف کرنے سے پہلے جوان کی حیثیت کتنی وہی برقرار رہتی ہے اور ان کی مقبولیت میں بھی کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ مثلاً

چشم زرخ	چش زرخ
ہنوز	نوز
اکنون	نون
گوزن	گوز

چون دین	چون دین
فردین	فردین

مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں، پوربہا: (۲۱)
 بیدار شور رسید بشارت کریافت از چش زرخ حادث قطب زمان شفا
 حکیم ستانی: (۲۲)

مطلع بر نمائندگی اسرار نوز ناکردہ بردل تو گداز (۲۳)

مضاہیر رازی:

بہا لہ اندرون مالک ملوک توئی۔ جمال شاں ہما ز قست گاہ جود و نوال

۱۔ بیت جاگیر ص ۲۶۳، رشیدی ص ۵۱۰ میں کمال اسماعیل کے نام سے بطور شاہد

جہنم زرخ آبا ہے جو کہ چشم زخم کا محقق ہے (۲۱) ایضاً: جہان

(۳۱) آرزو نے اس بیت کو جاگیر سے نقل کیا ہے جاگیر میں اس ذیل میں سوزی

کی ایک بیت بھی درج ہے (۴۱) متن: کنار

(۴۵) آرزو نے عفا میری رازی کی بہ ملت جاگیر بیت ص: ۲۶۸ سے نقل کیا ہے

اس میں فرخی کی بھی ایک بیت اس ذیل میں درج ہے۔ (۶۲) جاگیر: جلال

شاہ رخ ابن تیمور کے ایک امیر شہاب الدین عبدالرحمن نے شاہ ملک کے مرثیہ میں لکھا ہے :

لگر آید خبر تغزیت میکبیر آنکہ در جنگ پخش چو گوز بد پلنگ
سبفی بدیعی کا یہ شعر :

برگہ کہ چون آ رہ شوم در ریش رون غلطان شوم براہ و نہ چون گویم و نہ جہ
عبدالواسع جلی :

تا باد براں سر بود درمہ آذر تابرگ ازاں زربود درمہ فردین
خورد بایہ یادہ کلرنگ و لوی گل کنی چون چمن خالی شد از گلہای ماہ قودین
میسر مغزی :

ہمیشہ تاکہ جہاں را سپہر سپر کہن جوان دنا زہ بنکام پرودین دارد
جو کچھ او پر بیان کیا جا چکا ہے وہ فارسی حروف میں حذف کرنے کے
بارے میں تھا، یہی انداز دوسری زبانوں مثلاً یونانی وغیرہ میں بھی
اختیار کیا گیا ہے :

۱۔ یہ بیت جہانگیری ص ۲۰۸۲ سے نقل کی گئی ہے ۔

۲۔ جہانگیری میں یہ دونوں مصرعے بالکل برعکس ہیں ۔

۳۔ دیوان عبدالواسع جلی ص ۳۲۹، جہانگیری ص ۱۰۶۷

۴۔ دیوان جلی : تشرین

۵۔ ایضاً : ص ۳۲۰، جہانگیری ص ۲۰۲۹

۶۔ ایضاً : ہمرنگ

۷۔ ایضاً : فرد دین (۸) دیوان مغزی ص ۱۸۳، ددراشعر فردین
کے ذیل میں ص ۱۷۱ پر اس طرح ہے : ! الا تاگو نہ زیکلہاں از ماہ دی داما
چنان چون زبرنای ز ماہ فرد دین دارد

ارسطا طالیس	سطا طالیس
اصطلاب	صلاب
مسرودیطوس	مسرودیطوس

چند شعر ملاحظہ ہوں، حکیم سنائی^(۱)
 شدہ در راہ حکمت قدریں برتر از یونس وسطا طالیس
 فردوسی^(۲):

ہمہ ز تیج و صلاب برداشتند بران کار یک ہفتہ بگذاشتند
 خاقانی:

در نیخت بخلق علی الروس صمد سرد طوس مسرودیطوس
 عربی الفاظ میں بھی حذف سے کام لیا گیا ہے:

ضرورت ضرورۃً دشمنین کے ساتھ

ضرور ضرورت

کدور کدورت

دی دیجور، دیجوجی، دیجور۔

شتقاق شقاق

عجوبہ اعجوبہ

سرار اسرار

۱۔ حلیۃ الخفیفۃ سنائی ص ۴۴۔

۲۔ شامہ ج ۱ ص ۱۲۲

۳۔ طب کی کتاب میں یہ کلمہ 'مسرودیطوس'، 'مسرودیطوس'، 'بشرودیطوس' اور

دیجوریت میں آیا ہے ہذاجۃ المتعالمین فی الطب ص ۲۰۱، ۲۵۶۔

ابلیس	بلیس
ابلہ	یلہ
بلہ	بل
عیالمنذ	یالمنذ
ہریان	یان

بنیامین بن دیا مین (نام زوہر یعقوب علیہ السلام)
 درج بالا الفاظ فارسی کے متعدد شعرا نے اپنے کلام میں استعمال کیے
 ہیں۔ اس ضمن میں ہم چند مثالیں ذیل میں نقل کر رہے ہیں؛ ظہوری
 بیاض کی بام کاخ اختشامش ضرورت کہکشاں را انرد بان گوی
 شفیعی اثر؛

از لطف تو ام ہر جہ ضرورت است ہیاست
 چیزیکہ من امروز ندارم غم فرداست

سلمانؑ
 سحاب فیضؑ تو آلودگانِ عقیار را۔ باب توبہ فرشتہ تن ز گرد کہ دور
 حافظؒ؛

حریفی بد مرا ساقی کہ ہر شبؑ ز زلف و رخ نمودی شمس و دی را

۱۔ دیوان سلمان ساؤجی ص ۱۲۴۔

۲۔ ایضاً: فضل

۳۔ ایضاً: کبرشور

۴۔ یہ بیت دیوان حافظ چاپ مدرس ص ۳۷ پہے

۵۔ ایضاً: ہردم

رود کی (۱) :

شفاق غالبہ گون است و نیت غالبہ بوی
 شکوفہ غالبہ بولیت و نیت غالبہ گون
 متاخرین میں سے کسی نے لفظ عجوبہ اس طرح استعمال کیا ہے ،
 اسی شیخ شہر با کہ تو ان ایں عجوبہ گفت
 بی پردہ گشت راز نہنہان از رداء تو

مولوی :

با صد ہزار علم و عمل جان فشان ترین
 از عالم سرار با ظہار آمدہ

عرفی (۲)

بلہانہ با قات قدر ساختہ بوم این عقل فضول آمد خفیق سببا کرو

مولوی (۳)

من بلم خود را اگر نہ خجی ز دم برخیزم و ربط را ری رہودم رفت طاری کجاست
 سوزنی (۴)

بودم حکیم سوزنی ار چند سال باز نایا لند کستم و کستم تھکمی

۱۔ دیوان رود کی ج ۱ ص ۱۹۰

۲۔ دیوان عرفی شیرازی طبع نول کشور ص ۱۰۳

۳۔ جہانگیری ص ۸۶ ۱۵: جل الحق و نادان را گویند و آنرا متبازی بلوغ

۴۔ ایضاً: چہ شد

۵۔ رشیدی ص ۱۵۲۰

(۱) فسخی

با سخن تو ہمہ سخنمایان است (۲) با ہنر تو ہمہ ہنر ہا سکار
 کبھی کبھی کلمہ کے تکرار سے حسن کلام میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حافظ (۳)
 گرز ہند روی شما بر من جفائی رفت رفت

دانشمند خانِ عالی عظیمای نیشاپوری کی غزل کے باب میں
 اس طرح کہتے ہیں :

فاصلہ مد گفتش آن ماہ سپین ہر چہ گفت (۵)
 گفت با مجرم باز و گفتش دیگر چہ گفت
 ہست عالی از عظیمای در غزل سہو عظیم

زانکہ از قاصد بود یک گفت پس دہر چہ گفت
 اس اصل کے آخر میں آرزو نے حرف کے تلفظ میں جو فرق مصوتوں
 کے ذریعہ رونما ہوتا ہے اس کی وجہ حروف کا حذف کرنا بتایا ہے
 اوّل حذف کو اس کا ذمہ دار بٹھرایا ہے ۔

تیسویں اصل :

اس اصل میں نفظوں کے آخر میں جو حرف کا اضافہ کر دیا جاتا
 ہے ۔ اس مسئلہ سے بحث کی گئی ہے ۔

۱۔ دیوان فرحی ص ۹۶

۲۔ ایضاً: سخنمایان قص (۳) دیوان حافظ چاپ انجمن ص ۳۹

۳۔ گرز ہند ملف شکنیت خطائی رفت رفت ۔ ورز ہند روی شما بر جفائی رفت رفت

۴۔ پہلی بیت عظیمای نیشاپوری کی ہے : ملاحظہ ہو فارسی ادب لعلہ درنگ زیب
 مولفہ نور الحسن ص ۱۳۸ (۶) دیوان : زانکہ از قاصد نہیں سیدہ کہ آن دہر چہ گفت

یہ اصل باسیوس اصل سے بالکل مختلف ہے یعنی اصل میں حرف کے حذف کا بیان ہے، اور اس میں اضافے کا بیان، جیسے ہمگان میں ن کا اضافہ کر دیا ہے اور ہمگنان ہو گیا، برہان میں ہم عثمان کے وزن پر آیا ہے۔ اسی طرح "مند" کے اضافے سے شاد منڈ فیروز مند "دان" سے خاکدان، زرخندان۔ بعض کا کہنا ہے کہ "مارافسای" اور "مارافسا" میں بھی اسی طرح ہے کہ افسای میں ی کا اضافہ افسایہ سے ماخوذ ہے۔ کبھی کبھی لفظ کے آخر میں جو الف ہوتا ہے خواہ فارسی میں خواہ عربی میں، اس وقت اضافت کی حالت میں ی کا اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً خدای دراصل خود آ ہے جو واؤ کے حذف کر دینے سے خدا بن گیا، اسی طرح کبریا میں سعید اثر نے ی کا اضافہ کر دیا ہے۔

از در معرفت در آئنا لم کبریای را

اور کبھی کبھی لفظ کے بیچ میں ی کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ فردوسی نے

شما ہنما میں سکندر کے مرثیہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

ارسطای طالیس پیش اندرون جہانی فردویدگان پیرز خون
اس شعر میں اگر ای نکال دیں تو بیت ناموزوں ہو جائے گی۔ اسی طرح
غوشا، غوشاک، غوشاد اصلی لفظ ہیں اور غوش ان کا مخفصا ہے
شہا، شہاب، شہتیاب، شہنشاہ غطار کہتے ہیں۔

- ۱۔ برہان چاپ مبین ۱۳۷۱ھ ص ۲۳۷۔ ۲۳۷۲۔
- ۲۔ جہانگیری ص ۹۲، مارافسا، مارافسون و مارافسای انونگر مارا گویند۔
- ۳۔ جہانگیری ص ۲۲۔ غوشاد بمعنی سرگین آیا ہے نہ کہ وہ جگہ جہاں جانور رہتے ہیں
لیکن غوشاد و غوشاک دونوں معنوں میں آیا ہے۔ لیکن برہان ص ۱۲۷
رغوشا و غوشاد و غوشاک تینوں لفظ دونوں معنوں میں درج ہیں۔

گرد ہی سر نبر آ ب بردند گرد ہی سر سو کی شنیاب بردند
 دو استاد صفا ہانی با شتاب برون بردند جان از دست غرقاب
 اسی طرح کس است، دو دو تاه، فرامش فرامشت، بالمش بالشت
 پاداش پاداشت ہو گیا۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے الفاظ مثنوی
 میں درج ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں نقل نہیں کیے جا رہے
 چوبیسویں اصل:

اس اصل میں ایک ہی لفظ میں حرف کے تقدیم و تاخیر سے
 جو فرق واقع ہوتا ہے (اور شاید وہ لفظ جو اس طرح کرنے کے بعد
 بنتا ہے اصل سے بہتر ہوتا ہے) اس کے بارے میں تفصیل سے
 بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح کی تقدیم و تاخیر حرفی کے سلسلے میں
 بہت زیادہ ملتی ہے مثلاً دریوزہ، اور دروینہ، لیکن اب
 معلوم ہوتا ہے کہ دریوزہ دروینہ کا معرب ہے۔ لہذا شیخ
 شہاب الدین سہروردی نے اپنی کتاب عوارف المعارف میں
 اس کا ذکر کیا ہے۔ دریورزش اور درویش، سوزنی:

۱۔ جہانگیری میں ۲۲۲ مترادفات شنیاب، اشتاب، شناب، شناب، شناب، شناب،

درج ہے اور رشیدی ص ۱۲۷ میں اخنا، اشناہ، اشناو، اشناو، اشناو، اشناو،

آیا ہے۔ برہان میں ص ۱۲۹، ۱۳۰ پر شناب، شناب، شناب، شناب، شناب،

۲۔ تہذیبی ص ۱۳۲ پر شاہ کے طور پر شنیاب آیا ہے۔

۳۔ یہ کتاب عربی اور فارسی میں کوئی بار ترجمہ ہو چکی ہے فارسی کا قدیم ترین ترجمہ کاماؤ د کا ہے

جو تقریباً ۳۹۱ھ/۱۲۲۱ء/۶۲۳ھ کے درمیان وجود میں آیا ہے اس کا

مخطوط علی گڑھ کے قاضی نے موجود ہے۔ ۱۰۱۰ھ/۱۶۰۲ء/۹۹۰ھ سنیدی میں ہے،

ص ۲۲۲ میں نامہ خسرو کی بیت شاہ ہے۔ یہ آئی ہے۔

ای بخلق بشر بخلق سرودش بہر جود در زودانش کوش
بتوانگر دلی و کف جواد نحو ہی ماند در جهان درویش
دریوش مرکب ہے در اوریوش جس کا مبدل یوز بمعنی جویندہ کے ہیں۔
موی و میو، پور بھا،

دودست تو شل بہ دوش تو کر دو چشم تو بی نور و پر میو بہ
ہاشم و ہلاشم بمعنی زشت و نازیا، نزاری ہستانی :
جہانی ز جود تو بستند خیرم قرین تکلف غریق تنعم
گر از خردہ بنیان بخرد نہاشم نہاشم ہم از اہل ہلاشم
انوری^(۴) :

سن ہر چہ گوئے ہاشم بیکار کی نہاشم یا چیز کی نویم یا شعر کی تراشم
خطی^(۵) نہ سخت نیکو خطی ازین میانہ شعری نہ تیک عالی شعری ازین ہلاشم

۱۔ رشیدی ص ۶۶۲ : در یوز بمعنی گد یعنی جست و جو کنندہ در، چہ یوز بمعنی جویندہ و
جست و جو آیا ہے (۲) جاگیر ص ۲ ص ۴۳۴ : میوئے مغزی میں آیا ہے اور
شمر میں مصرعہ اول فلان سے گرا ہوا تھا (۳) جاگیر کے ذریعہ اس کی تصحیح کی گئی
(۴) جاگیر ص ۲۱۹ : شاہ ہاشم بمعنی چنیدہ زشت و نازیا و دون
(۵) دیوان انوری ص ۶۸۹ : معبران نکتہ موزون ۔

(۵) ایضا۔ جاتی کہ من نشینم بیکار کی نہاشم ۔ یا خط کی نویم یا بیت کی تراشم
خطی نہ سخت نیکو زیا خطی بلا یہ زین شعر کی نہ نیکو بل شعر کی ہاشم
میرے خیال میں آرزو نے یہ ابیات جاگیر ص ۳۷۱ سے نقل
کی ہیں کیونکہ جاگیر اور شمر دونوں میں دیوان انوری سے کبہ
زیادہ فرق ملتا ہے ۔

میان اور نیام یعنی غلاف شمشیر:

دست فال و دست لاف^(۱)

آ بشخور قلب آ بخورش^(۲) بمعنی قسمت و روزی، حافظ،^(۳)

بخت بد بین کہ کجای ہر د آ بشخور ما

کمال ہما عیل^(۴)

ہر کجا باز سرایت تو سایہ فکند^(۵) کبک و شاہین بہم آیند سوی آ بشخور
چشم اور حمیش، فردوسی یوسف زلیخا میں اسے استعمال کرتا ہے،

۱۔ چنانگیری ص ۸۱۲، رشیدی ص ۱۷۱، برہان ص ۸۶۱، دست لاف سودای

اول را گویند کہ اند آں شگون گیرند بطہوری کی یہ بیت پہلی دونوں فرہنگوں میں

مشال کے طور پر بیان ہوئی ہیں،

تاشب در سودای طرب لبتہ شود با غم روزی کہ دست لافی نکم

۲۔ رشیدی ص ۱۷۱، برہان ص ۵۹، رشیدی میں مندرج ذیل بیت مشال کے

طور پر استعمال ہوئی ہے :

دست فانی کہ جرد او کردہ گردانہ بخروکان بر آوردہ

۳۔ اصل کلمہ آ بخور ہے نہ کہ آ بخورش جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

قطران : ترسم کہ بر آید ز جہان آ بخور من کز شہر بر آورد جہان آ بخور ماد یعنی لعاب

خاقانی : در غمت ای زد سیر خون ہلکی خورم ۔ تنہ بخور من کہ دیدم آ بخورش آتش

رشید اعور : بیلہ منت دریوہ استاد درونی ۔ چر کو زہر نہ کنج ہی آ بخور کنی (یعنی مشربہ)

حافظ : ساختہ از دل و چرخ لا جوردی آ بخور

معمر سعد سلمان : ز حوضی دگر بی منت آ بخور

معزی : آیند گرگ، ہمیش ہم سوی آ بخور

بگردار چیش گوزنان دو چیش ^(۱)
ہوشیار و ہشیوار، فردوسی ^(۲)؛
ہمہ سحر خوبی ہمہ رنگ و نش

خبرداشت لختی شہ کار دان ^(۳)
ہوشوار و ہشومند، فردوسی ^(۴)؛
ہیشوار و باہنگ بسیار دان

ز تخی گشتی درین رود بار ^(۵)
تراداد ای ناہشومند بار
زرادشت و زرار دشت، زراتشت و زرار دشت نام پیغمبر مجوس، ہوشیار
و ہوشاسپ بمعنی خواب، ذرا ہنگ و ذرا آنگاہ شبانگاہ و ستر آباد و

استار باد مازندران کے شہروں میں سے ہے؛ منوچہری ^(۶)

تا طرب و مطرب است مشرق و ما مغرب است

تائین و شیرب است آمل استار باد

یلارک و یرالک، نظامی ^(۷)؛

بقیہ ۲۱۳ فردوسی ہمہ دشت برآ بخور پای خویش (جہانگیری متن اور حاشیہ ص ۷۲، ۷۳)
اس وجہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آنجوروش کا تین واحد غائب ہے
نہ کہ کلمہ کا جزو۔ میری نظر میں آ فردوسی کا شکار ہوئے ہیں۔ دوسرے الفاظ آنجوروش
(جہانگیری)

۲۱۶ دیوان حافظ چاپ انجری ص ۸، جہانگیری ص ۸۱۔

ما برقتیم و تودانی و دل غمخور ما بخت بد تا کجای برد آ غمخور ما

۵، اسی بیت کو جہانگیری نے مثال کے طور پر لکھا ہے لیکن دیوان کمال اسماعیل میں میری نظر
سے نہیں گذرا۔ تاریخ ادبیات ایران ج ۱ ص ۸۹ م شیرازی فردوسی پر حاشیہ لکھے۔

۱۔ جہانگیری ص ۱۶۸۹، رشیدی ص ۵۳۸ (۲) ایضاً: شوخی (۳) جہانگیری ص ۱۶۱۶،

ہشوار و ہشیوار، رشیدی ص ۱۶۹۰ ہشوار و ہشیوار تینوں صورتوں میں موجود ہے

(۴) جہانگیری دوشہر (۵) جہانگیری ص ۱۶۱۶ رشیدی ص ۱۶۹۰ شاہد ہشومند۔

(۶) ایضاً: آزان غم گشتی بدن روزگار آخر

(۷) فردوسی و تائین در دسات فاسی ص ۵۲ ذرا آنگاہ، ذرا آنگاہ کے معنوں میں ہے جہاں

بدریا چون زندگرن^(۱) پلارک
 ہرگز اور ہلگزر، ناصر خسرو:
 مردم آن را کہ آن آمادہ آزاریست
 گردن بند و گرد بندن، رودکی^(۲)
 ہر کار جہان چون گرد بندن
 تو چون یا قوت سرخ اند میانہ

تفسیر ۲۱۴۔ لیے یہ بیت ہے:

شب آہنگ چون بزد از کوہ دود
 بر آہنگ شب مرغ دستان نمود

(۹) دیوان منوچہری ص ۲۰

(۱۰) جہانگیری ص ۵۹۴ اور رشیدی ص ۳۳۹۔

۱۔ رشیدی ص ۳۳۹: تیغ، جہانگیری ص ۵۹۴:

چو بر دریا زند برق پلا لک۔

(۲) دیوان ناصر خسرو۔ چاپ تہران ص ۷۶۔

(۳) دیوان اور جہانگیری: کزو آزارہ را۔

(۴) دیوان رودکی، ج ۳ ص ۱۰۰ چاپ نقیسی۔

(۵) ایضاً۔ بزرگان

(۶) شمر: چو

بلغور دبرغول یعنی آتش جو کہ جوار گندم کو پکانے سے بنتا ہے ۔

مرغزن اور "مرزغن" شمس فخریؒ

شما ہی کہ بر مخالف درگاہ خوشین
از کشتہ مرزار کند، پھر مرغزن

اخلکند و اخلکند و شمس فخریؒ

ظفر از رایت دل شاد باشد بسان طفلگان از اخلکند و

(۱)۔ ان دونوں لفظوں کے لیے استاد ہنگ نے ایک مفید مقالہ لکھا جس کو برہان میں ص ۱۹۹۱ - ۱۹۹۲ - ۱۹۹۳ کے حاشیوں میں محمد معین نے اضافہ کیا ہے۔ میں اس کو یہاں نقل کر رہی ہوں۔ استاد ہنگ لکھتے ہیں: در فارسی ماد و کلمہ داریم، مرغزن و مرزغن (گور، قبرستان) کلمہ دوم در یک بیت غصری شاعر مقدم عہد محمود غزنوی باز غن (دلاشہ خور) یا گوشت رہا) قافیہ آمدہ: ہر کہ را را بہر زغن باشد منزل او بہر زغن باشد

داسری چاپ ہرن ص ۱۰۵ چاپ اقبال ص ۶۲) بشکل دیگر یعنی مرغزن داما با کلمہ مرزار، نوعی بازی کلمات (جناس) را ایجاد می کنند، اما ہی ہر وی شاعر

قرن ۶ ہجری گوید: اندر برد مرزار از زخم تیغش مرغزن (اما ہی ہر وی فرہنگ جہانگیری) شمس فخری (قرن ۸ ہجری) ابن بیت را چندان ابتکاری نیست، گفتہ: شامی کہ بر مخالف درگاہ خوشین مرغزن (فرہنگ رشیدی) بہتر از مرغزن (فرہنگ جہانگیری) است و شامی (قرن ۶ ہجری) دیتیو کہ شاید بار اول است کہ مرغزن با مرغزار

آوردہ شدہ گوید: ہیچ نندیشی کہ آخر چرن بود انجام کار مرزار آید، ای فعل تو لیا مرغزار مراد آنت کہ نگر نمی کنی کہ پایان کار تو چیست و در نتیجہ اعمال خود بہ مرزار (بہشت) خواہی رفت یا جگر رستان (دوزخ) رشیدی ابن بیت شامی را برای معانی دوزخ

یا جگر رستان (دوزخ) رشیدی ابن بیت شامی را برای معانی دوزخ

چپیدن چپیدن چراگاہ و چارگاہ غلووش دغاوشو، سکلیدہ و گکیدہ، گستہ و
 سگستہ، شلم و شمل کنار درکان، شلم و شملخ، پیرویز و پیروز، خوی و خویو، گفت
 کتف، دلو و دول، ورتاج و تاجور، سوزنی (۱)
 تو تاجور ملک شرف بادی اعدات بر آتش غم سوخته بادند چو ورتاج
 پچیسویں اصل

اس اصل میں مصنف نے ابدال کے مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے یعنی
 ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا۔ ابدال کے دو طریقے ہیں :
 ۱۔ ایک لفظ میں ایک حرف کا ایک بار سے زائد بدلانا جس کو بدل ابدال
 کہتے ہیں یہ طریقہ عربی میں بھی معمول ہے۔ فارسی میں لفظ انباز و ہباز
 و ہنباز بمعنی شریک، با یہ دوا یہ دمایہ بمعنی ضروری، فلکی شروانی (۲)
 زان بوسہ بوسہ او دایہ رواں زان غمزہ غمزہ او دایہ عذاب
 زردوز و دوشلو، آبار و آماد، آوار، آرنج و آرنک و وارنج، ارنگ
 وارچنگ و ارترنگ و ارنگ، اچ و ہمیش و یچ، شیخ الاسلام (۳)
 ہر کہ آمد ہر کہ آید می رود (۴) ایں چنان نخت سرای میں نیست
 احمد جانی تراپندی دہد آخرت را باش دنیا پیش نیست

- ۱۔ دیوان حکیم سوزنی چاپ شاہ حسین ص ۱۲۶، جہانگیری ص ۸۶۸، رشیدی ص ۱۲۵
- ۲۔ دیوان فلکی شروانی چاپ آذر ص ۲۶
- ۳۔ دیوان فلکی : زین
- ۴۔ بمعنی شیخ احمد زندہ پیل۔ انہیں ابیات کو جہانگیری میں ص ۲۳۶،
 رشیدی ص ۱۵۱۲ آیا ہے
- ۵۔ جہانگیری، رشیدی، بگنزد۔

حکیم سنائی^(۱)

خلق جز مکرو بند و سیج نیند همه را آزمودم اچ نیند
 اسی طرح بیزره، بیزرد^(۲)، بیزری^(۳)، سیف اسفرنجی^(۴)
 شاگرداندار باب معنی زینکه باری زینهار می شناسی بیزری از گوهر و سوسن سیر
 مسعود سوسلمان^(۵)؛

همچو ماز و رفت شان نفیج و سه چون بیزره چون بلبله زرد شان ردی و ترش چون انبله

نیلو پر	نیلو قل	نیلو فر
آرین	آزین	آئین
آوشه	آریشم	آدش
کلاده	کلانه	کلابه
کاشغر	کاجغر	کاشغر
کنو	کنب	کنف
پوش	پوخ	پوس

۱- جهانگیری ص ۱۴۵۸

۲- ایضا، جز بیزرند و سیج الح

۳- هدایة المتعلمین فی الطب ص ۲۲۶

۴- جهانگیری ص ۲۲۲۳، رشیدی ص ۲۴۳: بیزرد، بیزره و بیزری صفتی است مانند مصطلکی الح

۵- جهانگیری ص ۲۲۲۲

۶- ایضا، دیوان ص ۲۸۲، بربلا سمرقاس طرح است: همچو ماز و ردی شان نفیج و سه چون تدر

تقلا سنگ	تقلا سنگ	تقلا سنگ	تقلا سنگ
ز گال	سگال	زغال	زغال
کرغست	درغست	برغست	برغست
بوم	کوف	بوف	بوف
لخ	کنج	دخ	دخ
الفقدن	الفقدن	الفقدن	الفقدن
ابگندن	ادگندن	اگلندن	اگلندن
چپیدن	چفیدن	چوسیدن	چوسیدن
ارج	درج	فرج	فرج
ارنج	ارغر	ارنگ	ارنگ
بجن	لشن	لشن	لشن
ترنده	نرونده	ترگنده	ترگنده
نام	بام	وام	وام
ریواس	ریواج	ریباج	ریباج
کچکول	کشکول	خچکول	خچکول
سراگوش	سراغوش	سراغوج	سراغوج
زربان	زربان	زرقان	زرقان
زندباف	زندواف	زندلاف	زندلاف
خاثرغان	قاثرغان	قازقان	قازقان
خردس	خسرده	خروچ	خروچ
سماردغ	زماردغ	سماردخ	سماردخ

شارخ	شارک	شارو
بلغونہ	ملغونہ	کلفونہ
ہتریر	خجیر	ہجیر
چر	چل	چک
انگوان	انگیان	انگہ ان

اس اصل میں الفاظ کی ترکیب میں جو رد و بدل ہوئے ہیں آرزو نے سب کو خوب جانچا اور پرکھا ہے اور ان کو غلط طور پر مطالعہ کی وجہ سے ان کی اپنی اصل کی بگڑی ہوئی شکل بتایا ہے

چھبیسویں اصل

یہ اصل بہت مختصر ہے اس میں امالہ کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے یعنی حرف "الف" کو "ی" میں تبدیل کرنا خواہ فارسی کے لفظ ہوں یا عربی کے مثلاً

اعتماد	اعتمید
آزار	آزیر
آباد	آبید

حکیم روحانی :

کشتہ از فیض تابش خورشید کوہ و در سبز بوم دبر آبد
انوری

دجہان چندان کہ خواہی بی شمار نیستی و محنت و آزر^(۳) مست
وز فلک چندان کہ جوی^(۲) بی قیاس نفرت آہود خشم شیر مست

۱۔ جہانگیرا نمبر ۱۱۸ (۲) دیوان انور کا: گوئی (۳) دیوان: ادبہ حاشیہ میں ادبہ ہے لیکن جہانگیرا (اورشیدی) نے اسکو آزر لکھا اور کہ آزر کا املا سمجھو، دہ دہ ان: خواہم۔

حجاب - حجب، مولانا جانی،

تاہاہ رویم ازمن رخ درحجب دارد فی دیدہ خراب دارد فی دل شکیب دارد
آرزو کے نزدیک امانہ صرف اسم میں جائز ہے۔ افعال میں نہیں ہے۔

ستائیسویں اصل

اس اصل میں فارسی زبان میں ہندی الفاظ کے استعمال کے بارے
میں بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں آرزو نے نہایت منصفانہ رویہ
اختیار کیا ہے۔ آرزو کہتے ہیں کہ عربی، ترکی اور ارمی زبان کے الفاظ فارسی
میں نہایت کثرت سے استعمال ہوئے ہیں اور ان کا استعمال جائز سمجھا گیا ہے۔
رہ گیا ہندی الفاظ کا مسئلہ تو مولف کے نزدیک ہندی الفاظ بھی بلا تکلف
استعمال کئے جاسکتے ہیں کیونکہ اساتذہ کے کلام میں اس طرح کے ہندی
الفاظ فارسی کھیل کھلا استعمال کیے گئے ہیں، مثلاً سنائی کا یہ شعر ملاحظہ ہو!!
نہ در آن مودہ خدرہ میدہ نہ در آن دیدہ قطرہ پانی

جس طرح فارسی میں عربی اور ترکی محاورات خوب استعمال ہوئے اور
ہر لفظ اپنی جگہ مسلم ہے پھر ہندی الفاظ کا استعمال کیوں نہ جائز سمجھا جائے
جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ فارسی پر عربی کا تسلط اس وقت سے
زیادہ ہوا جب عربوں کا ایران پر قبضہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ
جو نیکو عربی دینی زبان کی حیثیت بھی رکھتی ہے اس لیے بھی عربی کا فارسی
پر اثر پڑا۔ یہ اثر اتنا گہرا ہے کہ اکثر عربی الفاظ نے قدیم فارسی الفاظ
کی جگہ لے لی ہے۔ اور اس طرح فارسی کے الفاظ متروک اور

۱۔ رشیدی ص ۲۳۷: پانی اگرچہ ہندی ہے لیکن سنائی نے اپنے کلام استعمال کیا ہے

ملاحظہ ہو دیوان سنائی ص ۳۴۱، چاپ مصفا (۲) دیوان سنائی: ریزہ ای ماندہ

اور ان کے جانشین عربی کے الفاظ متداول ہوئے یہی ترکی زبان کے ساتھ ہوا کہ وہ بھی فارسی زبان کے ساتھ مخلوط ہو گئی، یہاں تک کہ ترکی کے الفاظ کی جگہ دوسرے فارسی الفاظ ملتے ہی نہیں ہیں مثلاً تورچ پاشی، ویشک اتا سی پاشی وغیرہ بمعنی وہ شخص جس کے اختیار میں فوج ہو جس کو ہندوستان میں میر بخشی کہتے ہیں یہ دونوں دربار کی اصطلاح ہیں۔

اٹھائیسویں اصل

اس اصل میں مولف نے اس مسئلہ سے بحث کی ہے کہ جب عربی اور ہندی الفاظ فارسی میں استعمال کیے گئے تو ان کو تبدیل کر لیا گیا۔ انہوں نے اس عمل کو عمل تفریس کا نام دیا ہے یعنی دوسری زبان کے الفاظ کو فارسی زبان کے الفاظ میں تبدیل کرنا۔ یہ تبدیلی مفرد اور مرکب دونوں الفاظ کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔ فارسی میں اس عمل پیرا ہوتے وقت بلاغت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ان کے اصلی مصادر کے آخر میں دی دن، کو جوڑ کر فارسی مصادر بنالیا گیا جیسے طلب سے طلبیدن، رقص سے رقصیدن، فہم سے فہمیدن وغیرہ۔

اس طریقہ سے عربی مصادر سے جو فارسی مصادر بنائے گئے آرزو نے اس کی بہت کم مثالیں دی ہیں اس لیے ہم بھی اسی بات کو مد نظر رکھتے ہیں کہ صرف انہیں مصادر کا ذکر کریں جن کو فارسی کے قلب میں ڈھال لیا گیا ہے مثلاً تمیزد ماخوڑ سے تمیز سے جس کے معنی "از ہم شناختن" ہیں، سالک نیردی نے اس لفظ کو اپنے کلام میں اس طرح استعمال کیا ہے :

سالک بغر و شید بامادہ صافی کو ذائقہ محسبى تا تمیزد
لفظ سیر صیغہ امر اور حال میں آیا ہے جیسا کہ عربی کہتا ہے
بگیر تحفہ نظمى کہ زادہ از طبعم و ویر و میثدش کین بطف نہاد
طلوعیدن: یہ کھلی کاشی شیرازی الاصل شاعر ہے اس نے طلوعیدن کا لفظ
اپنے ایک شعر میں استعمال کیا ہے مثلاً:

شد موی سفید و خرم نیست ز غفلت چون خفہ کہ نا فل ز طلوعیدن صبح است
نظامی نے غارتیدن اس شعر میں استعمال کیا ہے :

جہودی سہی راز را ندود کرد دکان غارتیدن بر آن سود کرد
اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مصادر میں عمل تفریس کے سلسلہ میں
تھا۔ کبھی عمل تفریس اسم میں بھی کیا جاتا ہے مثلاً غارہ عربی میں
غرعرہ ہے جس کے معنی پانی کو گلے میں گھمانا ہے؛ حافظ کا مندرجہ
ذیل شعر ملاحظہ ہو: (۳)

اگر گہی بزبانم حدیث تو برود ز بی طہارتی آن را بجی غارہ کنم
غدہ، سدہ کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی ہیں ایسی چیز جو جسم میں
کبیس گردہ کے مانند پیدا ہو جائے، اہل فارس اسے غدد کہتے
ہیں، نصیرای بدخشانى:

۱۔ دیوان عربی ص ۳۰

۲۔ ایضاً: سہل میندیش۔

۳۔ جہانگیری ص ۱۰۴۵، دیوان حافظ چاپ سب رنگ کتاب گھر دہلی ص ۲۹

۴۔ دیوان حافظ شبی

خدا نگ غمزه گشای تو بایدم کہ غمت

درون سینه گرہ گشت چون غدود مرا

عربی محاورات اور مرکبات میں تبدیلی، یعنی عربی عبارتوں میں حروف یا کلمات کی کمی کر کے انہیں فارسی میں استعمال کرنا مثلاً الحی میں سے الف دلام نکال دیا۔ نظماً الحی

برآورد مؤذن در اول قنوت قسحانہ حی الذی لا یموت

کبھی ایک لفظ میں تبدیل کر کے یعنی ”لہم“ بجائے الذین کفر“ جائی؛ نقد عزراہدان در توبہ کثیر تلف۔ قل لہم ان یتوبو یغفر لہم ما قد سلف مواف کے نزدیک اس طرح کا تصرف کلام الہی میں کرنے سے کفر کا ترک ہو سکتا ہے، کمال خجندی لفظ مع بجائے الی کے لائے ہیں؛

سروایل بقدر قسمت چہ حاجت دلیل ہمہ دانند کہ الجنس مع الجنس میل کبھی لفظ زیادہ کر کے بھی تصرف کیا ہے۔ جامی؛

زدیخ شہر طعنہ براحوال اہل دل المرء لا یزال عدو لما جمل

اسی طرح سیخج المرعی بجائے اخرج المرعی

فارسی الفاظ کو کبھی عربی کا جامہ پہنا کر تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً

ذوالخورشیدین، والہ ہردی؛

تاہر تو گشت نورافشان ذوالخورشیدین شد خراسان

۱۔ شرفنامہ گنجوی ص ۷، دیوان جامی چاپ ہاشم رفیعی ص ۲۷

۳۔ ایضاً؛۔ از می شد

۲۔ دیوان کمال خجندی چاپ تبریز چاپ فائز شفق، ص ۲۲۰

۵۔ ایضاً؛ الی۔

تنگ البحر، یلک الجبل، انا الیاء، عالی :

عجل مکر لاف انا الیاء زده در گلشن بر سر شاخ خیال سر منصور کتم
عند الخواہش، حسب الفرمودہ۔

کبھی فارسی لفظ میں، عربی کے طریقہ سے صیغہ بناتے ہیں جیسے
متشرخو تراشیدن سے ماخوذ ہے۔ مفید بلخی :

ہر گل کہ خار خار طمع سر زندازد در دیدہ بقماش چودوی مترش است
فلاکت از فلک، اسی طرح لفظ "ماثور" و "مرسول"، عربی !

قضا بحاکم دانش نوشتہ مصلحتی فلک ندیدہ کہ مرسول اوچہ مضمون است
دریدنا نہ خشم و بروحا قاصد زد کہ مصلحت بلکہ ہی سنجہ این نہ گردون است
مگر ز لوح قلم گوش کن کہ گویندش کہ امر دہنی کہ مصداق امر بیچون است
اسی طرح :

اگرچہ ہست مبرہن کہ مسیر وجود مؤثر اند صفات الہ فی ماثور
فارسی زبان میں ایک قسم کی تبدیلی اس طرح کی جاتی ہے کہ
بجائے ابن فلان و ابو فلان کے فلان کردیتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم
بن ادہم کو صرف ادہم، اسی طرح حسن بن منصور کو منصور،
سبکتگین بجائے پور سبکتگیر،
کمال خجندہ

چون بنظر آہدم روزشکار دبران دام دل سبکتگین زلف ایاز یا فتم

۱ دیوان عسری ص ۶۵

۲ دیوان کمال خجندی ص ۲۴۲

طاب کلیم بجائے ابوطالب کلیم، وقاص بجائے سعد وقاص، خواہ شیرازی^(۱)؛
 ناوک غمزہ اودست بہر از رستم حاجب ابروی اودر دگر از وقاص
 ابھی تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ عربی کلام میں فارسی زبان کا تصرف
 تھا۔ اب یہاں کچھ پیش لیں دی جا رہی ہیں جہاں خود فارسی میں بھی
 تصرف کیا گیا ہے۔ عنصری^(۲)؛
 گر عیب سر زلف بت از کاستن است^(۳) کی جامی لغیم نشستن و بر فاستن است
 وقت طرب و ہوا ی می خواستن است کارستن سر و بر پیراستن است

انتیسویں اصل

یہ اصل ہندی الفاظ کو فارسی میں تبدیل کرنے سے متعلق ہے۔
 فارسی شعرا اور مصنفین نے ہندی الفاظ میں تبدیلیاں کر کے ان کو
 اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق ڈھال لیا۔ یہ تبدیلیاں دو
 طرح سے کی جاسکتی ہیں، اول حرف یا حروف میں تبدیلی کر کے جیسے
 ذات بجائے جبات کے، طغرا مشہدی^(۴)؛

شوخی سون را مگدول می رہا یثقیل^(۵) ذات رجوت است ترسم دست بر جہد کفہ
 اسی طرح کتار، کتارہ، بجائے کٹارہ کے، نافر خسرؤ^(۶)؛

(۱) دیوان حافظ ص ۲۶۵۔

(۲) دیوان عنصری ص ۱۸۸۔

(۳) ایضاً: کی، لیکن دیوان کے حاشیہ پر: مگر

(۴) ایضاً: چہ حاشیہ میں: کی

(۵) ایضاً: روز، حاشیہ: وقت

(۶) جہانگیری ص ۶۹۲، آخری بیت رشیدی میں ص ۱۰۳! دیوان نافر خسرؤ

تا گل در کلبہ چون عروس نہاں شد ابر مشاطہ شاست و باد دلالہ
نرگس جماش چون بلالہ نگہ کرد بید بر آہنخت سوی لالہ کتالہ^(۱)
امیر خسرو :

سران در چشم کردم کہ چوں ہندوان رہسن
ہمہ را بنوک مرگاہان زدہ بر جگر کتارہ
دوم حرف یا حروف میں تقدیم کردینا اور اسی لفظ میں کسی حرف
یا حروف کو حذف کر دینا جیسے حبیب میر کے بجائے حبیب میر طغرا
تو چرا کہ حبیب میر آید بگلزار بہشت از نزاکت جا بردی دیدہ بھر کند
متحرا کے بجائے متورہ، غالباً یہ شعر بھی طغرا کا ہی ہے :
چون زندہ سر متورہ حرفی از پازند حسن بہر زیب نطق مصحف خوان گل از بر کند
اسی طرح لفظ دیوالی کے بجائے دوالی، محسن تاثیر کے اس شعر میں اس
طرح استعمال ہوا ہے :

از بادہ چراغ کردہ روشن چشم تو ہندوی دوالی
جھکڑ کے بجائے جکر، عرفی شیرازی
در چاشتند از شبنم گل گرد نشان است آن باد کہ در ہند گرا آید جکر آید
تیسویں اصل

یہ اصل توافقی بین سے متعلق ہے یعنی فارسی و عربی، فارسی
و ہندی یا فارسی و عربی و ہندی کے ایک ہونے کا نظریہ جیسے ہندی کا ڈول
عربی اور فارسی میں دول اور دولو بمعنی بالٹی ہے۔ عام الفاظ میں رد و بدل

۔ تاریخ بیہقی میں ۲۲۹، کتارہ بھی اسی معنوں میں ہوتا ہے ۔

کے بارے میں آزد کا خیال ہے کہ نقطہ دار اور غیر نقطہ دار حروف اور خاص طور سے کسی زبان کا حرف ذاتی تبدیلی نہیں کر سکتا ہے ان خیالات کے اثبات میں آزد نے کچھ الفاظ کا ذکر کیا ہے جیسے دست کا سین غیر نقطہ دار عربی حرف ہے اور دشت کا شین نقطہ دار فارسی ہے اور دونوں کے معنی ریگستان ہیں۔ پھر وہ بتاتے ہیں کہ اگر الفاظ لہجے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں اور وہ اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف ہوں تو اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے مثلاً ستراجو کہ پہلوی لفظ ہے اور جس کے معنی بارش کے ہیں اور مطر ۱ جو کہ عربی ہے اور جس کے معنی بھی بارش ہی کے ہیں۔ اسی طرح میا ایک پہلوی لفظ ہے جس کے معنی پانی ہیں اور ماء عربی لفظ ہے لیکن اس کے معنی بھی پانی کے ہیں۔

اکیسویں اصل

یہ اصل شمر میں بہت زیادہ طویل ہے ۱۰ اس میں عمل تعریب سے بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث مزہر کی سیوطی کے طرز پر ہے۔ آزد نے ان الفاظ کا جن کو مزہر میں سیوطی نے بیان کیا ہے اور ان الفاظ کے متعلق جو فارسی اور عربی میں بیان ہوئے ہیں تنقیدی جائزہ لیا ہے مثلاً لفظ کوز، جو فارسی اور عربی میں یکساں استعمال ہوا ہے۔ کبھی کبھی فارسی میں لفظ کے آخر میں ۱۰ زیادہ کر دیتے ہیں جیسے خان و خانہ بتیسویں اصل

اس اصل میں توافق الفاظ کے بارے میں بیان ہوا ہے یعنی ایک لفظ کا اشتراک دو زبانوں میں یا اس سے زیادہ زبانوں میں

یعنی عربی و فارسی اور ہندی مثلاً کلال دکی، ماس و ماہ۔ انگشت
وانگشت، جارد و جھارڈ، اشترواشرٹ، لنکن و لنکمن ہستانی^(۱)۔

لنکست گر کند ترا فسر بہ سیر خوردن ترا لنکن بہ

اسی طرح بنگالہ جس کو فارسی میں بنگالہ لکھتے ہیں، حافظ^(۲)۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند زین قندپاری کہ بہ بنگالہ می رود

اسی طرح مالوہ اور راجپوتانہ جس کو اب ہائے مختفی سے لکھتے ہیں

عہد اورنگ زیب^(۳) عالمگیر سے پہلے الف سے لکھا جاتا تھا۔

بھو بوزن سو، لیکن یہ بوجھی ہو سکتا ہے۔ اسدی^(۴)۔

مسکبار^(۵) بر قلب شکر زدند رلودن شان بر کھو در زدند^(۶)

اسی طرح بھیم یوزن بھیم، فرخی:

چونہر دالہ کہ اندر دیار ہند بھیم بہ نہروالہ ہی کرد بر شہان تقدیم

سنگھ دستک تیحی کاشی:

سر راجپوتانہ جگت سنگھ بود کہ بر شیشہ نہ فلک سنگ بود

متعدد ہندی الفاظ کی تفریس کی گئی ہے مثلاً بھو و بھیم و سنگھ، بھروچ

و بروچ۔ گر بہ سوت گرمسوت، محسن تاثیر:

سخن تنہ از تماش لفظی مضمون نمی گردد کہ گرمی از لباس گرمسوت افزون نمی گردد

اسی طرح کچری جو کہ کھڑی ہے، مالک یزدی:

سیر گشتم ز کچری ایام ہوس خون و سیم و زر نکنم

(۱) حدیقہ سنائی ص ۶۸ (۲) دیوان حافظ ص ۸۶

(۳) عہد اورنگ زیب ۱۶۵۸ - ۱۷۰۷ء تک (۴) جہانگیری ص ۲۱۵۸

(۵) ایضاً: بیکبار (۶) ایضاً: بر

کھنڈی ظہوری :

راز سرا فرایش در حساب ز چو کھنڈیش سایہ بر آفتاب
نکتر: جو کہ ہندی میں انکس ہے ۔

بعض الفاظ میں یہ اشتباہ ہوا ہے کہ انہیں ہندی زبان
اسمجھا گیا ہے۔ حالانکہ وہ فارسی الاصل الفاظ ہیں جیسے چال
س کے معنی ہندی میں چلنے اور چال کے ہیں لیکن یہ لفظ چلیدن
انحفف ہے ۔ امیر خسرو^(۱)

ز چل چل تو پای من ز ارشد کچل من خود نمی چلم تو اگر می چلی بچل
ماری بمعنی برفی، مار سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہندی میں بدن ہے،
ستاد عسبندی^(۲)

اگر ماری و کتر دی است طبعش بصراش چون مار و کتر دم بماري
تینیتسویں اصل

یہ اصل لفظوں کے حقیقی اور مجازی معنی کے بارے میں ہے۔ یہ
وری بحث سیوطی کی مزہر پر مبنی ہے۔ آرزو کے مطابق الفاظ کو اگر اس کی
دفع کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے تو وہ حقیقت ہوتا ہے اور اگر اس
کے برخلاف ہوتا ہے تو اس کو مجاز کہتے ہیں اسی طرح اگر تشبیہ حقیقی
لفظ کے ساتھ درمیان میں استعمال ہو تو وہ استعارہ کہلاتا ہے اور
اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ مجاز مرسل ہوتا ہے، نظامی :

۱۔ جہانگیری ص ۱۶۱: چل امر از رفتن بود، بزبان ہندی نیز ہمیں معنی متعل است نام خرود
اگر چہ غرقہ از فضل او نمید مباحش بدم کوش دزین غرق چل بیرون چل
(۲) جہانگیری ص ۲۹۱ - ۲۹۲ - (۳) جہانگیری ص ۲۳۷

پای سخن را کہ دراز است دست سنگ سراپردہ ادھر شکست
 اس جگہ پای سخن کو دست دراز ثابت کرنا اس کے بعد شکست کا اس
 پر اطلاق کرنا کوئی بھی محاورہ کا اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح
 شور و قصہ الجمل آمد بطرب بادیرہ را ز اہداز جا چہ دآید چہ تماشاست کہ نیت
 بادیرہ سے مراد اہل بادیرہ ہے جیسا کہ علماء ہند لکھتے ہیں لیکن بجائے
 بادیرہ قافلہ بہتر ہوتا ہے۔ آرزو کے خیال میں فارسی میں بھی اسی طرح
 ہے۔ اسی طرح درج ذیل اشعار میں "چو" میں من حذف کیا ہے :

چاکرانت گہ رزم چو خیاطا نند اگرچہ خیاط نیندای ملک کشور گیر
 بکثر نیزہ قد خصم تو می پیمایند تا بہ برند بشمشیر و بدوزند بہ تیر
 انوری کا یہ شعر بھی اسی طرز عمل کی مثال^(۱) ہے
 مقدری نہ بآکہ بقدرت مطلق کند بشکل بخاری چو گنبد ازرق
 گنبد ازرق سے مراد فلک ہے ۔

چونتیسویں اصل

اس اصل میں مولف نے ایک لفظ کے معنی میں ہوتا ارف اور تضاد
 پایا جاتا ہے اس سے بحث کی ہے اگر دو لفظ مختلف معنوں کے لیے
 استعمال کیے جائیں ان کو تباین کہتے ہیں جیسے مردم اور اسپ۔ اس طرح
 کے الفاظ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے ایک چیز کے لیے جو مختلف نام استعمال
 کیے جاتے ہیں ان کو مترادف کہتے ہیں مثلاً تیغ و شمشیر و نیزہ و خدنگ۔
 اگر مختلف معنوں کے لیے ایک ہی لفظ ہو اس کو مشترک کہتے ہیں جیسے
 فارسی زبان میں لفظ آباد یوزن آزاد جس کے معنی معمور ہیں اور جو پرانے

کی ضد ہے۔ لفظ چشمہ جس کا ترجمہ آنکھ ہے، چشمہ آب و چشم آفتاب،
و چشمہ عینک چشمہ دام و چشمہ پل چشمہ سوزن چشمہ متاع، چنانچہ
صائب کہتے ہیں:

از انتظار دیدہ یعقوب بختن یک چشمہ متاع بد از کاروان مرا
مشرک کی ایک قسم ضد ہے یعنی ایک کلمہ کے دو معنی، مولف کے قول
کے مطابق یہ قسم فارسی میں بہت کم ہے۔ یہ ان لفظوں میں پائے جاتے
جو کسی بھی حالت میں ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہو سکتے۔ بعض
عربی علماء توافق الفاظ کی موافقت نہیں کر سکتے جیسے درسیہ
وغیرہ لیکن اکثر عربی علمائے اس کو قبول کر لیا۔ بقول آرزو فارسی
میں توافق موجود ہے۔ لیکن یہ صرف چند الفاظ ہی میں پایا جاتا ہے
اور جہاں کہیں بھی یہ پایا جاتا ہے اس خاص لفظ کے مجازی معنی
اور ایک لفظ کے دو معنی ہونے کی وجہ سے ضد کا باعث بن جاتا ہے
جیسے لفظ سپوختن جس کے دو معنی ہیں زبردستی اندر لانا اور زبردستی
اوپر اٹھانا، کسی چیز کو اذیرا اٹھانے کے لیے اندر لانا ضروری ہے
اسی طرح ہندی میں لفظ کل جس کے معنی روز گذشتہ اور روز آئندہ دونوں ہی ہیں۔

پنیتسویں اصل

یہ اصل مترادفات کے بارے میں ہے یہ پوری اصل مزہر پر مبنی ہے
الفاظ مفردہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو ایک چیز پر ایک اعتبار سے دلالت کرتے
ہیں جیسے تیغ اور شمشیر۔ جیسا کہ ارباب لغت نے لکھا ہے تیغ تیز کا بدل ہے۔

کیونکہ زای معیمہ غین سے بدل جاتا ہے ستیز و ستیغ و شمشیر مرکب ہیں
شم بمعنی نافخ و شمشیر اور کچی اور تیزی کی وجہ سے اس کو شمشیر کہتے ہیں

اسی طرح آغوش و کنار و بر کو مترادف بتایا ہے تحقیق کے مطابق آغوش گرفتن، بغل گرفتن ہے یعنی ہاتھوں کو کھولنا اور کسی کو کسی کر پکڑ لینا اور سینے کے ساتھ چمٹا لینا اور در کنار گرفتن میں کسی کو اپنے زانوں پر بیٹھانا اور خود سے لپٹا لینا۔ ان دونوں میں فرق صرف حالتوں کا ہے۔ پہلی حالت میں کھڑے ہونا ہے اور دوسری میں بیٹھا ہونا ہے۔ اگر کوئی کھڑا ہے اور اس نے کسی کو لپٹا لیا ہے اس کو ”در آغوش گرفتن“ کہیں گے ”در کنار گرفتن“ نہیں کہیں گے اسی طرح اگر کوئی بیٹھا ہے اور کسی کو اپنے پاس بیٹھا لیا ہے اس کو ”در کنار گرفتن“ کہیں گے۔ ”در آغوش گرفتن“ نہیں کہیں گے۔

اکثر لغت کی کتابوں میں یزدان ایزد کا مرادف معلوم ہوتا ہے کیونکہ یزدان مخفف ایزدان ہے جو کہ الف کے اضافے سے بنا ہے۔ اسی طرح لفظ ایمر الف پر زبر کے ساتھ مرادف یادہ یاد ہے۔ خاقانی^(۱)؛

ایمر ملو کہ آسمان اہل برون نمی دهد اہل چو نامدار از عدم حیت گناہ آسمان
چھتیسویں اصل؛

یہ اصل علم التبارع سے متعلق ہے اور مزہر پر سنی ہے۔ ابن فارس نے جو کچھ اپنی کتاب فقہ اللغة میں لکھا ہے اس میں اسی طرز کو اپنایا گیا ہے جیسا کہ مزہر میں بیان کیا گیا ہے۔ اس اصل میں ان سنی دار اور غیر معنی دار الفاظ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جنہوں نے فارسی اور دوسری زبانوں میں جبکہ پالی سے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ہر طبقہ کے لوگ اس کو آزادی

۱۔ جہانگیری ص ۲۱۴، سروری ص ۲۱۰، جہانگیری: کہ۔

سے استعمال کرتے ہیں۔ آرزو کے مطابق غیر معنی دار الفاظ معنی دار الفاظ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تاکہ جملے میں زور پیدا ہو سکے جیسے سید، اوتیب، بمعنی حیران، پریشان، داس و دلوں بمعنی کمینہ اور نیچ، تروت و پرت^(۲) بمعنی زیر و زبر، ناز و مار بمعنی پریشان۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ یہ فارسی میں واو عطف کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں جبکہ عربی میں بغیر واو عطف کے ہیں۔ لیکن جہانگیری کے مطابق شور و مورد و الگ الگ معنی کے لفظ ہیں، شور کے معنی نخس اور مورد کے معنی مورچہ ہے اگر کسی کو حقارت سے متوجہ کرنا چاہیں تو شور و مورد کہہ دیتے ہیں

خاقانی^(۶):

شور و مورد حسود^(۷) انش اگر چہ کہ لاف۔ شار و مار اند و نفر بانفر آیینہ اند
حکیم سنائی^(۹):

زہر دو طامات و زائر مزخرف ہمہ سال باخلق در شور و مورد اند
شار و مار کو رشیدی و سردی کا تہی نے بغیر واو کے بتایا ہے بمعنی مار و زہر
ابرہان ص ۱۲۱: "این لغت از اتباع است بھوتا و مار و خان و مان و امثال آن
و بمعنی گشتہ و تیز و بدھوش و حیران باشد بمعنی سرگشتگی و شغل و کار نیز ہست۔"

۲۔ برہان ص ۸۱۲: "این کلمہ از اتباع است، بھون تار و تروت و مرت بمعنی ضائع و ابتور و دورا نکلندی باشد مانند خار و خش و خاش و امثال آن و بمعنی سفید و سفید و دون ہم ہست (۳) برہان ص ۴۸۲: "باتای قرشت بروزن ہرج و مرج، این لغت از اتباع است بمعنی تاخت و تاراج و زیر و زبر و پرانندہ و پریشان و بزریان رفتہ و نقصان آمدہ و از ہم افتادہ۔ (۴) برہان ص ۴۵۷، بروزن

کار و بار۔ این لغت از اتباع است بمعنی پرانندہ و از ہم پاشیدہ و زیر و زبر
شدہ و پراپریشان باشد و ناچیز و نالودگر دیدہ و انیز گویند۔ (۵) جہانگیری ص ۲۰۳، ۲۰۴
(۶) لفظ (۷) حسود انت (۸) جہانگیری و لیکن (۹) الفیصل ص ۲۰۳، (۱۰) شہیدی ص ۹۱

اور شور و شور بھی بغیر واؤ کے مورچہ کے معنی میں بتایا ہے کہ آرزو نے
سراج اللغة میں لکھا ہے کہ شور و شور بغیر واؤ عطف کے بمعنی شوم
اور ضعیف ہے جیسا کہ شوز نخت، شور چشم۔

سینتیسویں اصل

یہ اصل اعراب سے متعلق ہے۔ بقول آرزو الفاظ کو بغیر حرکت کے
داعراب سے تلفظ کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر آواز مخرج تک پہنچ جائے
یا اس سے آگے بڑھ جائے وہ حرکت ہے اور اگر تقویری حرکت ہو
اور اس میں زیادہ زور نہ ہو جس کی بنا پر وہ طویل محسوس ہو اس
کو سکون کہتے ہیں۔ اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ حرکت ساکن
اور متحرک دونوں ہی ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر الفاظ کا تلفظ
محال ہے۔ ممکن ہے دو معروف کی ایک ہی حرکت ہو مثلاً واؤ معدولہ
خواب و خواست۔ اس طرح کے ممکنات رخ کے بعد واؤ معدولہ کے
لیے ہی مخصوص نہیں ہیں، واؤ مذکورہ گذرے ہوئے حرف کے لہجہ سے
جوڑا جاتا ہے دونوں میں ایک ہی اعراب پائی جاتی ہے) چاہے
حرف رخ نہ بھی ہو بلکہ کوئی دوسرا ہی حرف ہو مثلاً گواں دمعنی گزریا
جس میں واؤ معدولہ سے پہلے فارسی کا ف (گ) سے منسلک ہے
آرزو کے مطابق چاہے واؤ معدولہ حرف رخ سے جوڑا ہوا ہو یا

۱۔ سراج اللغة ورق ۲۱۱: شور و زور مور معروف دمعنی نوغانیز شہر اعراب و معنی شوم
و شوم نیز چنانچہ شور چشم و شور نخت دین اغلب کہ مجازاً است و معنی و زرش کاری نیز و زرش
ماخوذ است و شورش معنی و زرش گذرہ سلاج و معنی برہم نہ سندہ و آمیزندہ و ام بدین دو
معنی و شربندہ و در شیش و شور بدین بہر دو معنی مصدر است و شورش ظاہر ماخوذ است
از معنی برہم نہ سندہ پس مجازاً است۔

سی اور حرف سے دوسرے حروف بھی لہجہ کے اعتبار سے ایکسا ہی اعراب لے ہو سکتے ہیں مثلاً گکیان (یعنی علم) جس میں حرف ی، ہے زکہ (لیکن) ہاں گکیان ہندی لفظ ہے جو کہ فارسی میں متعمل نہیں ہے۔

اعراب تین طرح کے ہوتے ہیں کسرہ، ضمہ و فتح جنکو فارسی میں زیر پیش اور زبر کہتے ہیں۔ اگر زبر کے بعد الف ہوتا ہے تو مدہ ہو جاتا ہے، اگر زیر کے بعد ی، ہوتا ہے اور پیش کے بعد واؤ ہوتا ہے تو اس کو یای معروف اور واؤ معروف کہتے ہیں۔ فارسی میں اس طرح بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ متاخرین میں سے اکثر اہل ایران واؤ اور یای مجہول کو معروف کہتے ہیں اور مطلقاً شبیر یعنی لبن، و شبیر یعنی اسد اور لوت واؤ معروف یعنی برہنہ اور واؤ مجہول یعنی اقسام طعام ہے۔

اڑتیسویں اصل

یہ اصل سب سے زیادہ طویل ہے اور سب سے اہم بھی فارسی زبان کی بنیاد دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں کی طرح چوبیس حرف پر ہے۔ آرزو کے قول کے مطابق زبان کی بنیاد ان ہی حروف پر ہوتی ہے صاحب رشیدی کے مطابق یای موحده اور نا فارسی میں نہیں استعمال ہوئے ہیں۔ عربی زبان میں اٹھائیس حروف ہوتے ہیں ان میں سے آٹھ حروف فارسی میں نہیں ہیں کیونکہ فارسی لہجہ کے ساتھ ان کا تلفظ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن فارسی میں کاف فارسی، بای فارسی، جیم و زای بھی زیادہ ہیں اس سے حروف کی کل تعداد چوبیس ہو جاتی ہے۔ شرف الدین علی نیردی نے آٹھ حروف کو جو فارسی میں نہیں ہیں اور

عربی کے حروف ہیں، اس طرح نظم کیا ہے
ہشت حرف است آنکہ اندر فارسی ناید، ہی

تا نیا موزی نیا شی اندر ہی معنی معاف
بشنو از من تا کہ ام است آن حروف دیادگر

ثا و حا و صا د و ضا د و طا و ظا و عین و قاف

آرزو نے ہر ہر حرف کو الگ الگ سلسلے وار بیان کیا ہے۔ ان میں قواعد
کے اعتبار سے جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان پر مفصل بحث کی گئی ہے اس میں
مفرد الفاظ بیان کیے گئے ہیں۔

انتالیسویں اصل،

اس اصل میں آرزو نے فارسی میں استعمال ہونے والے غیر مفرد
الفاظ سے بحث کی ہے۔ اور ان کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔
اس میں ہر حرف کو الگ الگ اعتبار سے سلسلے وار بیان کیا ہے اور
ان سے متعلق جو فارسی زبان میں قواعد ہیں اس پر بھی مفصل روشنی
ڈالی ہے وہ بتاتے ہیں کہ کبھی الفاظ میں بعض کلمات زیادہ کہتے
ہیں۔ ایسا کبھی اکم کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے مثلاً آب و آؤ۔ آؤ، آب
کا بدل ہے۔ لفظ پایاب اصل لفظ ہے پای بمعنی پائیدگی و بقا و
توت و طاقت، فردوسی:

مرا نیست در جنگ پایاب او نہ بینی بردھای پر تاب او
مولف کا کہنا ہے کہ "پایاب دراصل بمعنی جای است درآبے یا
کہ پاؤں آبخا بہ آب رسد"

چالیسویں اصل :

یہ اصل ”در معرفت بحث فی المزمع“ سے ماخوذ ہے۔ قال ابن فارس فی فقه اللغة العرب تحت من کلمتین کلمہ واحد وھو جنس من الاختصار کجملہ“۔ آرزو کا کہنا ہے کہ یہ بحث فارسی میں کہی آئی ہے۔ لیکن بہت کمی کے ساتھ جیسا کہ اہل ایران سنتی ملحد کو محمد سین مہملہ کے ساتھ کہتے ہیں۔ اسی طرح بھمل جو کہ بسم اللہ سے ماخوذ ہے جب جانور کو ذبح کرتے ہیں اس وقت بسم اللہ کہتے ہیں۔ اسی طرح بیتل بیت المال کے معنوں میں ہے اور عبدل عبد اللہ ہے ایک شجر ہے۔ متبذل معنی پوشیدہ و اماندہ چند مال خود ساختہ بایک دوسرے بیتل

اکتالیسویں اصل

اس اصل میں روزمرہ اور محاورات و امثال سے بحث کی گئی ہے اور ان کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ آرزو کے قول کے مطابق وہ کلام جو امثال سے پُر ہو جلد ہی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ غنی کا شمیری نے اس بات کو نہایت خوبصورت پیرایہ میں وضاحت کے ساتھ اپنے مندرجہ ذیل شعر میں استعمال کیا ہے :

چہ نسبت نغمہ را با روی نیکو

اور

شنیدہ کی بود مانند دیدہ

بلبل برداشت آشیانرا گل گفت کہ خس کم و جہاں پاک
امثال کے استعمال سے لطف سخن پیدا ہو جاتا ہے شیخ جلال الدین سیوطی

مصر میں کہتے ہیں :

وقال ابو عبیدہ الامثال حکمة العربی فی الجانظیة والامثال
کانت بعارض کلامها نیلغ بها ما حاولت من حاجاتها
فی المنطق بکنایة غیر تصریح فیجتمع لها بذلك ثلث
احوال ایخار اللفظ واصلیة المعنی حسن التنبید وقد
ضربها به البقی علی اللہ علیہ والہ وسلم وتمثل بها هو ومن
بعدہ من السلف وقال الفارابی فی ایوان الادب المثل
ما قرأه العامة والخاصة فی لفظ ومعناه حتى ابدلوه
فیما ینهم به فی السراء والفساء واستدلوا من الدرر صلوٰہ
الی اطال بح القصة وتفرحوا به عن الکرب .

وہو ابلغ کلام الحکمة لان الناس لا یجتمعون علی ناقص
ادمعصر فی الجودۃ والنادر حکمہ صحیحہ ما یودی عند المثل
الا انہا لم تشع فی المجهور ولا بحالا فی الخواص دلیس فیہا دین
المثل الا الشیوخ

مندرج ذیل کچھ مثالیں بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں

۱۔ ازکوزہ ہمان تراود کہ دروست .

ہر کس سرانجام فطرت و درون خود را در جریان عمل
بروز می دهد۔ ازکون آسمان افتادن بسیار متکبر و مغرور بودن^(۱)
پیامے سے دیبا چیز چمکتا ہے جو اس میں ہوتی ہے۔ یعنی جس
چیز کی فطرت ہوتی ہے۔ ویسے ہی افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں^(۲)

۲۔ آئینہ در دلیک است بچہ بری آید۔

۱۔ رک، فریبند عوام میں ۵۱۔ (۲) رک، فریبند امثال ص ۱۲

ہر کس جہاں استعداد عا و ذاتیاتی را کہ دارد در موقع غم از خود بروز
می دهد۔ همانند: از کوہ جہاں برون تراود کہ در اوست^(۱)

جو کچھ دیگ میں ہے وہ چمچے میں آئے گا۔ یعنی اصلیت کہاں
تک چمچے گی۔ آخر ظاہر ہو کر رہے گی^(۲)

۳۔ اول طعام بعدہ کلام۔

این مثل را وقتی بکار برند کہ موقع صرف شام یا ہمار باشد و کس
بخواہد باب گفتگوئی را بگشاید درین صورت بہ وی گویند، یعنی اول
غذائی خود مانرا بخوریم و سپس با فراغ بال بصحت و گفتگو بپردازیم^(۳)
پہلے کھانا پیچھے باتیں۔ بھوک کی حالت میں لوگ یہ فقرہ کہتے ہیں
مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے کھانا کھالیں اس کے بعد باتیں
کریں گے^(۴)

۴۔ بالاتر از سیاہی رنگ دیگر نباشد۔

بالای سیاہی رنگی نیست، بدتر از آن چیزی نیست۔ مثال: بآن ہمہ
نسبت ہای ناروائی کہ بمن دادند۔ این نسبت ہم روی آن^(۵)

سبہا ہی سے بہتر کوئی اور رنگ نہیں^(۶)

(۱) فرہنگ عوام ص ۲۹ (۲) فرہنگ امثال ص ۲۸

(۳) فرہنگ عوام ص ۶۹ (۴) فرہنگ امثال ص ۳۲

(۵) فرہنگ عوام ص ۸۶ (۶) فرہنگ امثال ص ۴۳

(۵)۔ پس ماندہ گاؤں بخر باید داد :
 مرد شریف و نذر گوارہ گز زیر جبار ریزہ خواہی خوان دونان مرد^(۱)
 بیل کا جھوٹا گدھے کو دینا چاہیے۔ یعنی جس چیز پر کوئی ذلیل آدمی
 تصرف کر چکا ہو وہ اسی قابل ہے کہ اس سے زیادہ ذلیل آدمی
 کو دی جائے۔^(۲)

(۶)۔ پیشہ چوپر شد بزند پیل را،
 عوام می گویند پیشہ کہ نویداد شد فیہ رامی زندہ مانند: آری باتفاق
 چنان می توان گرفت۔^(۳)

جب بہت سے بھر جمع ہو جاتے ہیں تو ہاتھی کو گرا دیتے ہیں یعنی جب
 بہت سے کمزور آدمی متفق ہو جاتے ہیں تو بڑے سے بڑے شے زور پر غالب
 آ جاتے ہیں۔^(۴)

۷۔ قاتر یاق از عراق آرنند مار گزیدہ مردہ بود :
 ہمانندہ یعنی نوشدارو بعد از مرگ سہراب۔^(۵)
 جب تک عراق سے تریاق لایا جائے۔ سانپ کا کاٹنا درجائے گا۔
 جب کسی امر کے لیے کسی فریاد پر کی ضرورت ہو اور کہ فی شخص ایسی
 تدبیر بتائے جس میں بہت دیر لگے تو قیلاً نقل کرتے ہیں۔

(۲) فرہنگ اشال ص ۵۹

(۵) فرہنگ عوام ص ۱۵۲

(۶) فرہنگ اشال ص ۶۲

(۱) فرہنگ عوام ص ۲۶

(۲) فرہنگ اشال ص ۱۸

(۳) فرہنگ عوام ص ۱۴۰

۸۔ تاشب نردی روی روز بجای نرسی :

ہمانند : از تو حرکت از خدا برکت، ہر کہ کوشید برود^(۱)

اگر رات کو نہ چلو گے تو دن کو کہیں نہ پہنچو گے۔ یعنی بغیر محنت کیے ہوئے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا^(۲)۔

۹۔ جهان دیدہ بسیار گوید دروغ :

این مثل شاید در دنیا می قدیم صدق می کرد ولی در دنیا
امروز کہ سیر و تفریح در اقطار آن با کمال سہولت انجام می گیرد
کمتر مصداق پیدا می کند^(۳)

جہان دیدہ آدمی بہت جھوٹ بولتا ہے ۔

۱۰۔ جای بنشین کہ برنخیزانند^(۴) :

ہمانند : پارا از کلیم خود دراز تر مکن^(۵)۔

ایسی جگہ بیٹھو کہ اٹھنا نہ پڑے۔ یعنی جب کسی بغل میں جاؤ تو اس
جگہ بیٹھو جو تمہاری حیثیت کے موافق ہو، ایسا نہ ہو کہ تم اپنے سے بڑے
مرتبہ والوں کی جگہ بیٹھ جاؤ اور پھر وہاں سے اٹھنا پڑے جاؤ^(۶)۔
۱۱۔ چشم بد دور :

بہنو ان دعاء تعویذ و در موقع تمجید و تحسین از چیزی یا آدمی
خوب اشخاص و مخصوصاً اطفال گفتہ می شود۔ مثل چشم بد دور

(۱) فرہنگ عوام ص ۷۷

(۲) فرہنگ امثال ص ۶۱ (۳) د (۴) فرہنگ عوام ص ۱۹۶

(۵) فرہنگ امثال ص ۶۲ (۶) فرہنگ عوام ص ۷۷

(۷) فرہنگ امثال ص ۶۹-۷۰

فرزدان برادرم بچہ ہای خیلی آب در آواز شاعری گوید:
 چشم بدور محفل دیدم روشن از نور حق نہ از نیراق^(۱)
 بری نظر دور رہے یعنی نظر نہ لگے۔ کسی کی تعریف کرتے وقت یہ فقرہ
 استعمال کرتے ہیں^(۲)۔

۱۲۔ چاہ کن ہمیشہ در چاہ است :
 کسی کہ بدگیری بدی یا غلمی بکنہ خوش ہم بدی یا ستم خواہد دید کسیکہ
 برای دیگری سعایت کند سرانجام خود دستخوش عواقب شوم آن
 خواہد رسید^(۳)۔

کنوان کھود نے دالے کے آگے کنواں پڑتا ہے، یعنی جو دوسروں
 کو بلا میں پھنساتا ہے اکثر وہ خود بلا میں پھنس جاتا ہے^(۴)۔
 ۱۳۔ حاجت مشاطہ نیست روی دلا آرام را :
 روی نیکو محتاج زینت و زینت نیست، کسی شہ صف بصفات نیکو
 و خصال پسندیدہ است نیازمند آرائشی ہای صورت نیست۔ همانند:
 تن آدمی شریف است بجان آدمیت^(۵)
 نہ ہمیں لباس زیباست نشان آدمیت۔

اچھی صورت کے لیے مشاطہ کی ضرورت نہیں ہے یعنی جو چیز حقیقت
 میں اچھی ہے وہ بغیر ظاہری آرائش کے اچھی معلوم ہوتی ہے^(۶)۔
 ۱۴۔ حلوا حلوا گفتن شیرین نمی کند :
 تا نعمتی بکف نیاید از وجود آن نمی توان بہرہ مند شد^(۷)۔

۱۱ فرہنگ عوام ص ۱۹۲ (۲) فرہنگ اشعار ص ۲۷

(۳) فرہنگ عوام ص ۱۹۰ (۲) فرہنگ اشعار ص ۲۷ (۵) فرہنگ عوام ص ۲۰۶
 (۶) فرہنگ اشعار ص ۸۱ (۷) فرہنگ عوام ص ۲۱۴

حلو احوال کہنے سے منہ میٹھا نہیں ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کا صرف ذکر کرنے سے اس چیز کا لطف حاصل نہیں ہوتا^(۹)

۱۵۔ خانہ درویش را شمع بہ از قہاب نیست،

وقتی انسان دسترسی بچیز ہوا دارد و جالبی ندارد دفعہ احتیاج و نیاز مندی خویش را بچیز سادہ تری کہ جای آنرا توا ندگرفت قناعت ہی کند^(۱۰)۔
فقر کے گھر کے لیے چاندنی سے بہتر کوئی شمع نہیں^(۱۱)

۱۶۔ خانہ شیشہ را سنگی بس است؛

در جہان دو دیوانہ را دنگی بس است؛ ہما ندو بمعنی یکی دیگر زنی بیج دارم۔

شیشے کے مکان کے لیے ایک پتھر کافی ہے یعنی بودی اور کمز در چیز بہت آسانی سے ٹوٹ جاتی ہے^(۱۲)۔

۱۷۔ دست بکار و دل بیار؛

ہر چند سرگرم کار است، ولی دشر در جای دیگر پائیش یا راست^(۱۳)

ہاتھ کام میں اور دل درست ہیں۔ یہ فقرہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص ہاتھ سے کام کر رہا ہو مگر اس کی طرف متوجہ نہ ہو
دل ز کجی اور سوچ رہا ہو^(۱۴)۔

(۱) فرہنگ امثال ص ۸۳ (۲) فرہنگ عوام ص ۲۲۰

(۳) فرہنگ امثال ص ۸۷ (۴) فرہنگ عوام ص ۲۲۰

(۵) فرہنگ امثال ص ۸۷ (۶) فرہنگ عوام ص ۲۶۸

فرہنگ امثال ص ۸۷

۱۸۔ دست شکستہ و بال گردن است :

عضو بیکار و بیفادہ خانوادہ یا فرزند بد و فاسد تخیل بر خانوادہ است
ولی از نگاہ داری وی ہم گزیری نیست^۱۔

ٹوٹا ہوا ہاتھ گردن کے لئے وبال ہے یعنی جیت تک کسی چیزت
ہمارا کام نہ کھتا رہتا ہے اسی وقت تک ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور
وہ چیز ہم کو پیاری ہوتی ہے مگر جب وہ ہمارے کام کی نہیں رہتی
اس کو اپنے پاس رکھنا بھی ہمیں گراں گزرتا ہے^۲۔

۱۹۔ روز نوروزی نو: از آئینہ اندیشہ مکین، ہر روز نو کہ بیاید
روزِ آن نیز ہمراہ بیاید، درد نیای امروز این یک دستور
غلطی است و بہمن جہت برای تائین آئینہ اشخاص انواع بعینہ ہا
و صندوقہای پس انداز ترتیب دادہ اند تا پس ازین کسی بمثل
روز از نو، روزی از نو تمک نہ جوید این مثل بمعنی ہر چیز کہ
غرض دارد گذر ندارد نیز بکاری رود مراد این است کہ اگر خدمتی
خوابستی انجام نہ ادا نمائیک برای انجام بمان خدمت یا خدمت دیگر
آمادہ ام بیا اگر تمدن کار را در موقع خود نکردی بنور موقع نگذرت

است ہم اکنون می توانی بکنی؟^(۱)

نیا دن نئی روزی - یعنی کل کے لیے آج سے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج جو کچھ ملا ہے اسے اطمینان اور بے فکری سے صرف کر دو کل کی بات کل کے ساتھ ہے جس خدا نے آج دیا ہے وہی کل بھی دے گا۔ اس قول کے مصداق وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اپنی روزی حاصل کرنے کا طریقہ روز روز بدلا کرتے ہیں^(۲)

۲۰۔ رنگریش بریش خود در ماندہ :- یعنی رنگ ریش از ریش خود عاجز است چرا کہ او ہمہ چیز ہارا رنگ می کند اما ریش خود را نگہ نتوان کرد۔ مراد از این است کہ در ہمہ کار ہای دیگران مدد می کند و تنہا احتیاج برای خود آید مدد خود نتوان کرد۔

رنگ ریش اپنی دائرہی سے عاجز ہے۔ یعنی وہ اور سب چیزیں تو رنگ دیتا ہے مگر اپنی دائرہی نہیں رنگ سکتا۔ مراد یہ ہے کہ دوسروں کے بگڑے ہوئے کام بنانا آسان ہے مگر جب خود کسی پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو کچھ بنائے نہیں بنتی ہے^(۳)

۲۱۔ زمانہ باتو نسا زد تو بازمانہ بساز :- یا زمانہ سازی کردن

با تملق و چاپلوسی و زبان بازی با مردمان رفتار کردن۔ مثال :

فلاں با بچکس راست نمی گوید و با ہمہ زمانہ سازی می کند^(۴)

(۱) فرہنگ عوام ص ۲۴

(۲) فرہنگ امثال ص ۱۱۵

(۳) فرہنگ امثال ص ۱۱۴

(۴) فرہنگ عوام ص ۳۲۷

زمانہ تجھ سے موافقت نہ کرے گا تو زمانے سے موافقت کر یعنی تم یہ فضول کوشش نہ کرو کہ دنیا تمہاری ہم خیال ہو جائے۔ بلکہ تم کو خود اس راستہ پر چلنا چاہیے جس پر دنیا چل رہی ہے^(۱)۔

۲۲۔ زمین سخت و آسمان دور: دسترس بچیزی نداشتن۔ از ہر چارہ و درمائی بی بہرہ بودن۔ ہمانند: دست ماکوتاہ و خرما نخیل^(۲)۔

زمین سخت ہے اور آسمان دور ہے یہ فقرہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی شخص کے لیے کوئی پناہ کی جگہ نہ ہو۔ یعنی اگر زمین سخت نہ ہوتی تو وہ اس میں سما جاتا اور اگر آسمان دور نہ ہوتا تو وہ وہیں جا کر پناہ لیتا^(۳)۔

۲۳۔ سگ زرد برادر شغال: بہر دو از حدیث بدی و دنائت یکمان اند۔ ہمانند: نہ قم خوب است نہ کاشان، لخت بہر دو تا نشان سگ سیاہ و سفید ندارد^(۴)۔

زرد کتا گیدڑ کا بھائی۔ جب کسی برے آدمی کا ذکر کر کے کسی دوسرے آدمی کا نام لیتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ بھی قریب قریب اتنا ہی برا ہے تو یہ فقرہ بولتے ہیں^(۵)۔

۲۴۔ سلام روستائی بے طمع نیست: یعنی سلام و تعارف ہا یا اظہار خصوصیت ہا مقدمہ ای برای بیان خواہش و تمنائی^(۶)۔

(۱) خزائنہ اشعار ص ۱۱۸ (۲) فرہنگ عوام ص ۳۲۸

(۳) فرہنگ اشعار ص ۱۱۸ (۴) فرہنگ عوام ص ۳۵۸

(۵) فرہنگ اشعار ص ۱۲۳ (۶) فرہنگ عوام ص ۳۶۰

دہقانی کا سلام بے غرض نہیں ہوتا جب کوئی چھوٹا آدمی بڑے آدمی کو سلام کرتا ہے اور خاموش گھبراہٹ جاتا ہے مگر اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی درخواست کرنا چاہتا ہے تو یہ جملہ کہتے ہیں۔

۲۵۔ شیشہ بشکتہ را پیوند کردن مشکل است : ہمانند : کا سراہی کہ بشکت کلو اپنے یرنیت

لٹے ہوئے شیشے کو جوڑنا مشکل ہے یعنی جب کسی طرف سے دل میں میل آجاتا ہے تو پھر صفائی بڑی مشکل ہوتی ہے۔

۲۶۔ شنیدہ کی بودمانند دیدہ ترا دیدیم و یوسف را شنیدیم ہمانند : شنیدن چون دیدن نباشد درست۔

سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی چیز کی طرح کہاں ہوتی ہے سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی : ہمانند : صد موش ایک گر بہرست

۲۷۔ صد کلاغ و یک کلوخ : ہمانند : صد موش ایک گر بہرست سو کوڑوں کے لیے ایک ڈھیلا کافی ہے۔ یعنی ہزدلوں کی کثرت سے دُرنا نہ چاہیے۔ ایک ذرا سی سختی میں سب تتر بتر ہو جاتے ہیں! ۲۸۔ صبر تلخ است ولیکن بشیرین دارد صبر کردن اگرچہ خلی مشکل است اما اگر کسی می کند ثمر آن خوب می باشد

صبر کڑوا ہے مگر اس کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یعنی صبر کرنا مشکل کام ہے مگر صبر کا نتیجہ اچھا ہوتا ہے۔

(۱) فرہنگ اشال ص ۱۳۴ (۲) فرہنگ عوام ص ۳۸۸

(۳) فرہنگ اشال ص ۱۲۸ (۴) فرہنگ عوام ص ۳۸۵

(۵) ایضاً ص ۱۲۷ (۶) ایضاً ص ۳۹۲

(۷) ایضاً ص ۳۹۰

۲۹- ضامن دست بکبیه است : موقعی که ضمانت دیگری را کردی باید قبلاً در فکر پرداخت مال الضمان باشی و چه ممکن است ضمانت شد از پرداخت دین خویش در سر موعد دریغ دارد.
 ۳۰- طهق لعنت بگردنش افتاد : زحمت یا مشقتی بر عهده کسی واگذار شدن . در مزاجت گرفتار زن بدخوی و بد رفتار شدن : مثال نمی‌آیم این کار چه طوق لغتی بود که برگردن من گذاردند نمی دانم این زن چه طوق لغتی بود که برگردن من نهادند^(۳۱)

لعنت کا طوق اس کی گردن میں طحال دینا^(۳۲)

۳۱- رشتش از بام افتاد : همانند و به معنی رسوا شدن در همان طوره وقتی طاس که ظرفی است از مس بام بیفتد صدای درشت می‌کند، وقتی از عمل زشت و سنگینی بهم پرده برداشته شود - صدای آن بهمه جای پیچیده^(۳۳)

طشت کوٹھے پر گر پڑا یعنی بدنای بیوئی اور بہت بیوئی^(۳۴)
 ۳۲- ظاہر و باطنش یکی است : یک رو و یک رنگ دلی رو وریا بودن^(۳۵)

ظاہر و باطن یکساں ہونا - صاف دل ہونا .

۳۳- ظرفش لبریز است : عمرش سرآمده ؛ همانند : آفتابش لب بام رسیده . طاقش طاق گردیده^(۳۶) .
 عمر کا آخری وقت پر پہنچ جانا - قریب المرگ ہونا .

۱۱- فرہنگ عوام ص ۳۹۵ - (۲) فرہنگ عوام ص ۴۰۰ (۳) فرہنگ اشال ص ۱۳
 (۴) فرہنگ عوام ص ۳۹۰ (۵) فرہنگ اشال ص ۱۳۱ (۶) فرہنگ عوام ص ۴۰۱
 (۷) فرہنگ اشال ص ۴۰۱

۳۴۔ عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود، ہر کس در پیروی از دین و عقیدہ خود آزاد است^(۱)۔

عیسیٰ اپنے دین پر اور موسیٰ اپنے دین پر یعنی ہر شخص کے خیالات جدا ہوتے ہیں۔ اختلاف رائے پر جھگڑا نہ ہونا چاہیے^(۲)۔

۳۵۔ علاج واقعہ پیش از وقوع باید کرد بلاندریدہ د عارا شروع باید کرد۔ بہ مانند: سرچشمہ شاید گرفتن بہ پیل، چون پُرشند نشاید گزشتن بہ پیل، گر بہ را سر جلد می کشند، دار و پس مرگ کی کند سود^(۳)۔

واقعہ کا علاج اس کے واقع ہونے سے پہلے کرنا چاہیے۔ یعنی اگر کسی ناگوار واقعہ کے پیش آنے کا اندیشہ ہو تو اس کی روک تھام پہلے سے کرنا چاہیے^(۴)۔

۳۶۔ غور مونی نمی شود: ہمہ کس نمی تواند جای ہمہ کس را بگسرد بہ مانند: ہمہ گردی گرد نیست^(۵)۔

۳۷۔ غریب کور می باشد: چرا کہ با کسی آشنای و با وضاع و احوال و یاری کہ در آنجا دارد شدہ معرفتی ندارد^(۶)۔

۳۸۔ فردار کہ دیدہ است: معلوم نیست فردا چہ پیش آمدی خواہد شد^(۷)۔

کل کس نے دیکھی ہے۔ یعنی آنے والے زمانے کا کیا اعتبار۔

(۱) فرہنگ عوام ص ۱۲۲ (۲) فرہنگ اشال ص ۱۳۷

(۳) فرہنگ عوام ص ۱۰۸ (۴) فرہنگ اشال ص ۱۳۵

(۵) فرہنگ عوام ص ۱۵ (۶) فرہنگ عوام ص ۱۲ (۷) فرہنگ عوام ص ۱۸

۳۹۔ فریاد سگان کم نهند رزق گذارا: تہمت ہا و درو ہما و اقرا ہای
بدگو یان ہرگز مانع پیشرفت کار یا ترقی و تعالیٰ مردمان زحمت کش نمی شود
کتوں کا بھونکنا فقیر کے رزق کو کم نہیں کرتا ہے یعنی اپنے کام میں
لگے رہو اور لوگوں کو بچنے دو۔ ان کے کہنے سننے کا اثر تمہاری کامیابی
پر نہیں پڑ سکتا^(۱)

۴۰۔ تہر درویش زریان درویش: تہر و تعرض کردن مردم نیازمند
غالباً بزبان خود شبان تمام می شود^(۲)
فقیر کا غصہ فقیر کی جان پر۔ یعنی غریب بس آدمی کسی اور کو تو کچھ کہہ
نہیں سکتا اپنے غصہ میں آپ ہی جلتا ہے^(۳)
۴۱۔ قطرہ قطرہ جمع گردد و انگہی دریا شود: ہمانند: ذرہ ذرہ پشم
قالی می شود^(۴)

قطرہ قطرہ جمع ہو جاتا ہے تو دریا ہو جاتا ہے یعنی تھوڑا تھوڑا بہت
ہو جاتا ہے^(۵)۔

۴۲۔ کم خرج و بالانشین خیس کم خرج کن و پراخادہ۔ ہر چیز کم قیمت
پُر فائدہ^(۶)

قیمت کم وقعت زیادہ۔ یعنی ایسی چیز جو اچھی بھی ہو اور کم قیمت
بھی ہو^(۷)۔

(۱) فرہنگ عوام ص ۱۴ م ۲۱ فرہنگ امثال ص ۱۳۹

(۲) فرہنگ عوام ص ۲۲۵ م ۲۱ فرہنگ امثال ص ۱۴۲

(۳) فرہنگ عوام ص ۲۳۲ م ۲۱ فرہنگ امثال ص ۱۴۳

(۴) فرہنگ عوام ص ۲۶۵ م ۲۸ فرہنگ امثال ص ۱۴۹

۴۳۔ کلوخ انداز را پاداش سنگ است: جواب است ای برادر این
 نہ جنگ است۔ ہمانند۔ ہر دستی کہ دہی ہمان دست پس گیری، این
 جہان کوہ است و قتل ماندا، این ندرا بازی گرد و دھند^(۱)۔
 ڈھیل مارنے والے کی سزا تھہ ہے۔ یعنی جو جیا کرنے کا ویسا بھرے گا
 ۴۴۔ گرگ آشتی کرد، صلحی بہ نفاق، فرخی گوید:

غم دیدم آنکس کہ مرا می باید بسریدم از او تا دل من بجشاید
 نادیدن او بھی مرا بگشاید گرگ آشتی کنیم تا چن آید^(۲)
 بھڑیے کی دوستی، یعنی ایسی دوستی جس کا مقصد فریب دینا ہو^(۳)

۴۵۔ گر بنودی چوب تر فرمان نبردی گا و خر: ہما نند و بمعنی: فرمان کی
 بردگا و خر، تا ترس از مجازات نباشد مردم بدکار براہ راست نروند
 و مردم تنبل انجام وظیفہ نکنند^(۴)

اگر گیلی لکڑی نہ ہوتی تو بیل اور گدھے حکم نہ بجالاتے یعنی جب
 تک کسی طرح کا خوف نہ ہو کوئی کسی کی اطاعت نہیں کرتا^(۵)

۴۶۔ لایق افسر نباشد ہر خری: لایق ہر خرنہ باشد نہ ضران یا
 لایق ہر سر نباشد افسری ہمین معنی دارد یعنی این چیز در خور و نیست^(۶)
 ہر سرتاج کے قابل نہیں ہوتا یعنی ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا
 کہ اس کو بڑے سے بڑا مرتبہ دیا جائے^(۷)

(۱) فرہنگ عوام ص ۲۶۲ (۲) فرہنگ امثال ص ۱۲۹

(۳) فرہنگ امثال الحکم ص ۱۳۹۹ (۴) فرہنگ امثال ص ۱۵۵

(۵) فرہنگ عوام ص ۲۸۹ (۶) فرہنگ امثال ص ۱۵۶

(۷) فرہنگ عوام ص ۵۰۸ (۸) فرہنگ امثال ص ۱۵۸

۴۷۔ سیلی را بچشم مجنون باید دید^(۱) :

سیلی کو مجنوں کی آنکھ سے دیکھنا چاہیے۔ یعنی کسی چیز کی خوبی اس کے قدردان کے دل سے پوچھو^(۲)۔

۴۸۔ مارگزیدہ از ریمان می ترسد، انسان از ہر کس یا از ہر چیز آزار و آسیب دید، ہمیشہ از او یا انواع آن ہر اس دارد^(۳)۔ سانپ کا کاٹا رسی سے ڈرتا ہے۔ دودھ کا جلا سمٹھا پھونک بھونک کر پیتا ہے^(۴)۔

۴۹۔ مردہ آنست کہ نامش بہ نیکوئی نبرد: سعدی گوید: ^(۵) سعدی یا مرد نکونام نمیرد ہرگز مردہ آنست کہ نامش بہ نیکوئی نبرد مردہ وہ ہے جس کا نام نیکی کے ساتھ نہ لیں۔ یعنی اگر کسی کے مرنے کے بعد کوئی اس کا نام نہ لے یا برائی کے ساتھ لے وہ بیشک مردہ ہے۔ ورنہ جب تک کسی کا نام زندہ ہے تب تک اس کو زندہ سمجھنا چاہیے^(۶)۔

۵۰۔ نور علی نور: ولو تمسک ناد... یهدی اللہ لنودہ من بشاء^(۷)۔ ابوالفرج رونی گوید:

ہمیں تابد ز نور روی رایت جہان ملک را نور علی نور^(۸)

(۱) فرہنگ عوام ص ۱۷۵ د ۳۱ فرہنگ اشعار ص ۱۶۰

(۳) فرہنگ عوام ص ۵۲۱ (۴) فرہنگ اشعار ص ۱۶۱

(۵) فرہنگ عوام ص ۵۶۱ اشعار الکلم ص ۱۵۲ (۶) فرہنگ اشعار ص ۱۶۶

(۷) قرآن کریم سورہ ۲۲ آیہ ۳۵

(۸) فرہنگ عوام ص ۶۱۳ اشعار الکلم ص ۱۸۳۹

نور پر نور۔ اس فقرے سے مراد ہوتی ہے کہ ظلمان بات تو اچھی
تھی یہ اور بھی اچھی ہوئی۔ یہ فقرہ طنز کے موقع پر بھی بولتے ہیں
سوںے پر سہاگہ ہوا۔^(۱)

۵۱۔ نمک می خور دو نمکدان می کشد : ناسپاسی کر دن محبت را بعد از
دنیکی را بہ بدی سزا دادن۔ مثال^(۲)

نان بشکند بھی و نمکدان را صدقش نبین و مہر نیندازش
ہر کسی کہ نمک خور دو نمکدان شکند در محفل زندان جہان سگ بہ ازاوست
(ناخسرو)^(۳)

نمک کھانا اور نمکدان توڑنا یعنی جس سے فائدہ اٹھانا اسی کو نہ تصان
پہچانا جس ہانڈی میں کھانا اسی میں چھید کرینا^(۴)

۵۲۔ ولی را ولی می شناسد : ولی کو ولی پہچانتا ہے یعنی ہر شخص اپنے
سے آدمی کو خوب پہچانتا ہے۔^(۵)

۵۳۔ وقت ضرورت چو نماد گرینر دست بگیرد سر مشیر تیز^(۶)
ضرورت کے وقت جب بھاگ بھی نہیں سکتے تو ہاتھ تیز تلوار کا قبضہ
پکڑ لیتا ہے۔ یعنی جب آدمی مجبور ہو جاتا ہے تو مارنے مرنے پر
آمادہ ہو جاتا ہے۔^(۷)

۵۴۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست : "این مثل چہ در امور
مادی مانند ہدیہ ای کہ از دوستی برسد یا مطالبہ شود و چہ در امور

(۱) فرہنگ اشغال ص ۱۷۸ (۲) فرہنگ عوام ص ۲۱۲

(۳) اشغال الحکم ص ۱۸۳۵ (۴) فرہنگ اشغال ص ۱۷۷

(۵) ایضاً ص ۱۸۳ (۶) فرہنگ عوام ص ۲۳۰

معنوی، مانند ضروریاتی کہ از طرف دوستی بہ دوست خود وارد آئی
یا عمل خلافی کہ از ناحیہ رفیق شفقتی سہواً سرزد، ایرادی ستود^(۱)
”دوست سے جو ملے اچھا ہے“^(۲)۔

۵۵۔ ہرچہ دردِ دیک است بہ چچہ یری آید: ”ہمانند و بمعنی
از کوزہ برون ہمان تراود کہ در دوست“^(۳)
جو کچہ دیک میں ہے وہ چچہ میں آجاتا ہے۔ یعنی جو: صلیت ہو
ہے وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے^(۴)۔

۵۶۔ یار در خانہ و من گر دجہاں می گردم:

آپ در کوزہ و مانند بیابان می گردیم یار در خانہ و ما گر دجہاں می گردیم
این بیت را کابی تماماً و کابی ہر یک از دو مصرعہ آنرا در موقعی
ایراد کنند کہ در طلب چیز کا باشند و در راہ تحصیل آن سخت کوشش
کنند و حال آنکہ آن چیز در اختیار یا در دسترس ایشان است
بر اثر غفلت آنرا فراموش کردہ و ناگہان بیا دشن افتادہ اند^(۵)
”دوست گھر میں اور میں دنیا بھر میں ڈھونڈ مچھتا ہوں جب کوئی
چیز کسی کے پاس موجود ہو اور وہ اس کی تلاش کرتا پھرے تو
یہ مصرعہ پڑھتے ہیں“ بعل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈھو^(۶)۔

۵۷۔ یک سنگ و دو کلاغ: یک سنگ و چیل کلاغ، یک چوب
و صد چیل چراغ ہست!“

-
- (۱) فرہنگ عوام ص ۶۳۳ (۲) فرہنگ اشعار ص ۱۸۵
(۳) فرہنگ عوام ص ۶۳۳ (۴) فرہنگ اشعار ص ۱۸۵
(۵) فرہنگ عوام ص ۶۷۲ (۶) فرہنگ اشعار ص ۱۹۵
(۷) فرہنگ عوام ص ۶۸۲

نور پر نور۔ اس فقرے سے مراد ہوتی ہے کہ فلاں بات تو اچھی تھی یہ اور بھی اچھی ہوئی۔ یہ فقرہ طنز کے موقع پر بھی بولتے ہیں سونے پر سہاگر ہوا^(۱)۔

۵۱۔ نمک می خور دو نمکدان می کشد: ناسپاسی اگر دن محبت را بعد از
دنیکی را بہ بدی سزا دادن۔ مثال^(۲)

نان بشکند بھی و نمکدان را صدقش نبین و مہر نپندارش
ہر کسی کہ نمک خور دو نمکدان شکند در محفل زندان جہان سگ بہ اناؤ
(ناخسر و)^(۳)

نمک کھانا اور نمکدان توڑنا یعنی جس سے فائدہ اٹھانا اسی کو نہ تصان
پہچانا جس باندی میں کھانا اسی میں چھید کر^(۴)

۵۲۔ ولی را ولی می شناسد، ولی کو ولی پہچانتا ہے یعنی ہر شخص اپنے
سے آدمی کو خوب پہچانتا ہے۔^(۵)

۵۳۔ وقت ضرورت چو نماند گرینر دست بگیرد سر مشیر تیز^(۶)
ضرورت کے وقت جب بھاگ بھی نہیں سکتے تو ہاتھ تیز تلوار کا قبضہ
پکڑ لیتا ہے۔ یعنی جب آدمی مجبور ہو جاتا ہے تو مارنے مرنے پر
آمادہ ہو جاتا ہے^(۷)۔

۵۴۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکوست: "این مثل چہ در امور
مادی مانند ہدیہ ای کہ از دوستی برسد یا مطالبہ شود و چہ در امور

(۱) فرہنگ امثال ص ۱۷۸ (۲) فرہنگ عوام ص ۶۱۲

(۳) امثال المحکم ص ۱۸۳۵ (۴) فرہنگ امثال ص ۱۷۸

(۵) ایضاً ص ۱۸۳ (۶) فرہنگ عوام ص ۶۳۰

(۷) فرہنگ امثال ص ۱۸۳۔

معنوی، مانند ضروریاتی کہ از طرف دوستی بہ دوست خود دارد آید،
یا نعلِ خلائی کہ از ناجیہ رفیق شفیقی سہواً سرزد، ایرادی ستودہ^(۱)
”دوست سے جو ملے اچھا ہے۔“^(۲)

۵۵۔ ہرچہ دردیگ است بہ چمچہ برمی آید: ”ہمانند و بمعنی:
از کوزہ برون ہمان تراود کہ در اوست“^(۳)

جو کچھ دیگ میں ہے وہ چمچے میں آجاتا ہے۔ یعنی جو: صلیبت ہوتی
ہے وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔“^(۴)

۵۶۔ یار درخانہ و من گر دجہاں می گردم:

آپ در کوزہ و مانند لبای می گردیم یار درخانہ و ما گر دجہاں می گردیم
این بیت را کابی تماماً و کابی ہریک از دو مصرعہ آنرا در موقعی
ایراد کنند کہ در طلب چیزی باشند و در راہ تحصیل آن سخت کوشش
کنند و حال آنکہ آن چیز در اختیار یا در دسترس ایشان است
بر اثر غفلت آنرا فراموش کردہ و ناگہان بیا دشن افتادہ اند۔“^(۵)

”دوست گھر میں اور میں دنیا بھر میں ڈھونڈ رہتا ہوں جب کوئی
چیز کسی کے پاس موجود ہو اور وہ اس کی تلاش کرتا پھرے تو
یہ مصرع پڑھتے ہیں۔“ نعل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈھو را۔“^(۶)

۵۷۔ یک سنگ و دو کلاغ: یک سنگ و چیل کلاغ، یک چوب
و صد چیل چراغ ہست۔“^(۷)

(۱) فرہنگ غوام ص ۶۳۳ (۲) فرہنگ امثال ص ۱۸۵

(۳) فرہنگ غوام ص ۶۳۴ (۴) فرہنگ امثال ص ۱۸۵

(۵) فرہنگ غوام ص ۶۴۲ (۶) فرہنگ امثال ص ۱۹۵

(۷) فرہنگ غوام ص ۶۸۲

ایک پتھر اور دو کوئے۔ جب ایک تدبیر سے دو مقصد حاصل ہو جائے تو یہ قول نقل کرتے ہیں۔ اردو کی ایک مثل ہے "ایک بچہ دو کاٹھنچ"۔

۵۸۔ یار غار است۔

اشارہ بدوستی و مصاحبت البکرہ با حضرت رسولؐ
است کہ در مواقع فرار از مکہ بمدینہ در غاری پناہ شدہ
و در آنجا سہ شبانہ روز خود را از نظر کفار قریش مخفی نگاہ داشتند

تاپس از آن توانستند با فراغ بال بسفر خود بسوی مدینہ
ادامہ دہند۔ مثال: فلان و فلان یار غار اند۔ مگر اویار غار
تو بود کہ تمامی اسرار را نزد او فاش کردی۔ ہمانند ۱

دو دوست جان در یک قالب (۲)

(۱) فرہنگ امثال ص ۱۹۷۔

(۲)۔ فرہنگ عوام ص ۶۷۲۔

مثمر پر ایک تنقیدی نظر

مثمر میں فارسی زبان کا لسانی اور لغوی اعتبار سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں فارسی قواعد پر بھی آئندہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ خان آندو پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی میں اس نوعیت کا اہم کام کیا ہے۔ ان کے پاس کوئی ایسا ماخذ نہ تھا جس کی مدد سے وہ لسانی، لغوی مسائل کو جو اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں حل کر سکتے۔ یہ امام سیوطی کی مزہر پر مبنی ہے جو عربی لغات سے متعلق ہے۔ ذیل میں مثنوی علمی و ادبی اہمیت، خصائص اور بعض فروگزاشتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ مثنوی حلال الدین سیوطی کی مزہر پر مبنی ہے جو اصول سیوطی نے عربی زبان کے سلسلے میں اپنائے تھے

وہی آندو نے فارسی زبان کے سلسلے میں اپنائے ہیں۔ فارسی زبان آریائی زبان ہونے کی بنا پر عربی زبان سے قطعی الگ ہے خان آندو نے بہت سے ایسے عنوانات جو فارسی میں زیادہ اہم ہیں اس میں شامل کیے ہیں۔ انہوں نے ایک طرف فارسی اور عربی کے ہم رشتہ زبان ہونے اور دوسری طرف فارسی اور ہندی کے ایک ہونے کا نظریہ پیش کیا ہے۔ مزہر اور مثنوی کے تقابلی مطالعہ سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ آندو نے سیوطی کے اصول اپنائے، لیکن وہ خود ایک اعلیٰ پایہ کے عالم تھے اور اس مطالعے میں ان کی انفرادیت آشکار ہے۔ مثنوی اس کے مولف کی انتھک محنت کا ثمرہ ہے آندو نے تقریباً

ان تمام تصانیف کو جو اس عنوان کے تحت دستیاب تھیں، جمع کیا
ان کا بغور مطالعہ کیا اور تقریباً تمام مشہور شعرا اور ادباء کی تصانیف
سے مطالعے میں مدد لی۔

مشرقی سنسکرت اور فارسی کے ہم رشتہ زبان ہونے سے
بحث کی گئی ہے، فارسی اور سنسکرت الفاظ میں حرکات اور لہجہ کی
یکسانیت کی وجہ سے انہوں نے دونوں زبانوں کو ہم رشتہ زبان
بتایا ہے انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ ہندی لفظ بستر اور فارسی
ریستر میں یکسانیت ہے۔ بستر (جو کہ زبر سے پڑھا جاتا ہے) اور بستر
(جو کہ زیر سے ہے) میں بہت حد تک مناسبت ہے جب ہم یہ بات
مان لیتے ہیں کہ اس طرح کے نظریات ایک ایسے عالم کے ہیں جو
اسلام سے قبل ایران کی زبان سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتا تھا
اور اسے سنسکرت اور دوسری زبانوں سے بھی معمولی واقفیت حاصل تھی
تو اس کے علم کی داد دیے بنا نہیں رہا جاسکتا۔

مشرقی علم لغات سے بھی مفصل بحث ہے۔ خان آرزو نے اس
میں لغات کے ان مسائل کا تقابلی مطالعہ کیا ہے جو کہ فرہنگ جہانگیری
فرہنگ رشیدی اور برہان قاطع میں بیان ہوئے ہیں۔ برہان قاطع
پر انہوں نے بہت تنقید کی ہے، فرہنگ رشیدی کی بہت کم تعریف
کی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف فرہنگ جہانگیری کی بہت زیادہ تعریف
کی ہے۔ اس طرح ہمیں مشرق میں ان لغات کا تقابلی مطالعہ بھی نظر آتا ہے

مشر سے مولف کی ذکاوت کا پتا چلتا ہے اور ان اشعار کے متعلق جو مشر میں نقل ہوئے ہیں اس کے تنقیدی نظریے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حالانکہ آرزو کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ شعرا کے کلام کا تنقیدی مطالعہ کریں، لیکن اس ضمن میں انہوں نے جو کچھ مشر میں لکھا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خان آرزو ایک بلند پایہ ناقد تھے۔ صاحب نظر عالم اور ایک قطعی نظریہ رکھنے والے ناقد بھی تھے جو فارسی زبان و عروض کے قواعد کے عین مطابق ہے۔ مختلف فارسی شعرا کے کلام پر انہوں نے جو مشر میں لکھی ہیں ان سے ان کے تنقیدی مشاہدات و نظریات اور ان کے گہرے مطالعے کا پتا چلتا ہے۔

مشر میں خان آرزو نے تعریب، تفریس اور تہنید کے مسئلہ سے بحث کی ہے۔ تعریب و تفریس کے سلسلے میں ان کو اولیت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، لیکن تہنید کے سلسلہ میں فارسی الفاظ کو ہنر کے طریقے سے تبدیل کر دینا ان سے پہلے کسی نے یہ نظریہ نہیں پیش کیا ہے۔ اس لیے انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

مشر میں آرزو نے فارسی قواعد کے مسئلہ کو بہت تفصیل سے جانچا اور یہ لکھا ہے کہ سلسلے میں بھی آرزو پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے نظریات کو بہترین طریقے سے پیش کیا ہے۔ اور ان مسئلوں کو نہایت خوبصورتی سے حل کیا ہے۔

مشر میں کچھ ایسی تالیفات کا ذکر ملتا ہے جو ہماری دسترس میں نہیں ہے جیسے مجالدین علی قوسی کی "تہذیب" مشر میں آرزو کو ہندوستانی فارسی کا اچھا وکیل ثابت کرنے کے لیے خاص مواد ملتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ زبان جو کہ ایک زمانے تک ہندوستان جیسے عظیم برصغیر میں رائج ہو اس میں ضروری سی خوبیاں ہوں گی جو اصلاً فارسی میں نہیں پائی جاتی ہوں گی۔ لیکن اس کچھ باوجود یہ درست نہ ہونا اگر صرف

ہند ستانی فارسی کی طرف ہی توجہ کی جاتی جیسا کہ کچھ عالموں نے کیا ہے
 خان آرزو شاید پہلے عالم ہیں جنہوں نے توافق لسانین کے
 نظریے کو پیش کیا، یہ نظریہ دو طرح کا ہے، ایک فارسی اور کستانی
 ہند کی ایک ہونے کا نظریہ اور دوسرا فارسی اور عربی کے ہم رشتہ
 زبان ہونے کا تصور جہاں تک پہلے نظریہ کا تعلق ہے اس میں
 بڑی حد تک صداقت ہے۔ اور مجموعی طور پر جو باتیں انہوں نے بیان
 کی ہیں، وہ بالکل صحیح ہیں۔ یہ نظریہ جواب عام ہو گیا ہے سب سے
 پہلے خان آرزو کی بدولت ہی روشناس ہو سکا، لیکن ان کا دوسرا
 نظریہ یعنی عربی اور فارسی کے مماثل زبان ہونے کا تصور غلط ہے
 انہوں نے اس سلسلے میں جو باتیں لکھیں وہ دراصل غلط فہمی پر مبنی ہیں عربی
 اور فارسی ہم رشتہ زبانیں نہیں ہو سکتیں عربی سریانی اور فارسی آریائی
 خاندانوں سے متعلق ہیں۔ یہ دو الگ الگ خاندانوں کی زبانیں ہیں
 جو تاریخ کے کسی قدیم ترین دور میں کبھی ایک نہیں تھیں، وہ فارسی
 اور عربی کے چند لفظوں کی مماثلت سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ مماثلت
 کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں ہو سکتی، مگر جن فارسی لفظوں کو انہوں نے عربی
 لفظوں کے مماثل بتایا ہے وہ دراصل فارسی لفظ ہی نہیں ہیں بلکہ
 وہ پہلوی زبان کی ایک املائی صورت ہے جن کو اصطلاح میں
 بردارش کہتے ہیں

ہزدارش کے لغوی معنی گزارش اور شرح کے آتے ہیں لیکن
 اصطلاحاً اس کے مخصوص معنی ہیں پہلوی زبان میں بہت سے سامی
 الفاظ ہیں جو اس کی ایک شاخ آرامی سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح

کے الفاظ کی کتابت تو آرا می تلفظ کے اعتبار سے ہوتی ہے لیکن پڑھتے وقت اس کا متبادل پہلوی لفظ پڑھا جاتا ہے مثلاً جلتا لکھتے ہیں اور پوست پڑھتے ہیں، ملکا لکھتے ہیں اور شاہ پڑھتے ہیں، اب لکھتے ہیں اور بیت پڑھتے ہیں، آخ لکھتے ہیں اور بات پڑھتے ہیں واضح ہو کہ یہ سامی کلمات عربی سے مشابہ ہیں جلتا جلد ہے ملکا ملک ہے اور اب اور آخ تو دونوں زبانوں میں یکساں ہیں۔

فارسی فرہنگ نویس خواہ وہ ایرانی ہوں یا ہندستانی قدیم ایران کی تاریخ اور وہاں کی زبانوں سے کما حقہ واقفیت نہیں رکھتے تھے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس بارے میں ان کے اکثر بیانات اشتباہ پر مبنی ہیں۔ ہر وارش کے تصور سے وہ لوگ یکسر ناواقف تھے جیسا کہ یہ معلوم ہے کہ فارسی فرہنگ نویسوں میں صاحب فرہنگ جہانگیری اس غلط فہمی کا شکار ہوئے۔ پرویز نذیر احمد نے اپنے مقالے برہان قاطع میں اس سے مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جمال الدین حسین انجوی شیرازی کو ایک قدیم کتاب کے اوراق نے گمراہی میں مبتلا کر دیا جو کسی نردقشی کے پاس تھی، اس نے اس کتاب کے تمام لفظوں کو جو درحقیقت ہر وارش تھے، زند و پازند کے لفظ قرار دے کر اپنی فرہنگ میں شامل کر لیا۔ انجوی شیرازی کی پیروی میں محمد حسین بن خلف تبریزی صاحب برہان قاطع نے ان ہر وارش شکووں کو زند و پازند کے لفظ قرار دیتے ہوئے اپنی فرہنگ میں حروف تہجی کے اعتبار سے فارسی کے اصل لفظوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیا حالانکہ انجوی شیرازی

نے اتنی احتیاط برتنی تھی کہ ان الفاظ کو اس نے ایک الگ فصل میں درج کیا تھا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اگرچہ وہ ان کو زندہ پایزہ کے الفاظ سمجھتا تھا لیکن ان کی اصل سے ناواقفیت کی بنا پر اسے ان الفاظ کو فارسی کے اصل الفاظ قرار دینے میں تامل تھا کیونکہ ان کی عجیب و غریب شکلیں فارسی الفاظ کے سانچہ میں ٹھیک نہیں بیٹھتی تھیں، مگر خلف تبریزی نے بغیر کسی جرح اور تبدیل کے ان تمام ہزوارش شکلوں کو فارسی کے اصل الفاظ قرار دیا اور اس طرح فارسی زبان کو سخت نقصان پہنچایا۔ پروفیسر ندیر احمد نے چونکہ اس سلسلے کے سارے الفاظ اپنے مضمون میں جمع کر دیے ہیں اس لیے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے بارے میں ان کے اسی مضمون سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

سراج الدین علی خان آرزو بارہویں صدی میں فارسی زبان و ادب کے حید عالم تھے، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ فارسی اور کتبہ ہندی د سنسکرت کے توافقی اور وحدت کا راز معلوم کیا جائے۔ اس کو وہ توافقی لسانین کے نام سے اپنی مشہور لیکن غیر مطبوعہ کتاب مثنوی میں بیان کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بعد میں تمام مشرق و مغرب کے علماء کی تحقیق کی بنیاد بنا، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ آرزو کا قدیم ایرانی زبان کا مطالعہ ناقص تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اوستا اور زند و پازند وغیرہ کے بارے میں انکی تشریح ناقص اور ان کا بیان غلط نہیں پر مبنی ہے۔ جیسے زرتشت جو مجوسیوں کا پیغمبر ہے اس کے بارے میں ان کے بیانات غلط اور کیٹرنہ ہیں۔ اسی طرح ہزوارش کے

بارے میں بھی ان کو کوئی اطلاع نہ تھی۔ انہوں نے فرہنگ چھانگی اور برصغیر تامل کی پیروی میں ان کو زندہ یا زندہ کے الفاظ قرار دیکر اپنی کتاب نمٹریں وہی سب باتیں دہرائی ہیں جو پہلے حسین انجمن شیرازی اور حسین تبریزی اپنی فرہنگوں میں بیان کر چکے تھے۔ نامناسب نہ ہوگا اگر پہلے قدیم ایران کے متعلق ان کے وہ بیانات پیش کیے جائیں جو غلط ہیں، اس کے بعد ان تمام ہندوؤں کی فہرست درج کی جائے جو انہوں نے نمٹریں شامل کیے ہیں۔

گیو مرت : مرکب است از گیو و کاف فارسی قلب بعض گوی و مرت مبدل مرد یعنی مرد گویا، ان کا یہ استدلال غلط ہے، گیو مرت دو کلمے سے بنا ہے، گیو بمعنی (زندگی) اور مرتن یعنی مردنی و درگنہ شستی یعنی (مرنے اور گزر جانے والا) و مردم، پس اس کے معنی ہوئے زندگی مردم یا وہ زندگی جو فانی ہے۔ دراصل گیو بمعنی جان و زندگی اور مرتن صفت ہے یعنی وہ چیز جو مرنے والی اور گزر جانے والی ہو۔ چونکہ آدمی فانی ہے اس لیے گیو مرت کہا گیا ہے۔

فیاسی خواہد کہ زردشت اصل باشد و معنی آن دشمن زر

است، درین صورت لقب او خواہد بود ابراہام نامش۔

اس میں کلمہ زردشت دو چیزوں پر مشتمل ہے، زرتہ و اشتہ یعنی دارندہ و شتر زرد، بعض لوگوں نے آرزو کی طرح زردشت کو ابراہیم بتایا ہے اور

اس کی کتاب ادستا کو صحفِ ابراہیم قرار دیا ہے، یہ بیان غلط ہے نہ تاریخ سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ لغت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس لیے ابراہیم اور ابراہام دراصل سریانی لفظ ہیں اور زرتشت آریائی۔ اس وجہ سے آریائی اور سریانی کا جوڑنا ممکن ہے۔

”نظر این حال کتاب ادستا است کہ ابراہیم زردشت آنرا آورده و چون آن را نفہیدند شرح برآن نوشت موسوم بزندو چون آنرا ہم نفہیدند شرح آن را نیز نوشت مسلمی یہ پازند و عجب از دچہ اود دعوی پیغمبری داشت بزبان قوم حرف می زند تا بفہمند داند آوردن کتابی کہ قوم آنرا نفہند“ چہ حاصل“

اس کی مثال کتاب ادستا ہے جو ابراہیم زردشت کی لائی ہوئی ہے اور چونکہ قوم نے اس کو نہ سمجھا تو اس نے زند کے نام سے اس کی شرح لکھی جب لوگوں نے اس کو بھی نہ سمجھا تو اس نے پازند نام سے اس کی شرح کی۔ اس کی یہ بات حیرت انگیز ہے کہ وہ دعوی پیغمبری کرتا تھا اور پیغمبر اپنی قوم کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کی بات سمجھ سکیں۔ ایسی کتاب لانے سے کیا فائدہ جس کو قوم نہ سمجھ سکے) یہ قول غلط کا مجموعہ ہے۔ آرزو قدیم ایرلا کے مسائل سے واقف نہ تھے اس لیے اور دوسرے مصنفین کی طرح وہ ان غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکے، اس سلسلے کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ار زودشت کا نام ابراہیم نہیں، ہو سکتا اس سلسلے کی بات اد پر بیان

کی جا چلی ہے۔

۲۔ اوستا کی شرح کا نام زند نہ تھا، بلکہ زند اوستا کی وہ شرح ہے جو پہلوی زبان میں لکھی گئی۔

۳۔ زند کا مصنف زردشت قرار دیا یہ صحیح نہیں ہے۔ اوستا کی شرح پہلوی زبان میں دور ساسانی میں لکھی گئی جو زردشت سے ہزاروں سال بعد کا دور ہے۔

۴۔ پازندہ زند کی مخصوص شرح بتائی گئی ہے یہ کبھی صحیح نہیں۔ دراصل زند کی وہ روایت جس میں ہزارش کے بجائے اصل فارسی لفظ لکھ دے گئے ہوں پازند کہلاتی ہے اور اسلامی دور کی یادگار ہے جو زردشت کے زمانے کے ہزار سال بعد وجود میں آئی۔

۵۔ اوستا۔ زند اور پازند زردشت کی تصانیف قرار دی گئی ہیں نہ اوستا زردشت کی تصنیف ہے اور نہ زند پازند۔ دراصل زردشت کے مذہب میں یہ آسمانی کتاب سمجھی گئی ہے لہذا اس کی طور پر اس کو زردشت کی کتاب قرار دینے میں احتیاط برتنی چاہیے۔ زند نہ کوئی تصنیف ہے اور نہ یہ زردشت کی لکھی ہوئی ہے بلکہ اس کے سیکڑوں سال بعد وجود میں آئی یہی حال پازند کا بھی ہے۔

۶۔ متذکرہ بالا بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اوستا زند اور پازند کی ایک ہی زبان ہے، دراصل اوستا ایک متن ہے اور باقی زند

دِ باز ندو شرعیں، لیکن واقعہ ایسا ہے کہ اوستائی زبان ز ندو
پاز ند کی زبان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ تینوں کی زبانوں میں بہت
زیادہ تفاوت کبھی ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ آرزو قدیم ایران کے صحایف
اور زبان کے بارے میں کس طرح غلط فہمی کا شکار تھے۔

ذیل میں ہنروارش الفاظ کی بحث کی جاتی ہے اول ثمر
سے آرزو کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ پھر برہان قاطع کی عبارت
نقل ہوگی اور آخر میں اس کے ہنروارش کی نشان دہی کی جائے گی
۱۔ مترکہ در زبان پہلوی بمعنی باران است و در عربی مطربطای سند
دارد“

برہان قاطع۔ متر اب لغت ز ند و پاز ند باران را گویند و عربی
مطربط خوانند“ ۱۱

دراصل اس کے معنی باران نہیں بلکہ یہ باران کا ہنروارش ہے
پہلوی میں متر لفظ کا کوئی وجود نہیں۔ یہ محض آب کے لکھنے کی شکل ہے۔
پہلوی میں لفظ آب محض ہنروارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۔ نیزا بجسر بمعنی آتش کہ عبرانی تارگویند و غریب تر آنک نار در زبان
ہندی کشمیری کہ مصداق دعوه فان شیطا من یتکلم با الہندیہ

باشد آتش را نار گویند و وجہ آن بخاطر رسیدہ لیکن بسبب اذیت
چون کم کسی خواہد ہمید نوشتہ، با آنکہ در الفاظ دیگر مطلقاً
اشتراک نیست۔

برہان قاطع بلغت زند و پازند آتش را نار گویند و عبری
نار خوانند^(۱)

نار اس کے معنی نہیں بلکہ یہ نار کا ہند وارش ہے۔ پہلوی میں
نبر لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ نار کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی
میں لفظ نار محض ہند وارش کے طور پر آیا ہے۔

۴۔ میلینا: بمعنی شب کہ در عبری بمعنی لیل خوانند۔
برہان قاطع بلغت زند و پازند بمعنی شب است کہ
عربی لیل را گویند^(۲)

شب اس کے معنی نہیں بلکہ یہ شب کا ہند وارش ہے پہلوی
میں میلینا لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ شب کے لکھنے کی شکل ہے۔
پہلوی میں لفظ شب محض ہند وارش کے طور پر آیا ہے۔

۵۔ تینا۔ بفوقانی بوزن مینا گل کہ عبری طین گویند
برہان قاطع۔ بلغت زند و پازند گل را گویند و عبری طین خوانند^(۳)
در اصل گل اس کے معنی نہیں بلکہ یہ گل کا ہند وارش ہے پہلوی میں
تینا لفظ کا کوئی وجود نہیں۔

(۱) برہان ص ۲۲۲

(۲) ایضاً ص ۱۹۲۲

(۳) ایضاً ص ۵۴۷

یہ محض کل کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ کل محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

۴۔ تین بفقائی بمعنی انجیر کہ در عربی تین است۔
برہان قاطع : بلغت زند و یا زند انجیر را گویند در عربی نیز همین نام دارد

واضح ہے کہ عربی اور آرامی میں یہ لفظ مشترک ہے ہزارش آرامی سے لیا گیا ہے نہ کہ عربی۔ تین کے معنی دراصل انجیر نہیں بلکہ یہ انجیر کا ہزارش ہے۔ پہلوی میں تین لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ محض انجیر کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ انجیر محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

(۷) توپا : بفقائی بوا د معروف دیا فارسی بمعنی سیب کہ عبری تفاح است برہان قاطع : بلغت زند و یا زند سیب را گویند عربی میں سیب کو تفاح کہتے ہیں گویا توپا اور تفاح کا مادہ مشترک ہے۔
در اصل توپا کے معنی سیب نہیں بلکہ یہ سیب کا ہزارش ہے پہلوی میں توپا لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ محض سیب کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ سیب محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

۸۔ قوم بفقائی بوزن بوم بمعنی سیر کہ برادر پیا ز است و عبری ثوم و قوم بنام مثلثہ و قانوا نند۔

برہان قاطع : تو ما بلغت زند و یا زند سیر برادر پیا ز را گویند

بعر بی قوم و قوم خوانند۔

دراصل سیر اس کے معنی نہیں بلکہ یہ سیر کا مفرد ارش ہے پہلوی میں قوم لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ محض سیر لکھنے کی شکل ہے، پہلوی میں لفظ سیر محض مفرد ارش کے طور پر آیا ہے۔

۹۔ سنت : بین ہمد و لون ہر دو متحرک بمعنی سال و ستان جمع و بعربی سنہ گویند۔

برہان قاطع : بلغت زندہ یا زند سال است (یا سالہا)، و بعربی سن خوانند۔ ان ہر وارش الفاظ کی اصل آرامی لفظ "سنتہ" ہے جو عربی میں سنتہ باسین غیر منقوطہ آیا ہے۔

دراصل سال کے معنی نہیں بلکہ یہ سال کا ہر وارش ہے پہلوی میں سنت لفظ کا کوئی وجود نہیں ہے یہ محض سال کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ سال محض ہر وارش کے طور پر آیا ہے۔
۱۰۔ بنٹن یکسربای موحده دنون ساکن و فتح فرقانی و میم مفتوح دنون بمعنی دختر کہ بعربی بنت گویند۔

دراصل دختر اس کے معنی نہیں بلکہ یہ دختر کا ہر وارش ہے پہلوی میں لفظ بنٹن کا کوئی وجود نہیں یہ محض دختر کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ دختر محض ہر وارش کے طور پر آیا ہے۔ بعربی ابن گویند۔
۱۱۔ بنٹن : ہماں حرف و اعراب بدون فوقانی بمعنی پسرتہ بعربی ابن گویند۔

برہان قاطع : بلغت زند و پا زند پسر را گویند^(۱)
بظاہر ابن عربی کا ہمیشہ ہے

در اصل پسر اس کے معنی نہیں بلکہ یہ پسر کا ہنر و ارش ہے۔
پہلوی میں لفظ بنمن کا کوئی وجود نہیں یہ محض پسر کے لکھنے کی شکل ہے
پہلوی میں لفظ پسر محض ہنر و ارش کے طور پر آیا ہے۔

۱۲۔ شمیاء : بفتح سین معجمی آسمان کہ بعربی سیما است۔
در اصل آسمان اس کے معنی نہیں بلکہ یہ آسمان کا ہنر و ارش ہے پہلوی میں لفظ

شمیاء کا کوئی وجود نہیں یہ محض آسمان کے لکھنے کی شکل ہے پہلوی میں لفظ آسمان
محض ہنر و ارش کے طور پر آیا ہے۔

۱۳۔ دنیا : بفتح اول و سکون میم و تختانی بالف کشیدہ بمعنی خون کہ بعربی دم است
برہان قاطع : بلغت زند و پا زند خون را گویند و بعربی دم را خوانند۔

در اصل خون اس کے معنی نہیں بلکہ یہ خون کا ہنر و ارش ہے۔ لفظ دنیا کا پہلوی میں
کوئی وجود نہیں یہ محض خون کے لکھنے کی شکل ہے پہلوی میں لفظ خون محض ہنر و ارش کے طور پر آیا
۱۴۔ دما : بکسر اول بمعنی رودخانہ کہ در عربی دأما و وزن فعلا است بمعنی آب
برہان قاطع : بلغت زند و پا زند رودخانہ گویند۔^(۲)

ڈاکٹر معین کا خیال ہے کہ یہ لفظ ہنر و ارش کی شکل نہیں بلکہ دساتیر
جو جعلی کتاب ہے اس سے ماخوذ ہے^(۳)

۱۵۔ ملکا : بمعنی شاہ کہ بعربی ملک گویند۔

برہان قاطع : بلغت زند و پا زند شاہ را گویند

۱۱۔ برہان ص ۲۱۰
۲۔ برہان ص ۸۸۱

(۳) ایضاً ص ۸۷۷

(۴) فرہنگ دساتیر ص ۲۲۵

در اصل پادشاہ اس کے معنی نہیں یہ پادشاہ کا ہزارش ہے۔ لفظ ملک پہلوی میں کوئی وجود نہیں یہ محض پادشاہ کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ پادشاہ محض ہزارش کے طور پر آیا ہے ۱۶۔ شمشا: بمعنی زرد آلو کہ عبری شمش گویند۔

برہان قاطع: بلغت زرد دیا زرد نوعی از زرد آلو باشد^(۱)۔ در اصل زرد آلو اس کے معنی نہیں ہیں بلکہ یہ زرد آلو کا ہزارش ہے۔ لفظ شمشا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں ہے یہ محض زرد آلو کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ زرد آلو محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

۱۷۔ کلبا کہ عبری کلب است۔

برہان قاطع: بلغت زرد دیا زرد بمعنی سگ باشد و بنازی کلب خوانند^(۲)۔

در اصل سگ اس کے معنی نہیں بلکہ یہ سگ کا ہزارش ہے لفظ کلبا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں ہے یہ محض سگ کے لکھنے کی شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ سگ محض ہزارش کے طور پر آیا ہے ۱۸۔ جلتا: بفتح بمعنی پوست کہ عبری جلد است۔

برہان قاطع: بلغت زرد دیا زرد پوست آدمی و حیوانات دیگر باشد و عبری جلد گویند^(۳)۔

در اصل پوست اس کے معنی نہیں ہیں بلکہ یہ پوست کا ہزارش ہے پہلوی میں جلتا کا کوئی وجود نہیں یہ محض پوست کے لکھنے کی شکل ہے پہلوی

میں لفظ پوست محض ہنر وارش کے طور پر آیا ہے
 ۱۹۔ ذکر: بمعنی نر کہ بعربی بعینہ ہمیں است وازین دریافت می شود
 کہ سابق در فارسی ذال معجمہ بود و حالا مطلق نیست چنانچہ برجاوردہ
 آن پوشیدہ نیست و این مخالف تحقیق سابق است و ظاہراً
 ہزار معجمہ است نہ ذال معجمہ ۔

برہان قاطع: بلغت زند و پیا زند بمعنی نر یا شد کہ در مقابل
 مادہ است و بعربی نیز ہمین معنی دارد۔ واضح رہے کہ یہ اتفاق کی
 بات نہیں بلکہ بعض سامی زبانوں میں یہ لفظ اس معنی میں آتا ہے
 اور یہ ہنر وارش سامی الاصل ہے ۔

دراصل نر اس کے معنی نہیں بلکہ یہ نر کا ہنر وارش ہے پہلوی
 میں ذکر کا کوئی وجود نہیں، یہ محض نر لکھنے کی شکل ہے لفظ نر محض
 ہنر وارش کے طور پر آیا ہے ۔

۲۰۔ مزیا: بفتح میم و سکون زاء معجمہ تختانی بالف کشیدہ بمعنی ترازو
 کہ بعربی میزان گویند ۔

برہان قاطع: دربرہان موزنا است۔ بلغت زند و پیا زند بمعنی
 ترازو باشد و بعربی میزان گویند^(۱)۔

دراصل ترازو اس کے معنی نہیں بلکہ یہ ترازو کا ہنر وارش ہے
 پہلوی میں مزیا کا کوئی وجود نہیں، یہ محض ترازو کے لکھنے کی شکل ہے
 پہلوی میں لفظ ترازو محض ہنر وارش کے طور پر آیا ہے ۔

۲۲۔ بزومہ بمعنی تخم کہ در عربی نیز بزور گویند

برہان قاطع: بلغت زند و پا زند تخم زراعت را گویند^(۱)
 در اصل تخم اس کے معنی نہیں بلکہ یہ تخم کا ہزارش ہے پہلوی
 میں ہر لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ محض تخم کے لکھنے کی شکل ہے پہلوی
 میں لفظ تخم ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

۲۳۔ ورتا: بوا و فوقانی بمعنی گل کہ عبری و درداست و ظاہر از ہمیں
 چیت ورد بمعنی گل را کہ فارسی گفتہ اند چنانکہ امام سیوطی در مژھر
 آورده و در محل خود بیامد۔

برہان قاطع: بلغت زند و پا زند گل را گویند و عبری ورد خوانند^(۲)
 در اصل گل اس کے معنی نہیں بلکہ یہ گل کا ہزارش ہے پہلوی
 میں ورتا لفظ کا کوئی وجود نہیں یہ محض گل کے لکھنے کی شکل ہے۔
 پہلوی میں لفظ گل محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔

۲۴۔ ارشیا: بمعنی سریر کہ عبری عرش گویند
 برہان قاطع: بلغت زند و پا زند تخت و اورنگ شہان
 را گویند^(۳)

در اصل سریر اس کے معنی نہیں بلکہ یہ سریر کا ہزارش ہے۔
 لفظ ارشیا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں، یہ محض سریر کے لکھنے کی
 شکل ہے پہلوی میں لفظ سریر محض ہزارش کے طور پر آیا ہے
 ۲۵۔ کذیا۔ بکاف تازی رسکون ذال بمعنی دروغ کہ عبری
 کذب باشد۔

(۱) برہان ص ۲۷۲۔

(۲) ایضاً ص ۲۲۶ (۳) ایضاً ص ۱۰۵۔

برہان قاطع: بلغت زند و پازند بمعنی دروغ باشد و عبری کذب خوانند
 در اصل دروغ اس کے معنی نہیں بلکہ یہ دروغ کا ہزارش ہے، لفظ
 کنیا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں بلکہ یہ محض دروغ کے لکھنے کی
 شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ دروغ محض ہزارش کے طور پر آیا ہے۔
 ۲۶۔ شجاری: بفتح شین معجم و جیم تازی بالف کشیدہ و رای ہملہ
 بیار کشیدہ بمعنی درخت کہ عبری شجر خوانند۔

برہان قاطع: در برہان شجار است۔ بلغت زند و پازند بمعنی درخت
 باشد کہ عربان شجر گویند^(۱)

صاحب برہان کے خیال میں یہ نہ آیا کہ شجار کا ریشہ اسی شجر سے ہے
 در اصل درخت اس کے معنی نہیں بلکہ یہ درخت کا ہزارش ہے
 لفظ شجاری کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں یہ محض درخت کے لکھنے کی
 شکل ہے۔ پہلوی میں لفظ درخت محض ہزارش کے طور پر آیا ہے
 ۲۷۔ سچیل: کسر اول و فتح بار فارسی و جیم فارسی بمعنی مہی کہ میوہ است
 معروف عبری سفر جل گویند۔

در اصل میوہ اس کے معنی نہیں۔ بلکہ یہ میوہ کا ہزارش ہے
 لفظ سچیل کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں، یہ محض میوہ کے لکھنے کی
 شکل ہے۔ پہلوی میں میوہ ہزارش کے طور پر آیا ہے۔
 ۲۸۔ شپتہ زیا: بفتح اول دسکون ہای فارسی و فوقانی بیار سیدہ دنون
 بالف کشیدہ بمعنی لب کہ عبری شفت گویند۔

(۱) برہان ص ۱۶۰۴

(۲) ایضاً ص ۱۲۵۴

در اصل لب اس کے معنی نہیں، یہ لب کا ہنر دارش ہے۔ لفظ شبتیا کا پہلوئ میں کوئی وجود نہیں یہ محض لب کے لکھنے کی شکل ہے لب پہلوی میں محض ہنر دارش کے طور پر آیا ہے

۲۹۔ تبتا: بفتح فو تانی و سکون باء موحده و نون بالف کشیدہ بمعنی کاہ کہ در عربی تبن گویند۔

برہان قاطع: بلغت زندو یا زند کا ہی کہ اندر گندم و جوہم رسد^(۱) در اصل کاہ اس کے معنی نہیں بلکہ یہ کاہ کا ہنر دارش ہے لفظ تبتا کا پہلوئ میں کوئی وجود نہیں یہ محض کاہ کے لکھنے کی شکل ہے۔ لفظ کاہ پہلوئ میں محض ہنر دارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۰۔ کالو۔ کالود: بمعنی کالبد کہ عبرتی قالب خوانند و بعضی از فضلا گفته اند کہ قالب بکسر لام نیز آمدہ۔ لہذا شیخ سعدی شیراز قافیہ غالب آدرودہ =

گر مکی زین چہ ارشد غالب جان شیرین بر آید از قالب^(۲)
در اصل کالبد اس کے معنی نہیں بلکہ یہ کالبد کا ہنر دارش ہے لفظ کالود کا پہلوئ میں کوئی وجود نہیں، یہ صرف کالبد کے لکھنے کی شکل ہے۔ کالبد پہلوئ میں محض ہنر دارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۱۔ زابا: بزای معجمہ بالف کشیدہ بمعنی تلا کہ متاخران طلا بتا نو لیند و در عربی ذہب گویند۔

در اصل تلا اس کے معنی نہیں بلکہ یہ تلا کا ہنر دارش ہے

(۱) برہان ص ۴۷۸۔

(۲) گلستان سعدی ص ۱۴۔

لفظ زا با کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں، یہ تلاء کے لکھنے کی شکل ہے تلاء
پہلوی میں ہنروارش کے طور پر آیا ہے

۳۲۔ اموتیا: بواو معروف و فوقانی مکسور و تحتانی بالف کشیدہ
کنیز و پرستار کہ زن بود و عبری امہ خوانند۔

در اصل کنیز و پرستار اس کے معنی نہیں بلکہ یہ کنیز و پرستار کا
ہنروارش ہے۔ لفظ اموتیا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں ہے
یہ صرف کنیز و پرستار کے لکھنے کی شکل ہے۔ کنیز و پرستار پہلوی میں
ہنروارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۳۔ ببا: بہر دو بای موحده مفتوح در خانہ کہ عبری باب گویند
برہان قاطع: بروزن سبا، در خانہ و در سر را گویند^(۱)
در اصل یہ پہلوی لفظ در کا ہنروارش ہے۔

۳۴۔ مدینا: بمعنی شہر کہ عبری مدینہ گویند۔
برہان قاطع: بلغت زند و پا زند بمعنی شہر است و عبری
مدینہ گویند^(۲)۔

در اصل یہ پہلوی لفظ شہر کا ہنروارش ہے۔
۳۵۔ یدہن: بفتح تحتانی و سکون دال و کسر میم و فون بمعنی دست
کہ یہ عبری ید باشد۔

برہان قاطع: بلغت زند و پا زند بمعنی دست است کہ عبری ید
خوانند^(۳)۔

۱۔ برہان ص ۲۳۱

۲۔ ایضاً ص ۱۹۷

۳۔ ایضاً ص ۱۲۵

در اصل دست اس کے معنی نہیں۔ بلکہ یہ دست کا ہنر و ارش ہے
لفظ یدمن کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں۔ یہ دست کے لکھنے کا شکل ہے
دست پہلوی میں ہنر و ارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۶۔ زک، بفتح زار سجدہ و سکون کاف تا نازی یعنی آن شک کہ عبری
زرق گویند

برہان قاطع: بلغت زند و پازند یعنی آن باشد کہ کلمہ اشارہ باشد^{۱۱}۔
عربی ذاک، ذ لک کا ہمراش ہے۔

در اصل آن اس کے معنی نہیں بلکہ یہ آن کا ہنر و ارش ہے لفظ زک کا
پہلوی میں کوئی وجود نہیں بلکہ یہ آن کے لکھنے کی شکل ہے۔ آن پہلوی
میں ہنر و ارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۷۔ سکینا: بوزن مدینا یعنی کار دکہ عبری سکین بود بہ تشدید۔
در اصل کار داس کے معنی نہیں بلکہ یہ پہلوی لفظ کار دکہ ہنر و ارش ہے
۳۸۔ بیتا بکسر خانہ کہ عبری بیت است۔

برہان قاطع: بلغت زند و پازند یعنی خانہ است کہ عبری بیت خوانند^{۱۲}۔
در اصل خانہ اس کے معنی نہیں بلکہ یہ خانہ کا ہنر و ارش ہے۔
لفظ بیتا کا پہلوی میں کوئی وجود نہیں بلکہ یہ خانہ کے لکھنے کی شکل ہے
خانہ پہلوی میں ہنر و ارش کے طور پر آیا ہے۔

۳۹۔ بیل و بیلا: بکسر چاہ کہ بتازی بیر خوانند۔
برہان قاطع: بلغت زند و پازند یعنی چاہ کہ عبری بیر خوانند^{۱۳}۔

۱۱۔ برہان ص ۱۰۲۵ (۲) ایضاً ص ۲۳۱

۱۲۔ ایضاً ص ۳۳۹۔

در اصل چاہ اس کے معنی نہیں بلکہ یہ چاہ کا ہنر وارش ہے لفظ بیل و سیلا کا پہلوئی میں کوئی وجود نہیں۔ یہ چاہ کے لکھنے کی شکل ہے۔ لفظ چاہ پہلوئی میں محض ہنر وارش کے طور پر آیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے خوب واضح ہو گیا کہ دراصل ہنر وارش شکلوں کی اصلی قرأت جو عربی سے ملتی جلتی ہے تمام تر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ حقیقتاً وہ شکلیں حروف ہجی کے اعتبار سے پڑھنے کے لیے لکھی جاتی تھیں، لیکن پہلوئی الفاظ کی مقررہ علامتوں کے طور پر سمجھی جاتی تھیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی اصلی قرأت سے فارسی کے لفظ نہیں بنتے بلکہ وہ آراہی کے الفاظ تھے جو عربی کی طرح سریانی کی ایک شاخ ہے۔ پس ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ فارسی اور عربی میں الفاظ کی گہری مماثلت ہے اشتباہ پر مبنی ہے۔ اور اسی طرح یہ نتیجہ بھی غلط ہو گا کہ فارسی اور عربی میں توافق سائن کا فرض ہے۔

مراج

نام کلکش	سائز	اوراق	مصنف
دیوان آرزو	میب گنج	۸۷۷۲۳	۲۹ + ۲۱
(آزاد لائبریری)	حکایت منظوم		آرزو
ریاض الشعرا	عبدالسلام	۹ x ۱۳	۵۲۷
(آزاد لائبریری)	والد غستانی		آرزو
سفینه خوشگو	فلو نیورٹی فاخار	۱۲ x ۱۸	۲۸۷
آزاد لائبریری	۳۳		آرزو
سراج اللغه ذاتی د از حرف اول			آرزو
شرح خیابان گلستان - صفیہ آرزو	۸۷۷۲۳	۱۵	آرزو
سعدی	۸۹۱۵۵۲۵		آرزو
شرح خیابان آزاد غمید آرزو	۸۷۷۲۳	۷۷	آرزو
شرح کندرنامہ			آرزو
مثمر آزاد	یونیورٹی زد لٹا	۱۷۷۶۷۲۲	۳۳۶
مثمر	فیروز عالم کجس	۷۷۲۱	۹۷۶ x ۳۳۶
مثمر	رضا لائبریری (راہور)		آرزو
شہ	خانہ فرہنگی، جمہوری اسلامی ایران		آرزو
شہ	ذکر حسین لائبریری (جانب)		آرزو
مثمر	بانگی پور		آرزو

مطبوعہ کتب

مصنف	چاپ	سال طباعت
آب حیات	محمد حسین آزاد	
آتش کدہ	لطیف علی بیگ آذر	
ادات الفضا	قاضی بدر خان	
اقبال نامہ	نظامی گنجوی	ابن سینا ۱۳۲۵ شمسی
انیس العاشقین	رتن سنگھ زخمی	
برہان قاطع	محمد حسین بن خلف تبریزی	
(ج ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)	دہاتمام معین تہران	۱۳۴۲ شمسی
بارخ معانی	نقش علی	
بزم سخن	علی حسن خان	آگرہ ۱۳۹۸ ہجری
بوستان	جاویدان	
تاریخ ادبیات	زریح اللہ صفاء	ابن سینا ۱۹۷۲ عیسوی
در ایران		
تاریخ ادبیات ایران	رضازادہ شفق	
تاریخ بیہقی	ابوالفضل	
تاریخ فرح بخش		
تذکرۃ الشرا	عبدالمعنی	
تذکرۃ بی نظیر	عبدالوہاب افتخار	الہ آباد ۱۹۳۰ ہجری
تذکرۃ حسینی	حسین دوست سنبھلی	

- تذکرہ خواجہ شمس موکر زریبا سعادۃ من خاں ناصر
 تذکرہ ریختہ گویان فتح علی گردیزی اورنگ آباد ۱۹۳۳ عیسوی
 تذکرہ شعراے ہند فیلن و کریم الدین دہلی ۱۹۴۷ عیسوی
 تذکرہ شعراے اردو میر حسن دہلی ۱۹۲۰ عیسوی
 تذکرہ گلشن سخن مردان علی خان
 چار شربت مرزا محمد حسن قتیل
 چراغ ہدایت آرزو فتح الکرم
 (حاشیہ عیاش الغفہ)
 چغتستان شعرا لکھنؤ زین شفق دہلی ۱۹۲۸ عیسوی
 حدیقۃ الحقیقت سنائی غزنوی کلکتہ ۱۹۱۰ عیسوی
 حیات میر تقی میر خواجہ احمد فاروقی
 خزانہ عامرہ غلام علی آزاد بلگرامی فول کشور کانپور ۱۲۷۶ ہجری
 خیابان شرح مکتبہ سعدی آرزو مغیرہ الملائق (دہلی) ۱۲۶۸ ہجری
 داد سخن سولہ ڈاکٹر سید محمد اکرم اسلام آباد ۱۳۵۲ ہجری
 دائرۃ المعارف اسلامی
 دبستان المذاہب مبہنی بمبئی ۱۲۷۷ ہجری
 دستور الاخوان قاضی بدر خان
 دستور الفصاحت احمد علی یکتا کے حواشی جمیع امتیاز علی عثمانی ہندو پریس راپور
 دیوان ازرقی ۱۹۲۳ عیسوی
 چاپ نفیس

دیوان انوری سعید نفیسی (مرتب) پیروز ۳۳ شمس

دیوان امیر معزی

دیوان جامی هاشم رضی (مرتب) پیروز ۱۳۲۱ شمس

دیوان حافظ سب رنگ کتاب گهر نئی دهلی

دیوان حافظ یزدانیر احمد (مرتب) تهران

دیوان حافظ سعید نفیسی (مرتب) انجمن

دیوان حافظ محمد قزوینی (مرتب) سینا، تهران

دیوان حزین علی حزین خیام ۱۳۵۰ شمس

دیوان حسینی ناصرالدین شاه حسینی

دیوانی سوزنی نفیسی

دیوان رودکی نفیسی

دیوان سعدی نول کشور

دیوان سلمان ساوجی

دیوان صاحب تبریزی امیر فیروز کوهی (مرتب عالی) ۱۳۳۶ شمس

دیوان عبدالواسع مجلسی ذبیح الله صفاد مرتب، بانک بازرگانی ۱۳۴۱

دیوان عربی نول کشور

دیوان عنصری بانک بازرگانی

دیوان غنی کشمیری علامه اهرنی جموں ایند کشمیر اکیدی سرینگر

دیوان فرخی سپهر تهران

دیوان فلکی رشردانی آذر

دیوان کمال اسماعیل حسین بحر العلوی (مرتب) کتابفروشی دهمذا ۱۳۴۵ شمس

دیوان کمال خجندی کمال خجندی تبریز (چاپ خانه شفق)

دیوان منوچهری منوچهر داغانی سپهر (تهران)

دیوان ناصر خسرو نول کشور ۱۹۶۷ عیسوی

دیوان نظیری نیشاپوری مظاہر مصفلا مرتب (کتابخانه امیر ۱۳۲۰ شمسی)

رقعات آرنو خان آرنو

روز روشن صدیق حسن خاں گویا پی

سر نشر ظهوری

شاه نامه (ج ۱)

شرف نامه گنجوی (سکندر نامه) نظامی (ابن سینا) ارنغان ۱۳۶۶ شمسی

شرف نامه گنجوی نظامی شرق ۱۳۳۵ شمسی

شرف نامه منیری ابراهیم قوام فاروقی (صحیح دکتر طارق حسن) ۱۹۷۰ عیسوی

صحاح الفرس محمد بن ہندو شاہ خجانی تهران ۱۳۴۱ شمسی

صحت ابراہیم علی ابراہیم خان خلیل

مراح و قراح محمد احمد علی کانبور

عقد ثریا غلام علی ہمدانی مصطفی دہلی ۱۹۳۴ عیسوی

عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی

غرائب اللغة

نیات اللغة مولانا غیاث الملتہ والدین فتح الکرم

فارسی ادب لہجہ اور رنگ زیبہ نور الحسن انصاری دہلی ۱۹۶۹ عیسوی

فردوسی پر چار مقالے شیروانی

فرہنگ امثال الحکم سعید حسن زعفرانی علی اکبر مہضرا کتاب گھر ۱۹۵۸ عیسوی

فرهنگ جهانگیری حسین انجوی شبیرزی
فرهنگ رشیدی عبدالرشید تتوی -

فرهنگ عوام

کلیات حزین علی حزین نول کشور کانپور
کلیات سعدی محمد علی فردغی (مرتب)، انتشارات جادیدان
گل رعنا لچھی نرائن شیخ

گلشن هند مرزا علی لطف لاهور ۱۹۰۶ عیسوی
گل عجائب اسد علی تننا اورنگ آباد ۱۹۳۵ عیسوی

نعت فرس سردری ابد منصور علی بن احمد اسری طوسی دیابتم پاول هورن
۱۸۹۴ عیسوی

نعت نامه دمنه (درج ۱) مجلس
لباب الالباب حمد الله مستوفی

لکھنؤ کا دبستان شاعری ابواللیث صدیقی
ماثر الامرا

ماثر اکرام آزاد بگرامی دهخانی دلاهور ۱۹۱۳ عیسوی
مزدینا و تاثیر آن در ادبیات فارسی محمد مصین دانشگاه ۱۳۲۶ شمسی
مجموعه نغز قدرت الله قاسم

مجمع الفصحا رضا قلی خان هدایت
مجمع الفرس سردری کاشی

مخزن الاسرار نظامی گنجوی شرق ۱۳۴۲ شمسی

مخزن زکات قایم چاندپوری اورنگ آباد
 مدارالافاضل (ج ۱، ۱۲) اللہ داد فیضی سرہندی (با تہام ندر باقر) لاہور ۱۳۴۵ شمسی
 مردم دیدہ حاکم لاہوری لاہور ۱۹۶۱ عیسوی
 مرآۃ الاصطلاحات آنندرام مخلص
 مزہر جلال الدین سیوطی (عربی) ۱۳۸۳ شمسی
 معیار جمالی شمس فخری
 مقدمہ نوادرالفاظ عبدالواسع ہانسی
 مویذ الفضلا لاد دہلوی
 میر کی آپ بیتی - میر تقی میر
 نثر بہت القلوب حمد اللہ مستوفی بریل ۱۳۳۱ شمسی
 نثر عشق حسین قلی خان عظیم آبادی
 نکات الشعرا میر تقی میر اورنگ آباد ۱۹۳۵ عیسوی
 نوادرالفاظ - عبدالواسع ہانسی
 ہفت اقلیم (ج ۱، ۲، ۳) امین احمد رازی علی اکبر علمی

سال طباعت

جنوری ۱۹۴۳ عیسوی
 ۱۹۶۰ عیسوی
 نومبر ۱۹۵۰ عیسوی
 جولائی ۱۹۴۳ عیسوی
 اگست ستمبر ۱۹۴۱ عیسوی

مجلات

ادیب
 انڈیا ایرانیکا
 اوزنٹیل کالج میگزین
 رسالہ اردو
 منارف

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۷	مرزا محمد رفیع	۲	تعارف
۷۹	میسر درد	۶	عرض مصنف
۷۹	آرزو اپنے معاشرین کی		سراج الدین علی خان آرزو
	نظر میں —	۹	احوال زندگی
۸۱	ایرانیوں کی بے جا برتری	۳۹	خان آرزو کے استاد معاشر اور شاگرد
۹۰	شاعری:	۴۲	میر غلام علی آزاد بلگرامی
۹۰	آرزو کی اردو شاعری	۴۶	سیر محمد افضل ثابِت
۹۲	آرزو کی فارسی شاعری	۴۷	غلام علی حزمین
۹۵	خان آرزو بحیثیت غزل گو	۵۰	معارضہ حزمین و آرزو
۹۶	بحیثیت قصیدہ نگار	۵۵	شاہ مبارک آبرو
۱۰۰	کلیات	۵۴	شرف الدین مضمون
۱۰۵	دوا دین	۵۷	حاکم لاہوری
۱۰۵	مثنویات	۵۷	مرزا منظر جان جاناں
۱۰۷	رباعی	۵۹	میر تقی میر
۱۰۷	لغت نویسی -	۷۰	رامی راہیاں آنند رام مخلص
۱۰۷	سراج اللغات	۷۲	خوشگو
۱۲۰	چراغ ہدایت	۷۵	نور العین واقف
۱۲۳	نوادہ الالفاظ: تصنیف غزالی	۷۶	محمد عظیم ثبات
۱۲۹	زاید الفوائد		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۷	موسبت عظمیٰ	۱۲۹	لسانیات
۱۲۷	معیار الافکار	۱۲۹	مثمر
۱۲۷	مفتاح و تلخیص	۱۳۹	شرح
۱۲۷	تذکرے	۱۳۹	خیابان
۱۲۷	جمع النفایس	۱۴۰	شکوہ زار
۱۵۴	متفرقات	۱۴۰	شرح قصائد عربی
۱۵۴	پیام شوق	۱۴۱	شرح گل کشتی
۱۵۵	آداب عشق	۱۴۱	سراج و ہاج
۱۵۵	گلزار خیال	۱۴۲	تنقید
۱۵۵	آبرو کے سخن	۱۴۲	تنبیہ الغافلین
۱۵۵	رقعات آرزو	۱۴۵	احقاق الحق
۱۵۷	مثمر	۱۴۵	سراج منیر
۲۵۷	مثمر پر ایک تنقیدی نظر	۱۴۶	قواعد
		۱۴۶	عطیہ کبریٰ

